

صرف احمدی احباب کے لیے

وَهْدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهْدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ (الحج: 25)
اور ان کو پاکیزہ کلام کی طرف ہدایت کی جائے گی اور ان کو خدا کے طریق کی طرف ہدایت کی جائے گی

ادب المسیح

عليه الصلوة والسلام

آپ حضرت کے محسنات شعر
اردو، فارسی اور عربی زبان میں

در کلام تو چیزے است کہ شعراء را در آن دخلے نیست
تیرے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے

كَلَامٌ أَفْصَحَتْ مِنْ لَدُنْ رَبِّ كَرِيمٍ
تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے

(الہام حضرت اقدس)

فہرستِ موضوعات

صفحہ نمبر	فہرست مضامین	نمبر شمار
vii	انتساب	
ix	اظہارِ تشکر	-1
xi	پیش لفظ	-2
xiii	چند یادیں۔ وجہ افتخار و شکر	-3
xviii	تعارف از حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	-4
1	چند گزارشات	-5
13	ادب اور اس کی تعریف	-6
26	آسمانی اور زمینی ادب کے محرکات	-7
41	حضرت اقدسؑ کے موضوعاتِ شعر	-8
54	حضرت اقدسؑ کا ادب تین زبانوں میں اور اساتذہ ادب سے تقابلی	-9
61	الف۔ اردو زبان میں ابلاغِ رسالت	
73	i آپ حضرت کا عقیدہ اور دعاوی	
74	ii مسیح و مہدی کی آمد	
76	iii ہندوؤں اور ہریوں پر ابلاغِ رسالت	
78	iv عیسائیوں پر ابلاغِ رسالت	
79	v سکھوں پر ابلاغِ رسالت	
80	vi اصلاح عقائد اور ابلاغ	
80	(ا) وفاتِ مسیح	

81	(۲) جہاد بالسیف	
82	vii ابلاغ رسالت میں انکار و تمذیب	
84	viii ابلاغ رسالت بشیر و نذیر بن کر	
85	ix ابلاغ۔ قوم کو نصیحت	
87	ب۔ فارسی زبان میں ابلاغ رسالت	
91	i ابیات	
101	ii عیسائیوں پر ابلاغ رسالت	
103	iii قصیدہ	
116	iv غزل	
123	v دعویٰ رسالت	
124	vi دعویٰ مسیحیت	
125	vii دعویٰ مجددیت	
125	viii نذیر اور بشیر ہونے کے اعتبار سے	
127	ج۔ عربی زبان میں ابلاغ رسالت	
151	10۔ حضرت اقدسؑ کے ادب کے علائم و رموز	
154	الف۔ روحانی علائم و رموز	
154	i نور	
164	ii صدق	
173	ب۔ ادبی علائم و رموز	
173	i بہار	

179	ii کربلا، گریبان اور جیب	
187	-11 حضرت اقدسؑ کا ادب ایک منفرد مکتب ادب ہے	
196	-12 حمد و ثناء باری تعالیٰ	
224	الف- اردو زبان میں حمد و ثنائے باری تعالیٰ	
230	ب- فارسی زبان میں حمد و ثنائے باری تعالیٰ	
236	ج- عربی زبان میں حمد و ثنائے باری تعالیٰ	
242	-13 نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	
260	الف- اردو زبان میں	
267	ب- فارسی زبان میں	
276	ج- عربی زبان میں	
284	-14 مدحت و ترغیبِ اسلام	
284	الف- اردو زبان میں	
293	ب- فارسی زبان میں	
301	ج- عربی زبان میں	
306	-15 مدحتِ قرآن	
310	الف- اردو زبان میں	
310	i نور	
312	ii ہدایت	
313	iii تاثیراتِ قرآن	

322	فارسی زبان میں	ب۔	
329	عربی زبان میں	ج۔	
335		مدح صحابہ کرام	16۔
346		محبت الہی	17۔
356	اردو زبان میں	الف۔	
363	فارسی زبان میں	ب۔	
370	عربی زبان میں	ج۔	
375		تقویٰ	18۔
386		عاجزی اور خاکساری	19۔
397		تکبر اور خود پسندی	20۔
401		ترک آسائش و آرام	21۔
404		دُنیا سے بے رغبتی	22۔
408		عیب جوئی و بدگمانی	23۔
409		مناجات۔ دُعا	24۔
433		حضرت اقدسؑ کا روحانی منصب اور مقام	25۔
447		انڈیکس آیات قرآنیہ	26۔

انتساب

خاکسار کی یہ کوشش میری والدہ مرحومہ سارہ بیگم حرم خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نام ہے۔

اول اس لیے کہ میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ کاش وہ میری ہوشمندی کے زمانہ تک زندہ ہوتیں تو میں چھوٹی موٹی خدمت اور ہلکے پھلکے پیار سے ان کا دل گرماتا اور ان کے لیے چند خوشی کے لمحات پیدا کرتا۔ ایسا تو نہیں ہو سکا اور وہ اس زمانے سے بہت قبل اپنے محبوب حقیقی کے پاس چلی گئیں۔

مگر میں خیال کرتا ہوں کہ شاید میری تمنا کے صدق کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق بخشی ہے کہ میں ان کی محبوب ہستی اور آقا کے کلام کے حسن و خوبی کی تلاش کی اس کوشش کو ان کے نام سے منسوب کروں۔ اور پھر ایسا ہو کہ آپ اپنے بیٹے کی اس خدمت کو مادری فخر اور عاجزی کے ساتھ اپنے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تحفہ پیش کریں۔

دوسرے درجہ پر یہ انتساب اس لیے بھی موزوں ہے کہ میرے نخیال کی روایات اور میرے نانا محترم مولانا عبدالمجید کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ علم و ادب خاتون تھیں اور خصوصاً فارسی زبان کا علم اور شعری ادب کا عالمانہ فہم اور ذوق سلیم رکھتی تھیں۔

دور روایات سناتا ہوں:

اول یہ کہ میرے نانا محترم نے اپنی بیٹی کی جوانان مرگ رحلت کے غم میں ان کو یاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفۃ المسیح الثانی کے نکاح میں آنے کے بعد جب ان کی رخصتی کا وقت آیا تو آپ ماں باپ کی جدائی اور ایک دور دراز اجنبی منزل کی طرف روانہ ہونے پر بہت مضطرب تھیں۔ اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے نانا محترم نے ان کے کان میں سعدیؒ کا یہ شعر اپنے نام کی تبدیلی کے ساتھ بار بار سنایا تو آپ کا اضطراب دور ہوا:

تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

دیدہ ماجد و دل ہمراہ تست

ترجمہ: یہ گمان نہ کرو کہ تم تنہا جا رہی ہو۔ ماجد کا دیدہ و دل تمہارے ساتھ ہے۔

یہ شعر سعدیؒ کی شہکار غزلوں میں سے ایک ہے جو محبوب ہستی کی جدائی اور فراق کے مضمون میں معروف ہے۔

آپ کے فارسی ادب کے عارفانہ ذوقِ سلیم کی تصدیق میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؑ کی یہ تحریر بھی ہے جو آپ نے میری والدہ کی وفات پر ان کے ذکر میں لکھی ہے۔
آپ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک مرتبہ اپنے خط میں لکھا کہ ”میں اپنی زندگی کا مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں“:

بر آستانِ آں کہ ز خود رفت بہر یار

چوں خاک باش و مرضی یارے دراں بجو

آپ حضرت اقدس کے شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تو خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کر جو خدا تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کو کھوپکا ہو۔ پھر اس کے دروازے پر مٹی کی طرح بے خواہش ہو کر گر جا اور اس طرح سے خدا کی رضا حاصل کر“

اور فرماتے ہیں: ”بخدا اس نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا کر دیا۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں خاک ہوئی پڑی ہے۔“

اور دعا دیتے ہیں: ”اے راحم خدا تو اس گری ہوئی کو اٹھالے اور اس پر پوری طرح سے راضی ہو جا۔“ آمین
(الفضل 23 جون 1933)

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے عارفانہ شعری ادب کا ایسا گہرا فہم اور ذوقِ سلیم اس انتساب کی دوسری مناسبت ہے۔

خدا کرے کہ یہ کوشش ان کے ذوقِ شعر و ادب کے معیار سے قریب تر ہو۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا حنیف احمد

9 رمضان المبارک 1428 ہجری

22 ستمبر 2007

اظہار تشکر

اؤل تو خاکسار کی طرف سے ہمارے پیارے باری تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اُس نے صرف اپنے بے پایاں احسان کے تحت یہ توفیق دی ہے کہ خاکسار باوجود کم علمی کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کے محاسن پیش کر سکے۔

فالحمد للہ۔ الحمد للہ۔ والحمد للہ علی ذالک۔

اس عنایت خاص کے تشکر میں خاکسار اپنی ذات کو بے انتہا کم درجے پر رکھتے ہوئے بہت عاجزی سے اپنے آقا کے اشعار ہی کو پیش کر سکتا ہے جو بہر وجوہ خاکسار پر اطلاق پاتے ہیں۔

اپنی کم علمی اور محدود استعداد کی بنا پر

یہ سراسر فضل و احسان ہے کہ میں آیا پسند

ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

اور اللہ تعالیٰ کے خالص احسان اور عنایت کی بنا پر ہے۔

نگاہِ رحمت جاناں عنایت ہا بمن کردست

وگر نہ چوں منے کے یا بد آں رشد و سعادت را

ترجمہ: محبوب کی نگاہِ رحمت نے مجھ پر بڑی عنایتیں کی ہیں ورنہ مجھ جیسا انسان کس طرح اس رشد و ہدایت کو پاتا۔

اس خدمت کے معاونین میں وہی دو نام ہیں جنہوں نے خاکسار کی کتاب تعلیم فہم القرآن کی تیاری میں بہت خدمت کی تھی۔

اؤل میجر ریٹائرڈ سعید احمد صاحب ابن چوہدری محمد بوٹا صاحب مرحوم ہیں۔

دوم چوہدری محمد ادریس صاحب ابن مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگرھی مرحوم مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ہیں۔

ان دونوں اصحاب نے میرے علمی مسودے کو خوشخط کیا اور پھر بہت محنت اور لگن سے لفظاً لفظاً

PROOF READING کی۔ یہ ایک مشکل اور صبر آزما کام تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے محبت کو قبول کرے اور آخر دم تک اس کو بڑھاتا چلا جائے۔ آمین۔ خاکسار

ان دونوں کا بہت شکر گزار ہے اور ان کے لیے دعا گو ہے۔ یہ امر بہت قابل تحسین ہے کہ محترم میجر ریٹائرڈ

سعید احمد صاحب نے اس کتاب میں درج شدہ آیات قرآنیہ کا انڈیکس بھی بہت محنت سے تیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جزاء دے۔

آخر پر گراہمیت کے اعتبار سے تین دوست اور بھی ہیں۔ اول: طاہر احمد مختار مرنبی سلسلہ، دوم: محمد یوسف شاہد صاحب مرنبی سلسلہ اور تیسرا نام محترم حبیب الرحمن زریوی صاحب نائب ناظر اشاعت کا ہے۔ ان سب اصحاب نے بہت ہی محنت اور محبت سے کتاب کے مسودہ کی Proof Reading اور اس کی Setting بھی کی۔

خاکسار ان سب اصحاب کا بہت شکر گزار ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے محبت کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

والسلام خاکسار

مرزا حنیف احمد

پیش لفظ

حضرت اقدسؒ کا شعری کلام تین زبانوں (اردو۔ فارسی۔ عربی) میں تخلیق ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان زبانوں کے سرمایہ ادب کی لفظی اور معنوی خوبی کی تلاش اور نشاندہی کے لیے ان تینوں زبانوں کے ادب کا وسیع اور تفصیلی علم اور ادبی علوم یعنی علم معانی اور بیان اور فن صنائع اور بدائع سے متعارف ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ وہ ریاض اور علوم ہیں جن کی مدد سے محاسن کلام کی تعیین اور تحقیق ہوتی ہے اور شعر کے لفظی اور معنوی حسن و جمال کی شناخت میں مدد ملتی ہے۔

تاہم، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شعری حسن و جمال کو دل و دماغ میں قبول کرنا اور ایک جمالیاتی اور معنوی لطف اٹھانا دراصل ایک ذوقی قابلیت ہے جو کہ بہت حد تک ایک خداداد استعداد ہے۔

اس شعر فہمی کی استعداد کو کسی جمالیاتی فلسفہ اور لسانی اصطلاحات کے حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطرتی صلاحیت ہے جس کو ذوق سلیم بھی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ موجود ہو تو صاحب ذوق لفظ و معانی کے حسن و جمال کی ہر جگہ اور ہر انداز کو پہچان لیتا ہے۔ سمجھ لیتا ہے اور لطف اٹھاتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جن نابغہ شعرو ادب نے الفاظ و معانی میں گل کاریاں کی ہیں وہ سب ایسے تھے کہ ان کو اپنی گل افشانوں کے لئے کسی فنی اور فلسفیانہ علم ادب و انشاء کی راہ نمائی نصیب نہیں تھی۔ اس کے باوجود ان کے کلام میں تمام محاسن کلام کی اقدار جلوہ نما ہوتی ہیں۔ حالانکہ شعوری طور پر ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ ادبی صنعت گری پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی تخلیقات ادب کے مطالعہ اور تجزیہ پر بنیاد رکھ کر اور ان کو دلیل راہ بنا کر ہی علوم ادب اور فن شاعری کے دستور اور قواعد مرتب کئے گئے ہیں۔

اس بیان میں غالب کو بھی سن لیں۔

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالب

شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

ترجمہ: میں تو اپنے معیار ادب پر خوش نہیں تھا۔ مگر شعر نے خود خواہش کی ہے کہ وہ میرے فن میں شمار ہو۔

مطلب یہ ہے کہ شعر سے فن شعر پیدا ہوتا ہے۔ فن شعر سے اشعار کی تخلیق نہیں ہوتی۔

ان حقائق کے باوجود ادبی علوم سے متعارف ہونا اور مطالعہ ادب کی وسعت کی اہمیت مسلمہ ہے۔ ادبی

استعدادوں کو صیقل کرنے کی یہی راہ ہے۔

اس ضمن میں عرض کرتا ہوں کہ گزشتہ پچیس، تیس سال سے جبکہ خاکسار نے اپنے ذوقِ ادب کا رُخ حضرت اقدس کے کلام کی طرف موڑا ہے اور اس سے ایک محبت کا رشتہ قائم کر کے اس کی مقدور بھر خدمت کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت سے علوم ادبیہ کے حصول کی اور ان تینوں زبانوں کے اُس سرمایہ ادب کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے جو حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر کے تحت آتے ہیں۔

اس لیے علومِ شعر یہ سے مکمل طور پر ناواقف بھی نہیں اور اساتذہ ادب کے محاسنِ کلام کی پہچان کا مقدور بھر شعور رکھتا ہوں:

دراصل یہ ایک معذرت ہے اپنے محبوب علیہ السلام کی جناب میں اور سچی بات بھی یہی ہے کہ یہ کوشش ایک علمی شاہکار کے طور پر نہیں کی جا رہی۔ یہ ایک اظہارِ محبت ہے جو خاکسار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ادبِ عالیہ سے ہے۔

یقین ہے کہ کم قیمت ہونے پر بھی آپ حضور اپنی کمال شفقت سے اس تحفے کو قبول فرمائیں گے۔ بفضلہ تعالیٰ عرفی شیرازی نے میرے دل کی بات کی ہے:

امید ہست کہ بیگانیِ عرفی را
بدوستیِ سخن ہائے آشنا بخشند

امید ہے کہ عرفی کے بیگانہ پن کو اپنے دوست کے اشعار سے محبت کی وجہ سے قابل درگزر سمجھا جائے گا۔



چند یادیں۔ وجہ افتخار و شکر

میرے بڑے بھائی خلیفۃ المسیح الرابعیؒ بہت اعلیٰ درجہ کے شاعر اور صاحب ذوق سلیم تھے۔ بھائی ہونے کا رشتہ تو تھا ہی مگر مشترک ادبی رجحان ہونے کی بنا پر بھی ہم دونوں کا ایک تعلق تھا اور اکثر اوقات شعر و سخن کا تذکرہ رہتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ چند غزلیں ایسی بھی تھیں کہ اگر ایک مصرعہ ان کا ہے تو دوسرا خاکسار کا اور بہت مرتبہ میرے اشعار کی تعریف بھی کیا کرتے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ سب تحریریں محفوظ نہیں رکھ سکا۔

ایک مرتبہ خاکسار نے ایک ہلکا پھلکا مقالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فارسی شاعری پر جامعہ احمدیہ کی مجلس میں پڑھا تھا اور اس کی نقل حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ آپ نے اس مضمون کو بہت پسند کیا اور فرمایا کہ تمہاری تحریر عالمانہ ہے اس خدمت کو مکمل کرو۔ یہ تمہارے قلبی رجحان کے مطابق ہے اور پھر بہت مرتبہ استفسار کرتے رہے کہ حنیف کا کام کہاں تک پہنچا ہے؟

افسوس ہے کہ جب ”ادب المسیح“ کا کام مکمل ہوا تو آپ اپنے محبوب حقیقی کے پاس جا چکے تھے۔ آپ کے ادبی اور دینی منصب کے اعتبار سے حضرت اقدس کے کلام کے محاسن کی بیش قدر قیمت کو سمجھنا آپ ہی کا منصب تھا۔

تاہم میرے لئے یہ امر وجہ افتخار ضرور ہے کہ آپ کی نظر میں خاکسار اس خدمت کو سرانجام دینے کے قابل تھا۔ ان سب یادوں سے یہ تو ثابت ہے کہ ”ادب المسیح“ کی تکمیل میں آپ کی تمنا اور دعا شامل تھی۔

ایک مرتبہ آپ کی یاد میں کسی شاعر کا ”سلام“ میری نظر سے گزرا تو میں نے بھی برجستہ چند اشعار ”سلام“ کے عنوان سے کہہ کر آپ کی خدمت میں بھجوائے تھے۔

یاد پڑتا ہے کہ اس کا مطلع کچھ اس طور سے تھا

صبا جو گزرے تو اس گلی میں تو ان کو میرا سلام کہنا

بہت محبت سے بات کرنا بطر ز صد احترام کہنا

اور مقطع کیونکہ مجھے پسند آیا تھا اس لئے خوب یاد رہا

ہمارے آنسو کو عشق مہدی میں آب زمزم کا نام دینا

ہمارے دل کو خدا کی الفت میں ایک بیت الحرام کہنا

آپ حضرت نے میرے سلام کو بہت محبت سے قبول کیا۔ خوش قسمتی سے آپ کا خط محفوظ رہ گیا ہے۔ تیر کا پیش کرتا ہوں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نُحْمَدُهٗ وَنُحْمَدُ عَلٰی نَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ
وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْمَعْلُوْمَ

پیارے برادرِ حنیف احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پیار بھرا پر خلوص دلچسپ خط ملا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

آپ کی نظم بہت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اس میں استادی رنگ پایا جاتا ہے۔ ماشاء اللہ۔ امید ہے کسی پرچے میں شائع

ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو اپنی بے حد رحمتیں عطا کرے۔ آصفہ نیگم محبت بھرا سلام کہتی ہیں۔ بچوں کو ہمارا پیار دیں۔

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الرابع

حضرت کی وفات کے بعد خاکسار نے زیادہ توجہ اپنی تصنیف ”تعلیم فہم قرآن“ کی طرف کردی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ کتاب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے وقت میں تیار ہوگئی اور آپ نے اس خدمت کو بہت ہی محبت سے قبول کیا اور بہت ہی

قابل قدر اور پر معارف خط کتاب کے تعارف میں تحریر فرمایا۔ فجزاک اللہ خیرا

خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس سے ذکر کیا کہ خاکسار ”ادب المسیح“ کے عنوان سے حضرت اقدس کے تین

زبانوں میں شعری کلام کے محاسن کے عنوان سے کچھ خدمت گزاری کی کوشش کر رہا ہے۔ آپ نے اس ارادے کو بہت پسند فرمایا اور جب تک یہ کام مکمل نہیں ہو گیا میری ہمت افزائی کے طور پر آج تک یہ استفسار کرتے رہے کہ ”ادب المسیح“ کب مکمل ہوگی۔ میں بھی اپنی کوشش کے ساتھ دعا کے لئے عرض کرتا رہا۔ سچی کہ اس کی تکمیل ہوئی اور خاکسار نے آپ حضرت کی خدمت میں کتاب کا پہلا پروف ارسال کر دیا۔

اس کے جواب میں آپ حضرت کا خط تبرکاً پیش خدمت کر رہا ہوں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَیْلِهِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
هو القاصر



پیارے صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

آپ کی نئی کتاب ”ادب المسیح“ کا مسودہ ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ میں نے تو اس کی صرف چند جگہیں ہی دیکھی ہیں۔ ماشاء اللہ ادبی اور علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے اچھا مجموعہ ہے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام مختلف حوالوں سے اکٹھا کیا ہے اور وضاحت کے لیے بھی آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ہی نثری کلام کو پیش کیا ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔ میں چونکہ بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا اس لیے آپ اشاعت سے پہلے اسے نظارت اشاعت کو دکھا دیں تاکہ وہ تفصیل سے دیکھ کر اس پر اپنی رائے دے سکیں۔ اللہ آپ کی صحت اور عمر میں برکت دے اور تمام نیک مرادیں پوری فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

ادب المسیح

خليفة المسيح الخامس

حضرت خلیفۃ المسیحؑ ایده اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کوشش کو نظارت اشاعت کی طرف بغرض تبصرہ ارسال کیا گیا۔
ناظر صاحب اشاعت کی طرف سے جو تبصرہ ہوا ہے وہ بھی قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

”حضور کے ارشاد کی تعمیل میں خاکسار نے صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب کی تصنیف
”ادب المسیح“ کا مسودہ اول سے آخر تک پوری توجہ سے پڑھا ہے۔ حضور کی خدمت میں عرض ہے
کہ یہ تصنیف اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے ایک علمی شاہکار ہے اور اس کی اشاعت
جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔

محترم صاحبزادہ صاحب نے اپنی تصنیف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی، فارسی
اور اردو تینوں زبانوں کے شعری کلام کا ان تینوں زبانوں کے اساتذہ فن کے شعری کلام سے
موازنہ کر کے ثابت کیا ہے کہ کیا موضوعات کے لحاظ سے اور کیا فن کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان

”دَرَکَامُ تُوجِزِیْتُ کَ شِعْرَاءِ رَا دِرْآسٍ دُخَلَّیْتُ“

برحق ہے۔

اس تصنیف میں کوئی بات سلسلہ کے معتقدات، علم کلام اور روایات کے خلاف نہیں ہے۔

والسلام

خاکسار سید عبدالحی

۲۰۱۱/۲۰۰۸

بہت ہی منصفانہ تبصرہ ہے مگر بہت ادب سے عرض کرتا ہوں خاکسار کی کوشش کی روح رواں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ یعنی یہ
کہ حضرت اقدس کے موضوعات شعر قرآن کریم کے موضوعات ہونے کی بنا پر اول ہر موضوع پر قرآن کریم اور رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو پیش کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی اقدار ادب کو بھی حسب توفیق واستعداد پیش کیا گیا ہے۔ اور
یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت اقدس کا ادب قرآنی اقدار ادب کے اتباع میں ہے۔

یہ گزارش اس غرض سے کی گئی ہے کہ قارئین کی اس طرف توجہ رہے۔ کیونکہ یہی کتاب کی روح رواں ہے۔

یہاں تک تو ادب المسیح کے تعلق میں چند علمی اور روحانی عظمت اور مقدرت رکھنے والی ہستیوں کی پسند کا ذکر ہے اور
خاکسار ان سب کا شکر گزار ہے۔ مگر جس ہستی کے تفصیلی تبصرے کی گزارش کی گئی تھی وہ ہمارے پیارے خلیفۃ المسیح الخامس
تھے۔ آپ کا بیان تاخیر سے تیار ہوا۔ اس لئے اس مقام پر پیش کیا جا رہا ہے۔

فارسی کا محاورہ ”دیر آید درست آید“ یعنی جس کام میں تاخیر ہو جائے وہ بہتر ہو جاتا ہے۔ ہم بچپن سے سنتے آئے
ہیں۔ مگر اس کے حقیقی معنی سیدی کے موخر بیان سے کھلے ہیں۔

سیدی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعری کلام کا ایک ایسا طائرانہ جائزہ لیا ہے جس سے آپ کے کلام کے حسن و خوبی کو بھی بیان کیا ہے اور اس کلام کی تخلیق کے مقاصد کو بھی ظاہر کیا ہے۔

بہت مختصر، جامع اور عالمانہ ادبی زبان میں اپنی ان خصوصیات کے ساتھ یقیناً ایک شہکار تبصرہ ہے۔ اور کسی بھی ادبی علمی مجلس میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

سچ بات تو یہ ہے کہ ابھی تک حضرت اقدس کے شعری کلام پر کچھ کام نہیں ہوا۔ اگر کچھ ہے تو ایک خاکسار کی خدمت ہے اور دوسرے آپ کا اس خدمت کو چارچاند لگانا ہے۔

سیدی! خاکسار ایک علمی اور ادبی بات کر رہا ہے۔ آپ کا یہ تعارف آپ کو اور مجھے بھی زندہ کر گیا ہے۔ خدا کرے کہ اس کی جناب میں بھی مقبول ہو۔ آمین

خاکسار

مرزا حنیف احمد

”ادب المسیح“ کا تعارف بزبان حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عِبْدِهِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ہوالتناصر



لندن

5-3-2009

پیارے ماموں (مرزا حنیف احمد صاحب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اپنی نئی کاوش جو اس زمانے کے بے بہا اور قیمتی ترین خزانے کے چند ہیرے جو اہرات دکھانے کے لئے کی اور جس کا نام آپ نے ”ادب المسیح“ رکھا ہے، مجھے بھجواتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کروں۔ اس سے پہلے میں نے آپ کو اس بارے میں ایک مختصر خط لکھا تھا جو مصروفیات کی وجہ سے کتاب کو سرسری دیکھ کر لکھا تھا۔ جس پر نہ مجھے تسلی ہوئی نہ آپ کو۔ جس کا آپ نے اظہار کیا اور آپ کا یہ اظہار بھی مجھ پر احسان ہے کیونکہ اسی وجہ سے میں نے کتاب کو جستہ جستہ دیکھنا شروع کیا۔

جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام اور ادب کا تعلق ہے اس بارے میں ایک عاجز انسان کی رائے کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو وہ کلام ہے جس کو کائنات کے خدا نے خود آپ کے منہ سے کہلوا یا اور پھر آپ کو الہاماً فرمایا کہ

”کلام افصح من لادن رب کریم“

جس کا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہو۔ اس کی خوبصورتی تو بیان کرنے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ رائے نہیں دی جاسکتی۔ آپ نے تو اس کلام کے چند موتیوں کی چمک دکھانے کی کوشش کی ہے اور جیسا کہ الہام سے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق فرمائی کہ کوئی دنیاوی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چاہے جتنا بڑا ہی صوفی شاعر یا لکھنے والا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے کلام کا محور ہی فنا فی اللہ کا اعلیٰ ترین معیار اور عشق رسول کی انتہا ہے۔ جس پر آپ کا یہ مصرعہ مہر ثبت کرتا ہے کہ

بعد از خدا بعشق محمد محرم

آپ نے خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا یا خوب سمجھا کہ

فاتبعونی یحببکم اللہ.....

اور پھر جب یہ محبت اللہ کے حضور قبولیت کا درجہ پاتی ہے تو آسمان سے آواز آتی ہے۔

هذا رجل یحب رسول اللہ

اور پھر آپ کو وہ مقام مل جاتا ہے جو اپنے آقا و مطاع کی غلامی میں سب سے بڑا مقام ہے اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

أَنْتَ مَنِیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِی (تذکرہ۔ صفحہ 325)

اللہ اللہ کیا پیارا کا اظہار ہے اس زمین و آسمان کے خالق و مالک کا آپ سے، جس کا اظہار آپ خود بھی یوں

فرماتے ہیں

گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار

پس جو شخص عشق خدا اور عشق رسول میں محمور ہو اور جس نے بمنزلة اولادی کا رتبہ پایا ہو۔ اس کا مقابلہ وادیوں میں بھٹکنے والے کیا کریں گے چاہے جتنا بھی صوفیانہ رنگ رکھتے ہوں۔ آپ نے خود بھی یہ موازنہ کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے۔ موازنہ تو صرف ہر سطح پر آپ کی برتری ثابت کرنے کے لئے ہے۔ آپ کی شعر و شاعری کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ آپ نے خود اس طرح بیان فرما دیا ہے کہ

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

پس بات وہی ہے کہ ہر ہر لفظ میں تو حید کا قیام، عشق رسول اور اللہ تعالیٰ کی دنیا پر برتری ثابت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکانا اور رسول کے جھنڈے تلے جمع کرنا ہی آپ کی نظم و نثر کا مقصد تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے تمام دنیا کو یہ پیغام دینے کا اعلان کروایا کہ

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسمان سے وقت پر

میں وہ ہوں نور خدا جس سے ہوا دن آشکار

اور پھر وہی بات کہ یہ پانی اللہ اور اس کے رسول کے عشق میں محمور ہونے کی وجہ سے آپ کی ذات کی شکل میں اتارا گیا اور یہاں سے پھر ادب سے بہت آگے جا کر عشق و محبت کے اسلوب شروع ہو جاتے ہیں جس کی آخری منزل تو حید باری تعالیٰ کا قیام ہے۔ آپ کے آقا و مطاع فرماتے ہیں

لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسُكَ

میں تیری ثناء کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تیری ثناء وہی ہے جو تو نے خود کی۔

اور غلام کہتا ہے

يَا مَنْ أَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْأَلَاءِ
نُثْنِي عَلَيْكَ وَ لَيْسَ حَوْلُ نِنَاءِ

اور پھر فرمایا

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

بہر حال جوں جوں کتاب دیکھی گو جتہ جتہ ہی سہی لیکن جس شعر یا کلام پر بھی نظر پڑی اس نے توجہ تو کھینچی ہی تھی کیونکہ یہ کلام ہی امام الزمان کا ہے۔ لیکن ساتھ ہی آپ کے لئے بھی دعا نکلتی ہے کہ اس کو اس صورت میں یکجا کر کے اس خوبصورت کلام کا جو گلدستہ بنانے کی کوشش کی ہے (اور جو مثالیں میں نے پیش کی ہیں آپ کی کتاب سے ہی لی ہیں) یہ احمدی ادبی اور علمی حلقوں میں تو یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی ہی لیکن مجھے امید ہے غیر بھی دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ یہ گلدستہ جو آپ نے بنایا ہے پورے چمن کو تو نہیں دکھا سکتا لیکن ہر صاحب ذوق کو اپنی اپنی علمی، ادبی، ذوقی اور روحانی حالت کے مطابق اس چمن کے حسن اور خوبصورتی کا تصور قائم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اور پھر مجھے یقین ہے کہ ایک پاک دل اس چمن کی سیر کرنے کی کوشش کرے گا۔

گودیر سے ہی سہی لیکن دو علمی، ادبی اور روحانی شاہکاروں کا مجموعہ پیش کر کے آپ نے جماعتی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزاء دے۔ آپ کی عمر و صحت میں برکت ڈالے۔ آمین

والسلام

خاکسار

دراز سرور

خليفة المسيح الخامس

چند گذارشات

سب سے اوّل اس کتاب کے عنوان ”ادب المسیح“ کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دراصل خاکسار نے یہ عنوان اپنے پیارے ماموں پروفیسر ابوالفتح عبدالقادر سے اخذ کیا ہے۔

آپ عربی فارسی اور اردو میں اور اگر انگریزی زبان کو بھی شامل کر لیں تو ان چاروں زبانوں پر عالمانہ طور پر قدرت رکھتے تھے۔ دینی علوم اور تاریخ اسلام کے عالم اور اپنے وقت کے جید علماء سے علمی اور ادبی تعلق تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شبلی نعمانی سے دوستانہ رسم وراثہ تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام نظم و نثر کے عاشق اور ایک اعتبار سے حافظ بھی تھے اور آپ کو صحابی ہونے کا شرف بھی نصیب ہوا تھا۔

آپ کی خواہش تھی کہ حضرت اقدس کے ادبِ عالیہ پر علمی اور تحقیقی کام کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے بہت محنت اور ریاض بھی کیا تھا۔ حضرت اقدس کے ان گنت ادبی نظم و نثر کے شاہکار اقتباسات آپ نے زبانی یاد کر رکھے تھے اور اس خدمت کی بجا آوری کے لیے آپ نے اپنی نوکری کا وقت ختم ہونے سے دو، تین سال قبل ہی نوکری سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ اس شوقِ تحقیق و تصنیف کو آپ نے ”ادب المسیح“ کا نام دے رکھا تھا۔ افسوس ہے کہ ملک کے بٹوارے کی بدامنی اور مشکلات نے آپ کو اتنی مہلت نہ دی کہ دلجمعی سے یہ خدمت بجالا سکتے۔ وگرنہ سچی بات تو یہی ہے کہ اس خدمت کا حقیقی منصب آپ ہی کا تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ ان تینوں زبانوں کی نظم و نثر پر ادبیانہ قدرت اور تبحر علمی اور حضرت اقدس کے ادبِ عالیہ کا وسیع مطالعہ آئندہ کیسے اور کب کیجا ہوگا۔ اور حضرت اقدس کی ادبی شان کو بیان کرنے کی خدمت کما حقہ کیونکر سرانجام ہوگی۔

میں آپ کی محبت بھری یاد میں آپ کے عنوان کو اختیار کر رہا ہوں اور آپ کے شوق کو پورا کرنے کی بساط بھر کوشش کر رہا ہوں۔ میرے ادبی شوق کا حضرت اقدس کے ادب کی طرف رخ پھیرنے میں آپ کی شفقت اور صحبت کا بہت دخل ہے۔

ربّ اغفر وارحم و انت خیر الراحمین

دوسری گذارش اس کتاب کے موضوع کے تعلق میں یہ ہے کہ اصطلاحاً ”ادب“ کے لفظ کی تعریف میں نظم اور نثر دونوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ گوان دونوں کی جداگانہ طور پر ایک متعین ادبی ہیئت اور ساخت ہے اور جداگانہ اقدار حسن بھی ہیں۔ مگر کتاب کے عنوان کی نسبت سے ضرورت پیش آئی کہ وضاحت کر دی جائے کہ اس عنوان سے مراد

حضرت اقدس علیہ السلام کا صرف شعری ادب ہے۔ یعنی آپ کا اردو، فارسی اور عربی زبان کا شعری کلام۔
نظم اور نثر کے محاسن کی نشاندہی کے لیے ہیئت کے اعتبار سے اور اسلوب کے اعتبار سے مختلف اقدار ادب
اور پیمانے بنائے گئے ہیں۔

نثر میں وزن اور صوتی آہنگ کا نہ ہونا اور اظہار مطلب میں زبان کی علامتی نوعیت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھانا
نثر کی خوبصورتی شمار ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شعر میں ان عناصر کا فقدان شعر کے حسن و خوبی کو کھو دیتا ہے۔ یہی
اختلاف ان دونوں اصناف ادب کو باہم دگر ممتاز کرتا ہے۔ تاہم محاسن کلام کی دیگر تمام اقدار کا ان دونوں اصناف
میں جلوہ گر ہونا یکساں طور پر لازم ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایسی نگارش ”ادب“ نہیں کہلاتی۔

موضوع یا مواد کے اعتبار سے خیال کی عظمت اور نفاست اور ہیئت کے اعتبار سے الفاظ کی حسین ترتیب اور انتخاب
جس کے امتزاج سے تاثیر اور ابلاغ کامل کی قابلیت پیدا ہوتی ہے دونوں اصناف ادب کی روح رواں ہوتے ہیں۔
جیسے شعر ان عناصر کی غیر موجودگی میں شعر نہیں کہلاتا ویسے ہی نثر بھی ان اقدار ادبی کی غیر موجودگی میں ایک
بے جان الفاظ کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

حضرت اقدس نے اپنی نثر اور شعر میں ان ادبی اقدار کا کمال حسن و خوبی التزام کیا ہے۔ اس لیے ادب المسیح
کی عظمت و شان کے بیان میں آپ کے نثری کلام کو شامل نہ کرنا ایک قسم کی ادھوری سی بات ہے۔ اور ادھوری
بات تو ادھوری ہی ہوتی ہے۔

آپ حضرت کی ادبی شان کے بیان میں ایسا کرنا تو اس اعتبار سے بھی درست نہیں کہ حقیقت میں آپ کے
بیان فرمودہ ادب کی خوبی اور عظمت آپ کے نثری کلام ہی کی مرہون منت ہے۔

ابلاغ رسالت کے لیے آپ نے نثر کو اختیار فرمایا ہے۔ نظم کو ایک ثانوی نوع اظہار کے طور پر قبول کیا ہے۔
یعنی اس طرح سے کہ جو مضمون نثر میں بیان ہو رہا ہے اس کے ابلاغ کامل کے لیے اشعار میں بھی اس مضمون کو
بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ نے بعثت کے بعد کے وقت میں شاید کہیں ایک آدھ بار کے سوا ارادۃً مشق نہیں کی۔
یہی وجہ ہے کہ شعراء کے دستور کے مطابق آپ کا کوئی مجموعہ اشعار یاد یوان نہیں ہے۔ آپ کی تینوں زبانوں کے
درہائے نثرین آپ کی نثری تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔

آپ کا یہ فرمان:

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

دراصل یہی بیان کر رہا ہے جو قبل میں کہا گیا ہے۔ یعنی نظم کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاید کوئی انسان نظم کے اثر سے ہدایت پالے۔ تاہم آپ کے اس فرمان سے آپ کے اشعار کے ادبی حسن و خوبی پر حرف نہیں آتا۔ کیونکہ عظیم المرتبہ ادیب جس صنف ادب کو بھی اظہار خیال کے لیے اختیار کرتا ہے وہ اس میں اپنی ادبی عظمت کو برقرار رکھنے پر قادر ہوتا ہے۔

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می بینم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست

ترجمہ: محبوب کے چہرے سے اس کے قدموں تک، میرا دل ہر مقام پر یہ گمان کرتا ہے کہ اصل حسن کا جادو تو یہاں چل رہا ہے۔

اس مقام پر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ الہیات کے مضامین کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک عنوان سے اس میں ثبوتِ ہستی باری تعالیٰ و ملائکہ اور انبیاء کا صدقِ بعثت بیان ہوتا ہے۔ دوسرے عنوان سے محبوب حقیقی کی محبت اور عشق کی واردات اور وصال کی کیفیات بیان ہوتی ہیں۔ ادبی اسلوب کے اعتبار سے مشرقی ادب میں یہی دستور ہے کہ وارداتِ عشق اور کیفیاتِ ہجر و وصال کے بیان کے لیے شعر کی صنف ہی اختیار کی جاتی ہے۔ نثر کا اسلوب وارداتِ قلبی کی گہرائی اور احساس کی شدت کو بیان کرنے کا متحمل نہیں ہوتا۔ یوں کہہ لیں کہ وہ احساسات جو انسان کی روح میں جنم لیں اور قلب پر وارد ہوں ایک ایسا اسلوب بیان چاہتے ہیں جس کے معانی میں لامتناہی وسعت ہوتا کہ وہ قلبی واردات کی گہرائیوں اور محبوب کے حسن و جمال کا اظہار کر سکے۔

شاید حضرت کا گاہ بہ گاہ شعر کو اختیار کرنے کا یہی راز ہو۔

کہیں غالب یہی بات تو نہیں کہہ رہا:-

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے رُسا کیا مجھے

اس شعر کے ایک معنی تو معروف عام ہیں۔ ہمارے مضمون کے تعلق میں اس شعر میں یہ بیان ہوا ہے کہ قلبی احساسات اور وارداتِ عشق کو شعر ہی میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر جب کہ دل کے راز شعر میں چھپے ہوں تو جب شعر بیان ہو گیا تو دل کا راز افشاء ہو گیا۔ ادبی انتقاد میں اسی عمل کا نام ابلاغِ کامل ہے۔

بہر صورت درست بات یہی ہے کہ حضرت اقدس کی ادبی شان اور عظمت کا عظیم تر حصہ آپ کی نثر میں ہی رونما ہوا ہے۔ الہیات اور محبتِ الہی کے دقیق مضامین کو بے انتہا خوبصورت اور سادہ الفاظ میں بیان کرنا۔ اور

اس کے ساتھ تاثیر کے عنصر کو اس طور پر قائم رکھنا کہ قاری کو صرف دماغی اور عقلی عرفان ہی حاصل نہ ہو بلکہ ہر فقرے کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے قلب کی کیفیت بدلتی جائے اور کلام ختم ہونے پر وہ صرف صاحب عرفان ہی نہ ہو بلکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا بھی ہو۔ یہ ایک ایسی قدرت کلام ہے جو خدا تعالیٰ نے کسی بھی مہذب زبان کے ادیب کو اس شان اور اس قدر فراخ دلی سے نہیں دی۔

سچ تو یہ ہے کہ اردو زبان جو اپنی حیات کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی اور بلوغت کے مقام تک نہیں پہنچی تھی۔ اس کے اظہار کی طاقت کو بالغ مقام تک پہنچانے میں حضرت اقدس کی نثر نے اردو زبان پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔ کوئی وقت ایسا آئے گا کہ بڑے بڑے ادیب اور دانشور اس احسان کا تجزیاتی جائزہ لے کر اس حقیقت کو قبول کریں گے۔

ہم کہنا تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری کتاب کے عنوان ”ادب المسیح“ سے مراد صرف آپ کا شعری کلام ہے۔ مگر اچھا ہوا کہ بات دور نکل گئی اور ہمیں آپ کی نثری شان کو بھی چند الفاظ میں بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ ویسے بھی یہ حدیث دلبرائ ہے ”افسانہ از افسانہ می خیزد“ تو ہونا ہی تھا۔ اور ابھی بہت ہوگا۔

حضرت اقدس کے فارسی کلام کی نسبت سے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آپ کا ایک اور مجموعہ فارسی اشعار بھی ہے جو کلام فرخ کے نام سے معروف ہے۔ (آپ بعثت سے قبل ’فرخ‘، تخلص فرماتے تھے)۔ یہ وہ کلام ہے جو آپ نے منصب ماموریت پر فائز ہونے سے قبل تخلیق فرمایا ہے۔

اس وقت ہم اُس کلام کے محاسن کو پیش نہیں کر رہے کیونکہ اس کوشش میں ہمارے پیش نظر صرف آپ کا وہ کلام ہے جو ’درئین‘ کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ تاہم ’کلام فرخ‘ کے ادبی تجزیہ کو کسی اور وقت اور کسی اور صاحب قلم کے سپرد کرتے ہوئے ہم چند ایک باتیں اس کلام کی خصوصی نوعیت کے بارے میں کہنا چاہتے ہیں۔

اوّل خصوصیت یہ ہے کہ چند ایک موضوعات شعر جن کو اختیار کرنے سے قبل منصب امامت پر فائز ہونا ضروری تھا۔ کلام فرخ کے باقی تمام شعری موضوعات وہی ہیں جو کہ درئین فارسی میں اختیار کیے گئے ہیں۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ جس پیغام خداوندی کو پہنچانے کے لیے خدا تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے۔ آپ حضرت کے قلبی اور ذہنی رجحانات بعثت سے قبل بھی وہی تھے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلام فرخ میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول، محبت الہی اور اسلام کی صداقت کے سوا اور کوئی موضوع شعر اختیار نہیں کیا گیا۔ یہ آپ کے کیفیات قلبی کے صدق کا ایک محکم ثبوت ہے۔

یہ ایک ایسا محکم ثبوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذیل کے فرمان میں بیان کیا ہے۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس: 17)

ترجمہ: ان کفار سے کہہ دے کہ اس سے پہلے میں نے ایک عمر تم میں بسر کی ہے۔

یہاں پر عمر سے مراد وقت نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرتؐ کے وقت میں بہت سے لوگ ہوں گے جنہوں نے ایک عمر اپنی قوم کے ساتھ گزاری ہوگی۔ یہاں پر ”عُمُرًا“ سے مراد آپ کے اطوارِ حسنہ اور قلبی رجحانات ہی ہو سکتے ہیں جو آپ کی صداقت پر دلیل بن سکیں۔

دوسری نوعی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ دونوں مجموعہ ہائے کلام میں موضوعات متحد ہیں مگر کلام فرخ کے مطالعہ کے بعد ہر صاحب ذوق سلیم اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کلام میں تاثیر اور جذب کی وہ خوبی نہیں جو کہ آپ کے بعثت کے بعد کے کلام میں تجلیاتِ محبوبِ حقیقی اور اس کے قرب و وصال نے پیدا کی ہے۔

یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ جیسے درجہ بدرجہ آپ حضرت کی روحانی ترقی ہوئی اسی انداز سے آپ کے کلام نے بھی نشوونما حاصل کی یہاں تک کہ وہ اپنے حقیقی منصب تک پہنچ گیا۔ آپ کے کلام میں اس انقلاب کا ظاہر ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ ایک وقت کے بعد مورد تجلیاتِ الہیہ تھے اور آپ کا کلام وَهَائِيْنُ حَقُّیِّیٰ بِعَنِ الْهَوٰی (النجم: 4) کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ جیسے حضرت اقدسؑ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی اس کا کوئی نطق اور کوئی کلمہ اپنے نفس اور ہوا کی طرف سے نہیں۔ وہ تو سراسر وحی ہے جو اس کے دل پر نازل ہو رہی ہے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

جیسے فرمایا:

حکم است آسماں بز میں میر سائمش

گر بشنوم نگوئمش آں را کجا برم

ترجمہ: آسمان کا حکم میں زمین تک پہنچاتا ہوں، اگر میں اسے سنوں اور لوگوں تک نہ

پہنچاؤں تو اس کو کہاں لے جاؤں۔

من خود نگویم اینکہ بلوچ خدا ہمیں است

گر طاقت ست محو کن آں نقشِ داورم

ترجمہ: میں خود یہ بات نہیں کہتا بلکہ لوحِ محفوظ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو

خدا کے لکھے ہوئے کو مٹا دے۔

اور یہ شعر تو مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کی تفسیر ہے۔
فرماتے ہیں:

کسیکے گم شدہ از خود بنور حق پیوست
ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد

ترجمہ: جو شخص اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جا ملا اُس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔

حضرت اقدس کے شعری ادب کی خصوصی عظمت اور منفرد شان کے بارے میں حضرت اقدس کا عظیم الشان الہام بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آپ کا کلام انسانیت کی طرف خدا تعالیٰ کا ایک پیغام ہے۔ اور اس کلام کی عظمت میں کسی شاعر کو حصہ نہیں دیا گیا۔

در کلام تو چیزے است کہ شعراء را در آن دخلے نیست۔

کلام اُفْصَحَتْ مِنْ لَدُنْ رَبِّ كَرِيمٍ (تذکرہ صفحہ 508۔ مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ: تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ر۔ خ جلد 22 صفحہ 106)

آپ حضرت کے کلام کا دیگر شعراء سے تقابلی موازنے کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ محاسن کلام حضرت اقدس کی نشاندہی اور آپ کے کلام کے دیگر اساتذہ ادب کے کلام سے تقابلی موازنہ کے سلسلے میں چند ایک وضاحتیں کرنی بہت ضروری ہیں۔

اول یہ کہ اس امر سے تو سب اصحاب علم و ادب واقف ہیں کہ جب کبھی ادبی تخلیقات کا باہم دگر تقابل اور موازنے کا وقت آتا ہے تو یہ احتیاطاً لازماً برتنی پڑتی ہے کہ متقابل ادب پاروں کا موضوع سخن ایک ہی ہو۔ اصنافِ شعر میں ہر صنفِ شعر کا ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے مختلف اور متعین طرز بیان ہے۔ مشرقی ادب میں تو یہ دستور ایک محکم ادبی قانون کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ ”اسلوب“ یعنی طرز بیان میں منفرد الفاظ اور تراکیب الفاظ، استعارات اور تشبیہات اول تو لفظاً مختلف اور مقرر ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر صنفِ شعر کے استعارات اور تشبیہات معنایاً مختلف مطالب رکھتی ہیں۔

یہ اختلاف اور امتیاز موضوعاتِ شعری کے مختلف ہونے کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ ایک ہی ترکیبِ لفظی

یا استعارہ۔ حمد و ثناء باری تعالیٰ کے بیان میں وہی مطلب بیان نہیں کرتا جو کہ غزل کے عنوان کے تحت بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح سے نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آدابِ بیان ہیں کہ اس کے الفاظ کا انتخاب اور طریقِ اظہار خیال دیگر اصنافِ شعر کے اسالیب سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ مدحیہ قصائد کا اسلوب اور نعت کا اسلوب ہر اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ نعت کا عنوان کاملہ صداقت پر مبنی ہوتا ہے اور حفظِ مراتب کا تقاضا کرتا ہے۔ عربی نے کس قدر باادب بات کی ہے۔

عربی مشابہاں رہ نعت است نہ صحر است

آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن

نعتِ شہ کونین و مدح کے و جم را

ترجمہ: عربی! تیز قدم نہ چلو۔ یہ نعت کا لالہ زار ہے کوئی صحرانہیں ہے۔ یہاں پر چلنا تو تلوار

کی دھار پر چلنا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا وہ اسلوب نہیں ہو سکتا

جو شاہانِ ایران کی مدح سرائی کا ہوتا ہے۔

ان آدابِ نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں بیان کرنے کے بعد عربی نے ایک ایسی مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو فارسی ادب میں زندہ و جاوید رہے گی۔ میں اس کو بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ربط کلام کو قربان کر دینا بھی ایک ربط ہوتا ہے۔ کہتا ہے:

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل

لیلیٰ حدود تو و سلمی قدم را

یعنی رسول اکرم کی شان ایسی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناقہ پر دو محمل باندھ دیے ہوں۔

ایک میں آپ انسان ہونے کی حیثیت سے ”لیلیٰ“ کی طرح بیٹھے ہوں اور دوسرے میں خدا تعالیٰ کے

بے انتہا قرب کی وجہ سے آپ ”سلمیٰ“ کی طرح سے سوار ہوں۔

عربی ادب میں لیلیٰ اور سلمیٰ کے نام محبوب کے لیے علامتی اشارے ہیں۔ اور عربی کہتا ہے کہ ہمارے پیارے

رسول میں دونوں علاماتِ محبوبی جمع ہو گئی ہیں۔ یعنی آپ کے انسانِ کامل ہونے کا حسن و جمال جو حدود کا

جلوہ ہے۔

اور آپ کے نبیِ اوّل و آخر ہونے کا منصب جو کہ خدا تعالیٰ کی صفتِ قدّم کی تجلی ہے۔ جیسے فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَ اَدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَ الْجَسَدِ

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح اور جسم کے بین میں تھا۔

اس شانِ قدّم کو حضرت اقدسؑ نے کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

روح او در گفتنِ قولِ بلی اوّل کے

آدم توحید و پیش از آدمش پیوند یار

ترجمہ: قول ”بلی“ کہنے میں آپؑ کی روح سب سے اوّل ہے۔ آپ آدم توحید ہیں اور

آدم کی تخلیق سے قبل ہی آپ کا خدا تعالیٰ سے پیوند تھا

عرض یہ کر رہا تھا کہ موضوعات کے اختلاف سے اسلوب بیان کا تبدیل ہونا اور اس اختلاف کی مطابقت میں ابلاغ کے مراحل طے کرنا ایک اہم دستورِ سخن وری ہے اس بیان میں عربی کو سنا ہے تو انیس کو بھی سن لیں۔ کتنا خوبصورت بیان ہے:

بزم کا رنگ جدا، رزم کا میداں ہے جدا

یہ چمن اور ہے زنجوں کا گلستاں ہے جدا

فہم کامل ہو تو ہر نالے کا عنوان ہے جدا

مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا عنوان ہے جدا

اس موضوع کو اختیار کرنے کا اوّل مقصد تو یہ تھا کہ ابتدا ہی میں بیان کر دیا جائے کہ حضرت اقدس کے اشعار کا دیگر شعراء کے اشعار سے تقابل اُن موضوعاتِ شعری کے تحت ہی ہوگا جو کہ حضرت اقدس نے اختیار فرمائے ہیں اور یہی انصاف بھی ہے۔

یہاں تک تو بات اشعار کے تقابلی موازنے کی ہوئی ہے۔ مگر اس موضوع کے اختیار کرنے کا دوسرا مقصد جو کہ دراصل اس موضوع کی جان ہے وہ ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

محاسنِ کلام حضرت اقدس کی نشاندہی میں ہمارے لیے جو چراغِ راہ اور کسوٹی ہوگی وہ قرآن کریم کے فرمودات ہوں گے۔ کیونکہ حضرت اقدس کے اختیار کردہ شعری موضوعات دراصل قرآن کریم کے موضوعات

ہیں۔ اور یہ حقیقت تو سب مانتے ہیں کہ قرآن کریم زبان کا معجزہ ہے اور اپنی فصاحت اور بلاغت کو صرف بیان ہی نہیں کرتا بلکہ اس کو ادبِ عالیہ قرار دیتا ہے۔ جیسے فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ (الزمر: 24)

ترجمہ: اللہ نے سب سے بہتر کلام نازل کیا ہے

فرمایا: هَذَا السَّانِ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ (النحل: 104)

حضرت اقدس فرماتے ہیں:

”پس عَرَبِيٌّ مُبِينٌ کے لفظ سے فصاحت اور بلاغت کے سوا اور کیا معانی ہو سکتے ہیں۔ خاص کر جبکہ ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اس کی نظیر پیش کرو تو بجز اس کے کیا سمجھا جائے گا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی ہے اور ”مبین“ کا لفظ بھی اس کو چاہتا ہے۔“
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم ان فرمودات کے ساتھ اپنی ادبی شان کو مستحکم کرنے کے لیے ایک اعلانِ عام کرتا ہے کہ اس ادبِ عالیہ کے مقابل پر اگر کسی ادیب کا یارا ہے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ مقابل پر آئے اور جن و انس مل کر بھی کوشش کریں تو وہ اس کلام کا مقابل اور مثل پیش نہیں کر سکتے۔ فرمایا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ (البقرة: 24)

ترجمہ: اگر تم اس کے بارہ میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو تم اس جیسی کوئی

سورت لے آؤ۔

فرمایا:

قُلْ لِّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ

بِمِثْلِهِ (بنی اسرائیل: 89)

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر انسان اور جن کی مثل لانے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو بھی اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔

اور بسمثلہ کہہ کر ان فرمودات میں یہ بھی بیان کر دیا کہ تقابل اور موازنہ کے لیے لازم ہے کہ موضوع کلام ایک

ہی ہو۔

حضرت اقدس ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اس بات کا ثبوت بھی پیدا کر لینا چاہیے کہ جن کمالات ظاہری اور باطنی پر قرآن شریف

مشتمل ہے انہی کمالات پر وہ کلام بھی اشتمال رکھتا ہے جس کو بطور نظیر پیش کیا گیا ہے۔“
(برائین احمدیہ، ر-خ۔ جلد 1 صفحہ 474 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں:

”قرآن کریم اپنے اعجاز کے ثبوت میں وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ (البقرة: 24) کہتا ہے۔ یہ معجزات روحانی ہیں۔ جس طرح وحدانیت کے دلائل دیے ہیں۔ اسی طرح پر اس کی حکمت، فصاحت، بلاغت کی مثل لانے پر بھی انسان قادر نہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا: قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (بنی اسرائیل: 89)
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم میں جہاں پر خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت اور صفات کو دیگر خداؤں کے مقابل پر پیش کر کے دعوت مقابلہ دی ہے۔ جیسے فرمایا: ءَا إِلَهٌ مِّعَ اللَّهِ (النمل: 61) وہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی صداقت کے اثبات میں دلائل و براہین دیے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا: كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (المجادلة: 22) اور وہاں پر اپنے کلام کی ادبی برتری اور عظمت کو بیان کر کے قرآن کے مضامین میں ادب پیش کرنے کی دعوت مقابلہ بھی دی ہے اور اپنے ادب کو ادب عالیہ قرار دیا ہے۔ دراصل یہی تین عنوانات ہیں جن میں قرآن کریم دعوت مقابلہ دیتا ہے۔ دیگر تمام مضامین انہی کے ذیل میں آتے ہیں۔

ان گذارشات سے اوّل تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن موضوعات پر خدا تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے وہ حقیقت میں ادب عالیہ ہے اور دوم یہ کہ جو بھی قرآنی موضوعات پر کلام پیش کرے گا اس کلام کے حسن و خوبی کو پرکھنے کے لیے جو کسوٹی ہوگی وہ ان موضوعات پر قرآن کریم کے فرمودات اور اس کا اسلوب بیان ہوگا۔ اور اسی پیمانے پر ہم حضرت اقدس کے کلام کے حسن و جمال کی ناپ تول کریں گے اور یہ جائزہ لیں گے کہ آپ نے کس حد تک اتباع قرآن و حدیث کا حق ادا کیا ہے۔

اس مقام پر میں نہایت درجہ عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت اقدس کی بیان کردہ تفسیر قرآن کے مطالعہ کے وقت سے میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ قرآن کریم نے جو ادب عالیہ کے معیار اور اقدار بیان فرمائے ہیں ان کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کروں تا کہ اس طور سے زمین اور آسمانی ادب کا ایک تقابلی موازنہ ہو جائے۔ مگر اب جبکہ ادب امتحان پر گذارشات پیش کرنے کا وقت آیا ہے تو یہ خیال راسخ ہو گیا کہ یہ دونوں موضوعات باہم پیوست اور یک جان ہیں۔ اس لیے ان کو ایک ہی وقت میں بیان کرنا بہتر ہوگا۔ چنانچہ اس نقطہ نظر کے ساتھ یہ کوشش

ہوگی کہ انتقاد ادب کے بنیادی موضوعات یعنی تعریف ادب اور محرکات تخلیق ادب کا ایک تقابلی جائزہ لیا جائے کہ ان موضوعات پر قرآن کریم یعنی آسمانی ادب اور زمینی ادب کی اقدار و معیار میں کس مقام تک باہم اتفاق ہے اور اس سفر کے کس دورا ہے پر دونوں ادبی تخلیقات کی منزل مقصود مختلف ہو جاتی ہے۔

ایسا جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جب تک کسی ادب کے مقاصد تخلیق اور اس کی ترجیحات کا علم اور اس سے قلبی موافقت نہ ہو تو اس ادب کی حقیقی عظمت اور شان کا شعور حاصل نہیں ہو سکتا۔ غالب نے یہی بات کتنی سادہ زبان اور کس قدر حسن و جمال کے ساتھ بیان کی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی شعر کی لذت سامع کے قلبی جذبات سے پیدا ہوتی ہے۔

اس بیان کے تسلسل میں ایک وضاحت اور بھی کر دوں کہ قرآن کریم کی ادبی اقدار کو پیش کرنے میں ہم اوّل تو حضرت اقدس کے تفسیری معنوں سے راہ نمائی حاصل کریں گے اور آپ کے اختیار کردہ فرمودات قرآن پیش کریں گے۔

حق بات تو یہی ہے کہ قرآن کریم کی تفہیم اس ہستی ہی کو زیب دیتی ہے جس نے یہ کہا ہے۔

علم قرآن علم آں طیب زباں

علم غیب از وجی خلاق جہاں

ترجمہ: قرآن پاک کا علم اُس پاک زبان کا علم اور الہام الہی سے غیب کا علم

اِس سہ علمم چوں نشانہا دادہ اند

ہر سہ ہچوں شاہداں استادہ اند

ترجمہ: یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیے گئے ہیں اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں۔

اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کے باوجود اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم اور مرسلین باری تعالیٰ کا ادب عالیہ ہونا اور دیگر ادبی تخلیقات سے برتر ہونا، انہی اقدار ادب پر موقوف ہے جو اس زبان کے ادب میں مسلم اور جاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ امتزاج لفظ و معانی جس سے ادبی حسن و خوبی پیدا ہوتی ہے ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ان ہی کے اسالیب ادب اور اساتذہ شعر کے مقابل پر حضرت اقدس کے ادب پاروں کے محاسن کو بیان کرنا بھی از بس ضروری ہوگا جن زبانوں میں حضرت اقدس کا کلام وارد ہوا ہے (یعنی اردو، فارسی اور عربی)۔

گذرشات کے ضمن میں چند وضاحتیں یہ بھی ہیں کہ ہم نے موضوعاتِ شعر کی مطابقت میں قرآن کریم کے چنیدہ فرمودات کو پیش کیا ہے۔ اس انتخاب کی حقیقی ضرورت یہ تھی کہ ہم نے کوشش کی ہے کہ صرف وہی فرمودات قرآن پیش کیے جائیں جن کی تفسیر میں حضرت اقدس نے کچھ بیان کیا ہے۔ یہ عمل اس لیے ضروری تھا کہ ایسا ہو کہ ہمارا استدلال ادبی مستند ہو جائے اور اس چناؤ اور اختصار کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعری قرآن کریم کے موضوعات ہیں۔ اور قرآن کریم میں ان موضوعات کے تحت لا تعداد فرمودات ہیں اور ان سب کو بیان کرنے کی یہ کوشش متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث کا صرف ترجمہ اور بعض مقامات پر آپ کے مشہور عام اخلاق و اطوار کو پیش کیا ہے۔ عام طور پر ایسے بیان کے حوالوں کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ حضرت اقدس کے فرمودات کا حوالہ بھی آپ کی تفسیر قرآن سے دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آیات کی تفسیر اس کتاب کے اقتباسات سے دی جا رہی ہے تو اس صورت میں آپ کی تفسیر کا حوالہ ہی کافی سمجھا گیا ہے۔ آیات قرآنیہ کا لفظی ترجمہ اس لیے پیش نہیں کیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر آیات کا تفسیری ترجمہ کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کو کافی سمجھا ہے۔

ان سب گذرشات کی روشنی میں ہمارا دستور عمل یہ ہوگا کہ:-

اول: ہماری تلاش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے زیر نظر موضوع کو کس طور پر بیان فرمایا ہے۔

دوم: یہ تلاش ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور کس طور پر بیان فرمایا ہے۔

سوم: یہ جائزہ لیا جائے گا کہ حضرت اقدس نے ان دو ماخذوں کا اتباع کس حسن و خوبی سے کیا ہے۔

چہارم: اور آخر پر ان تینوں زبانوں کے مسلمہ شعراء کے کلام سے حسب توفیق تقابلی اشعار پیش کیے جائیں

گے۔ بفضلہ تعالیٰ

میں یہ خوب جانتا ہوں کہ اس ترتیب سے بہتر ترتیب بھی ہو سکتی تھی۔ مگر ہر خادم اپنی استعداد کے مطابق ہی

خدمت کر سکتا ہے۔

اس صورت میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے۔

سپر دم بتو مایہ خویش را سپردانی حساب کم و بیش را

میں نے اپنا تمام سرمایہ خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ تو ہی جانتا ہے کہ یہ کافی ہے کہ ناکافی۔

ادب اور اس کی تعریف

اگر ”ادب المسیح“ کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اقدس کے شعری ادب کے محاسن بیان ہوں تو اس نسبت سے ہماری کوشش کے عین مطابق ہوگا کہ اوّل لفظ ”ادب“ کے معانی اور تعریف میں کچھ بیان کیا جائے۔ یہ بیان اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم نے محاسن ادب حضرت اقدس اور تمام مرسلین کی نشاندہی کے لیے قرآن کریم کے بیان کردہ ادبی محاسن کو معیار اور کسوٹی کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ ابتدا ہی میں یہ امر واضح ہو جائے کہ زمینی ادب اور آسمانی ادب یعنی ”ادب المرسلین“ کی تعریف اور تعیین میں کس حد تک اتفاق ہے اور کتنا اختلاف۔ یہ جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ادب مرسلین اور قرآن کریم کا ادب ایک منفرد نوعیت کا ادب ہے۔ اس لیے جب تک دیگر مکاتیب ادب اور اس منفرد مکتب ادب کے مقامات اتحاد اور اختلاف واضح نہ ہو جائیں اس وقت تک محاسن کلام حضرت اقدس کی حقیقی شان اجاگر نہیں ہو سکے گی۔

تاہم اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اصولی طور پر ہر زبان کا ادب اپنی ادبی اقدار اور اسالیب کی پاس داری کے اعتبار سے ایک ہی نوعیت کا ہوتا ہے۔ جہاں پر زبان ایک ہوگی وہاں پر اسالیب اظہار خیال ہم رنگ اور ایک ہی ہوں گے۔ قرآن کریم نے جب عربی زبان بولنے والوں کو دعوت مقابلہ دی اور فرمایا *تَوَّابِسُورَةٍ مِّنْ قَبْلِهِ* تو اس کا مطلب یہی تھا کہ عربی زبان میں اس کے اسالیب کی پاسداری کرتے ہوئے قرآن کے موضوعات میں اس سے بہتر کلام پیش کرو (جیسا کہ ”مِن مِّنْلِهِ“ سے واضح ہے)۔ مگر اس اتحاد و یگانگت کے باوجود اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جب کسی ادیب کے محرکات تخلیق ادب عام روش سے ہٹ کر ایک مخصوص اور منفرد نچ اختیار کر لیتے ہیں اور اپنا سطح نظر اور مقصود بدل لیتے ہیں تو اس کی ادبی نگارشات بھی یقینی طور پر ممتاز نوعیت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس صورت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ اوّل ان اقدار ادب کا بیان ہو جو ہر زبان کے ادب کی مشترک میراث ہے اور پھر یہ جائزہ لیا جائے کہ قرآن کریم اپنی ادبی اقدار کو کیسے بیان کرتا ہے اور پھر ان محرکات تخلیق ادب پر بات ہو جن کی بنا پر ان دونوں ادبی اقدار کی نوعیت مختلف اور ممتاز ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے قرآن کریم اور مرسلین باری تعالیٰ کے ادب کو آسمانی ادب اور دیگر ادبیات کو زمینی کہا ہے۔ تو زمینی ادبیات کے اعتبار سے ”ادب“ کی چند لفظی تاریخ اور تعریف اس طور سے بیان کی جاتی ہے۔

ابتداءً لفظ ”ادب“ کی تعریف ان گنت معنوں میں کی جاتی رہی ہے۔ اپنے عربی اصل کے پیش نظر ہر خلق

کی خوبی کو ادب کہا گیا ہے۔ چنانچہ آداب مہمان نوازی اور اکرام ضیف کو بھی ادب کہتے ہیں۔ تعلیم و تدریس کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی ادیب معلم ہے اور ادب سے مراد تعلیم و تدریس ہے۔ اس طور پر تمام علوم خواہ وہ معاشرتی ہوں یا سائنسی ان کا پڑھنا سیکھنا ”ادب“ کے دائرے میں آجاتا ہے۔

مگر ایک عرصہ گزرنے پر اصحاب علم و ادب نے یہ احساس کیا کہ اگر ادب کا دائرہ کار الفاظ اور ان کے معانی تک محدود رہے تو لفظ کے معانی ہمیشہ ایک نہیں ہوتے۔ لفظ کبھی تو اپنے حقیقی معنوں کو بیان کر رہا ہوتا ہے اور کبھی مجازی معنوں کو۔ یعنی معانی مستعار کو جیسا کہ لفظ ”چاند“ ہے کہ حقیقی معنوں میں نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے۔ مگر مجازی معنوں میں محبوب یا دلپسند ہستی ہے۔

اس شعور کی بنا پر علمی اور ادبی دنیا نے معاشرتی اور سائنسی علوم کو علم کہنا اختیار کیا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ سائنسی تحقیق کے لیے لازم ہے کہ لفظ کے ایک ہی محقق اور مستقل معنی ہوں تاکہ تحقیق کا عمل ایک متعین راہ پر گامزن رہے۔

شعر و سخن کی دنیا میں لفظ کا ایسا جمود اور یک رنگی قبول نہیں ہے کیونکہ شعر کا حقیقی موضوع واردات قلب کا ایک حسین بیان و اظہار ہے۔ عشق اور محبت کی کیفیات کے بیان میں تو دل کے جذبات دریا سمندر سے بھی گہرے ہوتے ہیں اور حسن کی ہزار در ہزار تجلیات ہوتی ہیں۔ اس ہجوم رنگ و بو کو دو لفظوں میں سمجھنے کے لیے لفظ کی دلائلوں کو وسیع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس لیے اگر لفظ ایک ہی معنی کے اظہار میں جم جائے اور دم سادہ لے تو بات نہیں بنتی۔ اس صورت میں یا تو عشق و محبت اور حسن و جمال کی گونا گوں تجلیات اور قلب کی نہاں در نہاں کیفیات کو بیان کرنا ترک کر دینا ہوگا یا پھر لفظ کے معانی اور اشارے کو اتنی وسعت دینی ہوگی جتنی کہ جذبات اور خیال کی وسعت ہے۔ لفظ کی اس وسعت معانی کو اصطلاح میں مجازی معانی یا معانی مستعار کہتے ہیں۔ غالب نے ٹھیک کہا ہے:-

بقدر شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

گو اس شعر میں غزل کی تکنیکی حدود و قیود کا ذکر ہے۔ مگر دراصل جس تنگی کا غم غالب کو ہے وہ لفظ کی معنوی وسعت کا فقدان ہے۔

حضرت اقدس کا یہ فرمانا:

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

یہ بھی دراصل لفظ کی کم مائیگی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات کو بیان کرنے کے لیے الفاظ میں طاقت اظہار نہیں ہے۔ وگرنہ قلبی شعور کے اعتبار سے آپ حضرت کو احسانات خداوندی کا کامل عرفان تھا۔ آپ حضرت نے لفظ کی اسی کم مائیگی کا اظہار عربی زبان میں ثناء باری تعالیٰ کے مضمون میں بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

يَا مَنْ أَحَاطَ الْخَلْقَ بِأَلَاةٍ
نُشِئُ عَلَيْكَ وَكَيْسَ حَوْلُ نَاءٍ

ترجمہ: اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں لیکن تعریف کی طاقت نہیں پاتے۔

دراصل لفظ کو جمالیاتی اقدار کے اظہار کے قابل بنانے اور قلبی کیفیات کے بیان میں کامیاب کرنے ہی کا نام ”ادب“ ہے۔

انہیں نے اس محنت اور ریاض کو بہت خوبصورت بیان کیا ہے:-

گلدستہٴ معنی کوئے ڈھنگ سے باندھوں

اک پھول کا عنوان ہو تو سورنگ سے باندھوں

یہاں پر لفظ ”معنی“ خیال اور جذبے کے معنوں میں ہے۔ یعنی یہ کہ خیال اور جذبے کے اظہار اور ابلاغ کے لیے الفاظ کے پھولوں کو کیسے ترتیب دوں تاکہ خیال اور الفاظ باہم مل کر حُسن کاری کریں۔ شاید عابد علی عابد اس مسئلے کو واضح تر انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں:-

لفظ کے روپ میں ڈھلتے نہیں وہ افسانے

جو مرے چشمِ تخیل میں پناہ ہوتے ہیں

لفظ کے پردہ زرتار میں خوبانِ خیال

کبھی مستور کبھی پردہ کشا ہوتے ہیں

بات کچھ طویل ہو گئی ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ لفظ کے حقیقی معنوں کی حد بندی نے ادیبوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے قلبی اور جذباتی خیالات کے اظہار کے لیے لفظ کی معنوی دالتوں میں وسعت پیدا کریں۔ اس کوشش نے ادب میں علم مجاز کی تخلیق کی ہے اور لفظ کے معانی میں استعارہ۔ کنایہ۔ تشبیہات اور علامات کی مدد لے کر لفظ کو بے انتہا معنوی وسعت دی ہے۔ اور اس قابل بنایا ہے کہ وہ حُسن کاری کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام مہذب زبانوں کے اہل نظر اور نقادوں نے لفظ ”ادب“ کی تعریف میں ایک ہی ایسی قدر بیان کی ہے جو ادبی دنیا میں مقبول عام اور مسلم ہے۔ یعنی یہ کہ خیال اور مشاہدات کو احساسات اور جذبات کو حسین الفاظ میں بیان کرنا ”ادب“ ہے۔ چنانچہ بیان نثر میں ہو یا نظم میں ”ادب“ کے مقام تک پہنچنے کے لیے اس میں لفظی اور معنوی حسن و جمال کا ہونا شرط اول ہے اور شرط آخر بھی۔

ادب میں حسن، لفظ اور معانی کے ارتباط اور تناسب سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ربط اور تناسب ایک شعوری لذت بھی پیدا کرتا ہے اور اپنے آہنگ کے ساتھ تختہ گل کی طرح سے رنگ و روپ بھی بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم ادبیہ کا موضوع محاسن کلام کی تلاش اور تعین ہے۔ علم معانی اور علم بیان علم صنائع و بدائع اسی محور کے گرد گھومتے ہیں اور علامات حسن بیان کی نشاندہی میں ممد اور معاون ہوتے ہیں۔

آخر الامر یہ ہے کہ لفظ و معنی میں حسن تخلیق کرنا ہی وہ قدر ہے جو کہ ”ادب“ کی تعریف کو متعین کرتی ہے۔ اور اُس کو دیگر انسانی علوم اور دانش وری کے بیان سے ممتاز کرتی ہے۔

شاید غالب نے لفظ و معانی کے انتشار رنگ و بو سے پریشان ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ شعر میں یہ انتشار قبول ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہر لفظ میں بہار کا جلوہ گر ہونا لازمی ہو۔ (یعنی حسن کا) کہتا ہے:

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

”ادب“ کی تعریف کا یہ ایک ایسا بنیادی عنصر ہے جس کو تمام مہذب زبانوں کے ادیب اور نقاد قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارتباط اور مناسبت کو بہت پر حکمت انداز میں بیان فرمایا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے حسن کو تناسب سے پیدا کیا ہے۔ فرماتا ہے: **الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ** (الانفطار: 8) یعنی اول قدم پر تخلیق ہے اور پھر ترتیب اور تعدیل ہے۔ ادب میں بھی تخلیق کے یہ تین ہی عناصر اور مراحل ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

”حسن تناسبِ اعضاء کا نام ہے۔ جب تک یہ نہ ہو ملاحظت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت **فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ** فرمائی ہے۔ **فَعَدَلَكَ** کے معنی تناسب کے ہیں کہ نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 201۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

حضرت اقدس نے ”نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے“ فرما کر ادبیات کو بھی اس اصل الاصول کے تحت کر دیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے قرآن کریم اور ادب مرسلین کو آسمانی ادب اور دیگر ادبیات کو زمینی کہا ہے۔ تو اس مقام تک آسمانی ادب اور زمینی ادب کی تعریف و تعبیر میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ دونوں ادب پاروں میں یہ قدر مشترک ہے اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ ادب حقیقت میں لفظ و معانی میں جمالیاتی عنصر کو اجاگر کرنے کا نام ہے اور ادب خواہ آسمانی ہو یا زمینی اپنی سحر کاری اور جذب میں ایک سا ہی ہوتا ہے۔ اور حسن کی دونوں تجلیات قلب و نظر کو شکار کرتی ہیں۔ گویا حقیقی کے حسن و جمال کی تجلی میں دیگر تمام تجلیات حسن سمو جاتی ہیں۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ اس حادثے کا بیان ہی ادب کا منصب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ادب پاروں کو ’ادب‘ کا نام نہیں دیا بلکہ اس سے بہت بہتر معانی کے حامل لفظ کو (جو کہ درحقیقت ادب کی جان ہے) اختیار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمودات کو احسن الحدیث اور احسن القصص کہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت اور شان ہے کہ اس نے ایسے لفظ کو قبول نہیں کیا جو اپنے معانی اور مطالب کے اظہار میں ایسا اختلاف اور وسعت رکھتا ہو کہ اس کے ساتھ نفس مضمون کا ایک مستقل رشتہ قائم نہ ہو سکے۔ (جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ لفظ ’ادب‘ ایک مختلف المعانی علامت ہے)۔ اس لیے قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت سے بعید تھا کہ وہ ایک مخصوص معانی کے اظہار کے لیے ایک ایسے پراگندہ خیال لفظ کو اختیار فرماتا جس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں اختلاف ہو۔

قرآن کریم نے اپنی ادبی شان بیان کرنے کے لیے ’حسن‘ کا لفظ اختیار کیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام کو حسین کہا ہے بلکہ سب سے اول اپنی ذات کو حسن کامل کہا ہے۔

فرمایا:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (طہ: 9)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لیے تمام اسمائے حسنہ ہیں۔

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا (الاعراف: 181)

ترجمہ: تمام حسین نام اللہ ہی کے ہیں۔ اُس کو انہی ناموں سے پکارو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تخلیق کو حسین قرار دیا ہے۔

فرمایا:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (السجدة: 8)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے اپنی تمام مخلوق میں حُسن قائم کیا ہے۔

اور فرمایا:

فَتَبَرَكْتَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَلْقِينَ (المؤمنون: 15)

ترجمہ: پس برکت والا ہے وہ اللہ جو سب سے زیادہ حسین تخلیق فرمانے والا ہے۔

اور انسان کو خصوصیت سے حسین کہا ہے۔

فرمایا:

وَصَوَّرَكُمُ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ (المؤمن: 65)

ترجمہ: اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور نہایت حسین صورتیں بنائیں

اور پھر فرمان عام ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حسن کو اختیار کرو۔

فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة: 196)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ محسین کو پسند کرتا ہے۔

اور خاص طور پر اپنے قول کو حسین بناؤ۔

فرمایا:

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (بنی اسرائیل: 54)

ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کریں جو زیادہ حسین ہو۔

اور فرمایا:

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرة: 84)

ترجمہ: لوگوں سے حسین طریق پر بات کرو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم لفظ حسن اور اس کے مشتقات سے بھرا ہوا ہے۔ یہی اس کی شان اور منصب ہے کیونکہ جس ہستی کی طرف وہ بلاتا ہے وہ حقیقی معنوں میں حسن اول اور حسن آخر ہے۔ اور قرآن اس حسن ازل اور لم یزل کی تجلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شناخت اس کی صفات سے ہوتی ہے اور گذشتہ کے فرمودات خداوندی سے یہ امر واضح ہے کہ ہر صفت اور ہر تجلی میں جو قدر مشترک ہے وہ حسن ہے۔ اور یہ بھی کہ جہاں بھی حسن کی تجلی ہوگی وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہوگا۔ انہی معنوں میں فرمایا ہے:

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

(بنی اسرائیل: 111)

ترجمہ: ان سے کہو کہ خواہ تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمن کے نام سے۔ حقیقت یہی ہے کہ تمام حسین نام اُسی کے ہیں۔

اس حقیقت کو حضرت اقدس نے کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔
فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا بن رہا ہے سارا عالم آئینہ البصار کا
چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا کیونکہ کچھ کچھ تھا نشان اس میں جمال یار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمہ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں ہر ستارے میں تماشا ہے تری چکار کا
خوبرویوں میں ملاحظہ ہے ترے اس حسن کی ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشم مست ہر حسین ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

چاند میں محبوب حقیقی کے حسن کا عکس دیکھنا۔ مگر کامل عکس نہ ہونے کو ”کچھ کچھ“ کہہ کر بیان کرنے سے چاند کی بھی عزت قائم رکھی اور محبوب حقیقی کی عظمت کو بھی بیان کر دیا۔ بہت ہی بلیغ بیان ہے۔ حسن کا پرتو کبھی کامل نہیں ہو سکتا۔ مگر پرتو ہونے کے اعتبار سے اس کی ایک شان ضرور ثابت ہے۔ اور حسین آنکھ کا حسن کامل کی طرف اشارہ کرنا۔ اور خمدار زلفوں کا محبوب حقیقی کی طرف ہاتھ بڑھانا ایک دل فریب ادبی صنعت گری ہے۔
فارسی زبان میں فرماتے ہیں:-

اے دلبر و دلستان و دلدار واے جانِ جہان و نورِ انوار
اے میرے دلبر محبوب اور دلدار اور اے جانِ جہاں اور نوروں کے نور
لرزاں ز تجلیتِ دل و جان حیراں ز رختِ قلوب و البصار
جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں۔ قلوب اور نظریں تیرے رخ کو دیکھ کر حیران ہیں
حسن تو غنی کند ز ہر حُسن میر تو بخود گھد ز ہر یار
تیرا حسن ہر حسن سے بے نیاز کر دیتا ہے اور تیری محبت ہر دوست کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لاتی ہے
حسنِ نمکنیت ار نہ بودے از حُسن نہ بودے بیچ آثار
اگر تیرا نمکنین حسن نہ ہوتا تو دنیا میں حسن کا نام و نشان نہ ہوتا

از بہر نمائشِ جمالت! پنم ہمہ چیز آئینہ دار
تیرے جمال کی نمائش کے لیے میں ہر چیز کو آئینہ سمجھتا ہوں
ہر برگِ صحیفہٴ ہدایت ہر جوہر و عرضِ شمع بردار
ہر پتلا ہدایت کا صحیفہ ہے اور ہر ذات و صفت تجھے دکھانے کے لیے مشعلچی ہے
ہر نفس بتو رہے نماید ہر جاں بدہد صلائے ایں کار
ہر نفس تیرا راستہ دکھاتا ہے ہر جان بھی اسی بات کی ہی آواز دیتی ہے
ہر ذرہ فشانند از تو نورے ہر قطرہ براند از تو انہار
ہر ذرہ تیرا نور پھیلاتا ہے۔ ہر قطرہ تیری توصیف کی نہریں بہاتا ہے

یہاں تک تو ”ادب“ کی تعریف میں ایک ایسی قدر کو بیان کیا گیا ہے جو زمینی اور آسمانی ادب میں قدر مشترک ہے۔ مگر ادب میں صرف لفظ ہی حُسن پیدا نہیں کرتا بلکہ جن معانی پر لفظ دلالت کر رہا ہوتا ہے وہ بھی ادبی حُسن کاری میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور اسی اختلاط اور ارتباط ہی سے حسن کی تخلیق ہوتی ہے۔

اس لیے جیسا کہ لفظ کی معینِ نشست و برخاست کے قیام کے لیے اقدارِ حسن متعین کی گئی ہیں اسی طور پر معانی کی بلندی اور پستی کو اہم قدر ادبی قبول کر کے اس کی نشاندہی میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اور اصحابِ نقد و نظر نے ان دونوں عناصر کے بارے میں تفصیلی بحث اٹھائے ہیں اور ادب میں ہیئت اور مواد کی تعین کی کوشش کی ہے۔ ان اصولی اقدار ادب کی تفصیل میں ذیلی طور پر اور بھی بہت سی اقدار ادب ہیں جن کا قیام ادبِ عالیہ کی تخلیق کے لیے از بس ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں ان عناصر ادب کی تفصیلی پردہ کشائی کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم چند ایک اقدار ادب ایسی ہیں جن کا بیان زیرِ قلم موضوع سے قریب ہی تعلق رکھتا ہے۔

اول: یہ قبول کیا گیا ہے کہ ادبِ عالیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ آفاقی مضامین اور مواد کا حامل ہو۔ یعنی وہ ہر انسان کی فطرتی اور قلبی جذبات اور تمناؤں کی عکاسی کرے۔

دوم: یہ کہ مشاہداتِ صدق پر مبنی ہوں۔ صدق کا عنصر ادبی تخلیق میں جزوِ اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسن کا بیان ہو یا قلبی کیفیات کا اظہار اس میں ادبی حسن و جمال پیدا کرنے کے لیے لازم ہے کہ مشاہدات اور جذبات حقیقت پر مبنی ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ کلام ایک دیومالائی افسانہ ہوتا ہے اور قلب و نظر کو مخر نہیں کرتا۔

اسی بنیاد پر تیسری ادبی قدر ہے جس کو تاثیر کا نام دیا گیا ہے۔ ادب میں تاثیر لفظ و معانی کے حسن و جمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ادبِ عالیہ کی پہچان اس کی تاثیر ہی پر قائم ہے تو بالکل درست ہوگا۔ کیونکہ

ادب کی غایت اور مقصود ابلاغِ کامل ہی ہے۔ اور ابلاغِ مؤثر کلام ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ابلاغِ ایک ایسا عنصر ہے جس کو حاصل کرنا تمام ادبی تخلیقات کا مطلوب اور منشاء ہوتا ہے۔

گذشتہ میں تو ادب کی دو بنیادی اقدار کا زمینی اور آسمانی ادب میں تقابل ہوا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جو چند ایک مزید اقدار ادب بیان ہوئی ہیں (یعنی۔ ادب کا آفاقی ہونا۔ ادب کا صدق پر مبنی ہونا اور ادب کا مؤثر ہونا)۔ ان کی نسبت سے قرآن کریم کیا فرماتا ہے۔

قرآن کریم نے محاسن کلام کے موضوع پر بہت سے مقامات میں نشاندہی کی ہے اور اقدارِ حسن کلام بیان کی ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ قرآن کریم اپنے دعاوی کی دلیل خود ہی پیش کرتا ہے۔ اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ سب سے حسین کلام ہے۔

ہم اختصار کے طور پر دو مقامات کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک مقام پر تو اصولی اور قدرے مختصر بات کی ہے۔ فرماتا ہے:-

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ
وَوُفْرِعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْثَرَهَا كُلِّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ
(ابراہیم: 25، 26)

حضرت اقدس ان آیات کے ترجمہ و تفسیر میں فرماتے ہیں:-

’کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال۔ یعنی مثال دینِ کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت کی مانند ہے۔ جس کی جڑ ثابت ہو اور شاخیں اس کی آسمان میں ہوں اور وہ ہر ایک وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہو‘۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اب اللہ تعالیٰ ان آیات میں کلامِ پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں میں قرار دیتا ہے:-

1- اوّل یہ کہ أَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ یعنی اصولِ ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں (صدائق

پر قائم ہوں)

2- دوسری نشانی کمال کی یہ فرماتا ہے۔ وَوُفْرِعُهَا فِي السَّمَاءِ یعنی صحیفہ قدرت کا مطالعہ اس

کی صدائق کو ثابت کرے اور یہ کہ وہ تعلیمِ ایمان کے بیان اور اخلاق کے بیان اور احکام کے

بیان میں کمال درجہ پر پہنچی ہو۔

3- تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی تُوْتِيَّ أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ یعنی ہر وقت اور ہمیشہ کے

لیے وہ اپنا پھل دیتا رہے۔

یعنی اپنی تاثیرات دکھاتا رہے کیونکہ کلام کا پھل اس کی تاثیر ہی ہوتی ہے۔
یہ تو اقدار ادب کا ایک بنیادی اور اصولی بیان ہے۔ جس کی ہر شرط کی تفصیل اور تعبیر سے ان گنت ادبی اقدار پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ مگر خاکسار کی ناقص رائے میں جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر قدرے تفصیل سے اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے وہ ذیل میں ہے۔ فرماتا ہے:-

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي تَفْشَعُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكِ هَدَىٰ اللَّهُ يَهْدِي
بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ
(الزمر: 24)

حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ نے بہترین بیان ایک ملتی جلتی (اور) بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی صورت میں اتارا ہے۔ جس سے ان لوگوں کی جلدیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں لرزنے لگتی ہیں پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف (مائل ہوتے ہوئے) نرم پڑ جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس کے ذریعہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرادے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اب دیکھ لیں کہ کس قدر وضاحت سے بیان کیا ہے کہ:-

- 1- اللَّهُ نَزَّلَ۔ یعنی مواد ادب تنزیل ربانی ہو یعنی کامل صدق پر مبنی ہو۔
- 2- أَحْسَنَ الْحَدِيثِ یعنی لفظ اور معانی کے اختلاط سے ایک حسن پیدا ہوتا ہو۔
- 3- كِتَابًا یعنی مواد میں ایک تعلیم اور کوئی مطمح نظر ہو۔
- 4- مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي۔ یعنی مواد باہم متضاد نہ ہو۔ اور حضرت اقدس کی تفسیر کے مطابق اپنے اندر معقولی اور روحانی دونوں طور کی روشنی رکھتا ہو۔

5- تَفْشَعُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

یعنی اس کی تاثیر ایسی ہو کہ اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے..... اور وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات

دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بدل و جان کوشش کرتے رہتے ہیں..... پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دلوں اور بدنوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ یعنی ذکر ان کے دلوں میں پانی کی طرح بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ادب عالیہ کی تعریف میں یہ ایک عظیم الشان بیان ہے۔ کسی بھی مہذب زبان کے علم تنقید ادب میں ادب عالیہ کی تعریف میں ایسا جامع اور مکمل بیان نہیں ملے گا۔

زمینی ادب اور آسمانی ادب کی اقدار میں ہم نے قرآن کے معیار ادب کو پیش کیا ہے۔ اب اس موضوع پر مرسلین باری تعالیٰ کے فرمودات بھی سن لیں۔ اول منصب تو ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جوامع الکلم عطا ہوئے تھے اور جوامع العرب تھے، فرماتے ہیں:

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

ترجمہ: بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے اور بعض بیان تو جادو کا اثر رکھتے ہیں

اب دیکھ لیں کہ تعریف ادب میں کس قدر جامع اور مکمل فرمان ہے۔ ادب کے دو عناصر (یعنی مواد اور ہیئت) کو کس کمال سے دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ اس فرمان کے مطابق آپ کی نظر میں شعر و ادب میں ایک حکیمانہ عرفان ہونا چاہیے۔ یعنی اس کا ناٹھ انسان کی فطرت اور اس کے تقاضوں کے ساتھ قائم و دائم ہو اور دوسرے قدم پر الفاظ کا حسن و جمال اور ان کی بندش ایسی ہو کہ انسان کو مسحور کر دے۔ جوامع الکلم جو آپ کو عطا کیے گئے ان کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

دوسرے منصب پر حضرت مسیح موعود کو بھی سن لیں۔

سخن معدنِ درّ و سیم و طلاست

اگر نیک دانی ہمیں کیماست

ترجمہ: کلام تو موتی، چاندی اور سونے کی کان ہے اگر اس بات کو سمجھ لیا جائے تو یہی کیما ہے

سخن قامتے ہست بااعتدال

فصاحت چو خدّ و بنا گوش و خال

ترجمہ: کلام کی مثال تو ایک خوبصورت جسم کی ہے اور اس کی فصاحت رخسار اور کان کی لواوتل کی طرح ہے

چو گفتار باشد بلیغ و اتم

اثر با کند در دلے لاجرم

ترجمہ: جب کلام بلیغ اور اعلیٰ ہو تو ضرور دل پر اثر کرتا ہے

و گر منطقے مہمل است و خراب

چو خواب پریشاں رود بے حساب

ترجمہ: لیکن اگر گفتگو بے معنی اور خراب ہو تو وہ خواب پریشاں کی طرح رائیگاں جاتی ہے

زباں گرچہ بحرے بود موجزن

طلاقت نہ گیرد بجز علم و فن

ترجمہ: زبان اگرچہ طوفانی سمندر کی طرح ہو پھر بھی فصاحت بغیر علم و فن کے نہیں آتی

یہاں پر آپ نے اول تو اعلیٰ کلام اور سخن وری کی تعریف کی ہے کہ وہ سیم و زر سے بہتر ہے۔ مگر فرمایا کہ اس کی قدر و قیمت اس وقت بنتی ہے جبکہ اس میں ایک ایسا اعتدال اور تناسب ہو جیسا کہ ایک حسین قامت محبوب اور اس کے رخساروں کی سرخی اور اس کے کانوں کے آویزے ہوتے ہیں۔ یعنی الفاظ اور معانی ایک حسین جلوہ دکھا رہے ہوں مگر اس جلوہ آرائی کے باوجود اس تناسب لفظی کا مؤثر ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو شعر و ادب ایک خواب پریشاں کی طرح بے مقصد و مراد ہوتا ہے۔

فرمایا:

و گر منطقے مہمل است و خراب

چو خواب پریشاں رود بے حساب

ترجمہ: لیکن اگر گفتگو بے معنی اور خراب ہو تو وہ خواب پریشاں کی طرح رائیگاں جاتی ہے

اس مقام تک جو بیان ہوا ہے اس سے یہ امور واضح ہوئے ہیں:-

اول: یہ کہ ”ادب“ لفظ و معانی کے ایک حسین اور ترنم خیز ارتباط کا نام ہے اور یہ بھی کہ شعر میں یہ ربط اس وقت قائم ہوتا ہے جبکہ اس میں انسان کی فطرت کے تقاضوں کی عکاسی ہو اور وہ ایک فرد کی قلبی کیفیت کا بیان نہ ہو بلکہ وہ انسان کی کیفیت ہو اور انسانیت کی خوشی اور غم کا ایسا اظہار ہو کہ جس کو سن کر صرف لطف ہی نہ آئے بلکہ زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دے۔

اس مقام تک تو تعریف ادب میں آسمانی ادب اور زمینی ادب میں باہم اختلاف نہیں ہے۔ مگر جیسا کہ ابتدا میں اشارہ کیا گیا تھا کہ یہ دونوں ادب اس اتحاد اور اشتراک کے باوجود اپنی نوعیت میں دو مختلف مکاتب ادب ہیں اور یہ کہ ان دونوں میں باہم فراق اور اختلافی نوعیت محض کات تخلیق ادب اور ترجیحات ادبی کے باہم درگرمناز اور مختلف

ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس مضمون میں جو سورۃ الزمر کی تعریف شعر و ادب بیان ہوئی ہے اس میں قرآن کریم نے یہ فرما کر تَقَشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اُن کے رونگٹے اس کے پڑھنے سے کھڑے ہو جاتے ہیں) اس اختلاف کو بیان کر دیا ہے اور تخصیص کر دی ہے کہ آسمانی ادب کے فہم و ادراک اور اس سے لطف اٹھانے کے لیے محبت الہی اور تعلق باللہ ایک لازمی شرط ہے۔

یہی حقیقت حضرت مسیح موعودؑ کس قدر خوبصورتی سے بیان فرما رہے ہیں:

فارسی میں کہتے ہیں:

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنا م ما باشد
ترجمہ: ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ ہوگا اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا
اور پھر اردو زبان میں کہتے ہیں:

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشان کافی ہے گردل میں ہے خوفِ کردگار

اور فرماتے ہیں:

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

یعنی اول قدم پر انسان کی فطرت ”سعید“ ہو اور دوسرے قدم پر اس کے قلب میں خوفِ خداوندی ہو۔ اس وجہ سے آسمانی ادب کی اس اہم نوعیت کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ آسمانی اور زمینی ادب کے محرکات تخلیق اور ترجیحات ادب کیا ہیں اور ان میں اختلاف و تضاد کے موجبات کیا ہیں۔



آسمانی اور زمینی ادب کے محرکات

گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آسمانی شعر و ادب کی ایک منفرد اور ممتاز نوعیت ہے۔ اس لیے اگر آسمانی شعر و ادب کو ایک ممتاز اور جداگانہ مکتب شعر و ادب کہا جائے تو یقیناً درست ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مکتب ادب میں زانوئے تلمذتہ کیے بغیر اس کے حسن و خوبی سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔

تاہم اگر فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان ہونے کے ناطے سے اس کے محرکات ادب بھی ان ہی عوامل کا نتیجہ ہیں جو زمینی ادب کے ہیں۔ دید و شنید، قلبی احساس اور دماغی شعور، تلاش اور جستجو یہ سب مشترک محرکات و عوامل تخلیق ادب ہیں۔ دونوں ادب مشاہدات اور احساسات کو قلب و نظر میں قبول کرنے کے عمل سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور اگر ایسا ہے تو ان کا چشمہ حیات بھی مشترک ہونا چاہیے۔ مگر اس وقت یہ معلوم کرنا ہے کہ اس اتحاد کے باوجود وہ کیا عوامل ہیں جن کی عمل داری نے ان دونوں ادبوں میں ایسا اختلاف کیسے پیدا کر دیا ہے کہ ہم ادب آسمانی کو ایک ممتاز اور منفرد مکتب شعر کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

دراصل ان دونوں ادبوں کی باہم دگر ممتاز نوعیت ان ادیبوں کی قلبی ترجیحات اور مقاصد زندگی کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور اس بنا پر ہی ان کے مشاہدات اور جذبات کا رخ ایک دوسرے سے مختلف سمت اختیار کر لیتا ہے۔ زمینی ادیب کے مشاہدات اس کے ماحول اور تہذیبی ترجیحات کے عوامل سے جنم لیتے ہیں۔ اس کے جذبات بھی جسمانی لذت اور شوق کے دائرے میں محصور ہوتے ہیں۔ اس کی اقدارِ حسن و جمال اور اس کی پسند و ناپسند بھی زمینی قیود اور حدود سے پیوست ہوتی ہے۔ وہ زمینی وابستگیوں اور لذتوں سے باہر نہیں نکلتا وہ اسی میں جنم لیتا ہے اور اسی کی یافت اور نایافت (یعنی حصول اور محرومی) اس کے شعر و ادب کے عنوانات ہوتے ہیں اور اس کے ادب کے تخلیقی محرکات بھی۔ جیسے غالب کا حال ہے کہ اگر عشق کا غم نہیں تو وہ زندگی کے دیگر مصائب میں مبتلا ہے۔

غم اگر چہ جاگلسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

آسمانی ادیبوں کے مشاہدات اور جذبات یا دائرہ تخلیق ادب اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے اول ایسے کہ ان کی ترجیحات زندگی زمینی نہیں ہوتیں گو وہ اس زمین کے باسی ہوتے ہیں اور اسی زمین کے باسیوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں مگر وہ اس اعتبار سے سرزمین کے باسی نہیں ہوتے کہ وہ زمینی محبتوں اور لذتوں کی تمنا نہیں رکھتے۔

وہ محبوبِ حقیقی کے عشق کا جیتا جاگتا نشان بن کر آتے ہیں اس لیے ان کے ادب کی اساس زمینی محبتوں اور لذتوں کو ترک کرنا اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے وصال کی لذت سے انسان کو آشنا کرنا ہوتی ہے۔

آپ کی بعثت اور کلام کا یہ مقصد فارسی اشعار میں کس قدر خوبی و جمال سے بیان ہوا ہے فرماتے ہیں

بجز اسیرِ عشقِ رُخشِ رہائی نیست بدرِ اُو ہمہ امراض را دوا باشد

اس کے چہرہ کے عشق کی قید کے سوا کوئی آزادی نہیں اور اُس کا درد ہی سب بیماریوں کا علاج ہے

عنایت و کرمش پرورد مرا ہر دم بہ بینی اش اگر ت چشم خویش وا باشد

اُس کا فضل و کرم ہر وقت میری پرورش کرتا ہے اگر تیری آنکھیں کھلی ہیں تو تجھے یہ بات نظر آجائے گی

بیامدم کہ رہ صدق را درخشانم بدلتاں برم آں را کہ پارسا باشد

میں اس لیے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور دلبر کے پاس اُسے لے چلوں جو نیک و پارسا ہے۔

اس مقصد کے بیان کو اردو میں بھی دیکھ لیں۔

مجھے اس یار سے پیوندِ جاں ہے وُہی جنت وُہی دارالاماں ہے

بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے محبت کا تو اک دریا رواں ہے

یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی فَسُبْحَانَ الَّذِي اخْزَى الْأَعَادِي

اور عربی میں بھی اسی مقصد ادب کا بیان سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

أَنْتَ الْمُرَادُ وَ أَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِي وَ عَلَيْكَ كُلُّ تَوَكُّلِي وَ رَجَائِي

تو ہی مراد ہے اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

أَعْطَيْتَنِي كَأْسَ الْمَحَبَّةِ رَيْقَهَا فَشَرِبْتُ رَوْحَاءَ عَلِيٍّ رَوْحَاءَ

تو نے مجھے محبت کی بہترین نے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

إِنِّي أَمُوتُ وَ لَا يَمُوتُ مَحَبَّتِي يُدْرِي بَدْرُكَ فِي التُّرَابِ نَدَائِي

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز پہچانی جائے گی۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے تصرّفِ خاص سے آسمانی ادیبوں کی تخلیق فرماتا ہے اور اپنی نگرانی میں ان کے قلبی اور نظری رجحانات کی تادیب اور تعدیل کرتا ہے اس لیے محرکات ادب میں ان کے مشاہدات اور جذبات اور ان کی ادبی استعداد اور اکتسابِ هنرِ خاصہٴ محبوبِ حقیقی کی منشاء اور حکم کے تحت اور اس کی

نگرانی میں تشکیل پاتے ہیں۔

اس مضمون میں اردو میں فرماتے ہیں

ابتدا سے گوشہ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار
پر مجھے تُو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا
میں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار
اس میں میرا جرم کیا جب مجھ کو یہ فرماں ملا
کون ہوں تا رڈ کروں حکم شہِ ذی الاقتدار
اب تو جو فرماں ملا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتوان و دلفگار
اور عربی میں فرماتے ہیں

بِمَطْلَعِ عَلِيٍّ أَسْرَارِ بَالِيٍّ بِعَالِمِ عَيْبَتِي فِي كُلِّ حَالِيٍّ

تم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور تم اس ذات کی جو ہر حال میں میرے سینے کے راز سے واقف ہے

لَقَدْ أُرْسِلْتُ مِنْ رَبِّ كَرِيمٍ رَحِيمٍ عِنْدَ طُوفَانِ الضَّلَالِ

بے شک میں رب کریم کریم کی طرف سے طوفانِ ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں

أَبَايَئِدَاءِ أَتْرُكُ أَمْرَ رَبِّي وَ مِثْلِي حِينَ يُؤَذَى لَا يُبَالِي

کیا دکھائے جانے سے میں اپنے رب کے کام کو چھوڑ دوں؟ جبکہ میرے جیسا آدمی ایذا دے جانے پر پرواہ نہیں کیا کرتا

اور فارسی میں فرماتے ہیں۔

مامورم و مرا چہ دریں کار اختیار رو این سخن بگو بخداوند آمرم

میں تو مامور ہوں مجھے اس کام میں کیا اختیار ہے جا! یہ بات میرے بھیجنے والے خدا سے پوچھ

حکم است ز آسماں بز میں میر سائنش گر بشنوم نگو بیش آں را گجا برم

آسماں کا حکم میں زمین تک پہنچاتا ہوں۔ اگر میں اُسے سنوں اور لوگوں کو نہ سناؤں تو اُسے کہاں لے جاؤں

من خود نگویم اینکہ بلوچ خدا ہمیں است گر طاقت ست محو گن آں نقش داورم

میں خود یہ بات نہیں کہتا بلکہ لوح محفوظ میں ہی ایسا لکھا ہے اگر تجھ میں طاقت ہے تو خدا کے لکھے ہوئے کو مٹا دے۔

اس حقیقت کے بیان میں قرآن کریم کے بہت سے فرمودات ہیں جو آسمانی ادیبوں یعنی انبیاء علیہم السلام کی ادبی

اور روحانی سیرت کی تشکیل کے عوامل و محرکات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

دل تو یہ چاہتا ہے کہ چُن چُن کر قرآن کریم کے وہ جواہر پارے جن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی سیرت کی

تشکیل کا دستور عمل بیان کیا ہے ایک ترتیب سے پیش کروں اور اس حقیقت کی وضاحت کروں کہ انبیاء کی روحانی

ترہیت اور کمال علم و ادب۔ زندگی کے عوامل اور محرکات سے متاثر ہو کر تشکیل نہیں پاتا بلکہ یہ ایک عنایت خاص کے طور پر عطا ہوتا ہے اور کامل تصرف الہی کے تحت تخلیق ہوتا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر ہم حضرت اقدس کے ادب کو ایک منفرد اور جداگانہ مکتب شعر و ادب کہتے ہیں۔

مگر ہمارا موضوع اس تفصیل کی اجازت نہیں دیتا اس لیے مختصراً چند فرمودات قرآن پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَ لِيُصْنَعَ عَلَيَّ عَيْنِي (طہ: ۴۰)

حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”براہین احمدیہ میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی ایک پیشگوئی ہے و القیت علیک محبۃً مِّنِّي و لِتُصْنَعَ عَلَيَّ عَيْنِي یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں تیری محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالوں گا اور میں اپنی آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کروں گا۔“

(ہفتیۃ الوحی۔ ر۔ خ۔ جلد ۲۲ صفحہ ۲۳۹)

یہ بہت ہی عالی مرتبہ اور محبت میں ڈوبا ہوا فرمان باری تعالیٰ ہے۔ اس فرمان کے بیان میں ایک بہت اچھی بات یہ بھی ہے کہ یہ آیت آپ حضرت اقدس پر الہام ہونے کی وجہ سے اگر اول یہ فرمان عمومی تھا تو آپ کے لیے خدا تعالیٰ نے مخصوص بھی کر دیا اور آپ ہی کا ادب اور اس کے عوامل تخلیقی یہاں بیان ہو رہے ہیں۔

اس فرمان الہی سے یہ بات ثابت ہے کہ مرسلین باری تعالیٰ کی تمام تعلیم و تربیت اللہ تعالیٰ ہی کے تصرف خاص کے تحت ہوتی ہے اور ان کی تمام استعدادیں اور قابلیتیں اللہ کی نگرانی اور اُس کی منشاء کے تحت تشکیل پذیر ہوتی ہیں اور کوئی خارجی محرک اور عمل کار فرما نہیں ہوتا۔

حضرت اقدس نے اس حقیقت کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ بلکہ تقریباً وہی الفاظ اختیار کئے ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کے تھے۔ حق بھی یہ ہے کہ محبوب کے کلام کی رمز کو ایک عاشق ہی سمجھ سکتا ہے۔

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے گود میں تیری رہا میں مثل طفلِ شیر خوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ نغمسار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول

میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

اب دیکھ لیں ”وَلِنُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِي“ اور گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار، کو مقابل پر رکھ لیں تو ایک ہی معنی ابھرتے ہیں یعنی جیسے ماں بچے کو گود میں لے کر پرورش کرتی ہے اسی طرح انبیاء کی تمام روحانی اور علمی استعدادیں محبوب حقیقی کی نگرانی میں اور اس کی منشاء کے مطابق جنم لیتی ہیں اور آخری شعر بھی اسی مضمون کو بیان کر رہا ہے کہ آپ حضرت اپنی کوئی بھی ذاتی استعداد اور قابلیت سمجھتے ہیں اور اپنے علم و ادب کو صرف اور صرف باری تعالیٰ کی عنایت خاص گردانتے ہیں.....

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول

میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

در اصل حضرت کا اس شعر میں اس طرف اشارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ”الرَّسُولَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ“ کہا ہے (الاعراف: 158) حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حقیقی کا معلم خدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر اُمّیت غالب ہوتی ہے“

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۸۴۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

یہاں تک تو انبیاء کی تعلیم و تربیت اور اکتساب علم و ہنر کے اعتبار سے عمومی فرمان کا ذکر ہوا ہے اب اس ایک تفصیلی بیان کو بھی سن لیں جس میں اللہ تعالیٰ اُن ذرائع اور انتظام کا ذکر فرماتا ہے جو اُس نے اس مقصد کے حصول کے لیے اختیار فرمائے ہیں۔

فرماتا ہے: لَعَلَّمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يُسَلِّكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ أَن قَدِ ابْتَلَوْا رِسَالَتِي رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن: ۲۸، ۲۹)

حضرت اقدس آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ أَحَدًا کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”یعنی اللہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں ہونے دیتا مگر ان لوگوں کو جو اس کے رسول اور اس

کی درسگاہ کے پسندیدہ ہوں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

”درسگاہ“ کے لفظ سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ یہاں پر انبیاء کی درسگاہ سے مراد ان کی تعلیم و تربیت اور انداز

تعلیم ہے۔

باقی ماندہ آیات اور اُن کے معانی یہ ہیں فَإِنَّهُ يُسَلِّكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا اور اس

رسول کی یہ شان ہے کہ اس کے آگے بھی اور اسکے پیچھے بھی محافظ فرشتوں کی گارد چلتی ہے۔

لَيُعَلِّمَنَّ أَنْتُمْ قَدْ أَبْلَغُوا رَسُولَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَخْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا - تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ان رسولوں نے اپنے رب کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور اللہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو اپنے احاطے میں رکھتا ہے اور ہر چیز کو گن رکھتا ہے۔

یہ وہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تلامیذ الرحمان کی درس گاہ کا تفصیلی دستور بیان کیا ہے۔

ان آیات میں اول تو یہ واضح کر دیا کہ یہاں پر ”درس گاہ“ سے انبیاء کی تعلیم و تربیت کا ذکر ہے

دوم یہ بتایا کہ ہم اپنا عرفان خاص بندوں کو دیتے ہیں۔

سوم یہ فرمایا کہ ان ہونہار شاگردوں کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ ابلاغ رسالت کریں۔ جیسا کہ اس سورت کی آیت میں فرمایا اَلَا بَلَّغْنَا مِنَ اللّٰهِ وَرِسَالَتِهِ (الجن: 24) یعنی میرا تو صرف یہ کام ہے کہ میں اللہ کی بات اور اس کا پیغام پہنچا دوں۔ ”ابلاغ رسالت“ کو ایک اور مقام میں بہت وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ... (المائدة: 118) میں نے تو صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

چہارم یہ کہ اس مقصد کے حصول کے لیے فرشتوں کی ایک فوج ان کی مددگار ہوتی ہے۔

پنجم یہ کہ ان کی قابلیتیں اور استعدادیں خدا تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوتی ہیں۔ اور

ششم یہ کہ ان سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق نہ ہو۔

ان فرمودات باری تعالیٰ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرسلین باری تعالیٰ کے کلام کی تخلیق کے محرکات اور عوامل اور ان کی ادبی استعدادوں پر اللہ تعالیٰ کا قادرانہ تصرف ہوتا ہے۔ وہی ان کو ابلاغ رسالت کے لیے انتخاب کرتا ہے اور اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے ہمہ وقت ان کی نگرانی کرتا ہے اور ان کی استعدادوں اور قابلیتوں کا خود کفیل ہوتا ہے۔

یہ تفصیلی تصرّفات الہیہ اس امر کو بھی ثابت کرتے ہیں کہ ان کے کلام میں کوئی خارجی محرک کارفرما نہیں ہوتا ہے۔ ان کے مشاہدات، احساسات اور جذبات تمام تر خدا تعالیٰ کی درس گاہ کی تعلیم و تربیت اور عطاء خاص ہوتی ہے اور یہ کہ وہ محبوب حقیقی کے حسن و جمال اور اس کے بیان کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتے۔

ادب مرسلین کی اس کیفیت کو حضرت اقدس نے بہت ہی دل فریب انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

من در حریم قدس چراغ صد اتم دستش محافظ است ز ہر باد صرصرم

میں در گاہ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

سچ تو یہی ہے کہ ہر درسگاہ کا ہونہار شاگرد اس کا چشم و چراغ ہی ہوتا ہے۔ مرسلین باری تعالیٰ کی شان و عظمت کا اس سے بہتر اور کیا بیان ہو سکتا ہے۔ محبوب حقیقی اپنے حسن و جمال کی تجلی اس چراغ سے کرتا ہے اور اس میں کسی اور کے حُسن کا پرتو نہیں ہوتا۔ وہ اُسی جمالِ اوّل و آخر کا ظہور ہوتا ہے اور صرف اُسی کے جمال کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرے مصرعے میں یہی مضمون بیان ہوا ہے کہ محبوب حقیقی کا تصرفِ خاص اس چراغ کو خارجی محرکات اور تاثیرات سے پاک رکھتا ہے (باری تعالیٰ کے ہاتھ سے اس کا تصرفِ خاص ہی مراد ہے) یعنی اس چراغ کے نور کی ترسیل بھی محبوب حقیقی خود ہی کرتا ہے اور کوئی طاقت اس کی نور افشانی میں حائل نہیں ہو سکتی۔ باری تعالیٰ کی محبت کے ادب کی تخلیق کے عوامل و محرکات اور ان کا صدق و تاثیر۔ ان کے کلام کا حسن و جمال اس سے بہتر کیا بیان ہو سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ شعر آسمانی ادب کی تخلیق اور تاثیر کے مضمون میں ایک ادبی شاہکار اور ادبی معراج ہے۔

یہ وہ تصرفاتِ الہیہ ہیں جن کے نتیجے میں مرسلین کے کلام کی یہ کیفیت ہوتی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: 4، 5) حضرت اقدسؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”لہذا ہر بات نبی کی جو نبی کی توجہ تام اور اس کے خیال کی پوری معروضیت سے اس کے

منہ سے نکلتی ہے وہ بلاشبہ وحی ہوتی ہے۔“

اور فرماتے ہیں:

”میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں اس پر اشارہ ہے ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ اس لیے

رسول کریمؐ نے جو فرمایا وہ خدا تعالیٰ کا ارشاد تھا“ (دیکھو تفسیر حضرت اقدسؑ زیر آیت)

کمالِ پاکی و صدق و صفا کہ گم شدہ بود دوبارہ از سخن و وعظِ من پیا باشد
پاکیزگی اور صدق و صفا کا کمال جو معدوم ہو گیا تھا وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے
مرخ از خنم ایکہ سخت بے خبری کہ اینکہ گفتہ ام از وحی کبریا باشد
اے پیغمبر انسان میری اس بات سے ناراض نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات جو میں نے کہی ہے خدا نے مجھ پر وحی کی ہے۔
کسیکہ گم شدہ از خود بنور حق پیوست ہر آنچہ از دہش بشنوی بجا باشد
جو شخص اپنی خودی چھوڑ کر خدا کے نور میں جا ملا۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔

یہ وہ فرموداتِ باری تعالیٰ ہیں جن کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مرسلین باری تعالیٰ کے کلام کی تخلیق کے محرکات و عوامل اور ان کی ادبی استعدادیں اللہ تعالیٰ کے قادرانہ تصرف کے تحت تشکیل پاتی ہیں۔ وہ

اُن کو اپنے دائرہ لطف اور اپنی نظر سے دور نہیں ہونے دیتا اور یہی اُن کی درس گاہ ادب ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا۔
 اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّتٍ وَّ نَهْرٍ . فِيْ مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر: 55، 56)
 اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

”صدق کی نشست گاہ۔ با اقتدار بادشاہ کے پاس“

ان تصرّفات باری تعالیٰ کے تحت حُسنِ ازل اور جمالِ محبوبِ حقیقی اُن کا ”مشاہدہ“ ہوتا ہے اور محبوبِ حقیقی کا عشق اُن کا ”جذبہ“ آپ حضرت فرماتے ہیں۔

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں
 محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں
 محبت چیز کیا کس کو بتاؤں
 میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں
 وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں
 خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں
 وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں
 یہی بہتر کہ خاک اپنی اڑاؤں
 کہاں ہم اور کہاں دُنیا ئے مادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِيْ اَخْرَجَ الْاَعَادِيْ
 اور فارسی میں فرماتے ہیں۔

خاکساریم و سخن از رہِ غربت گوئیم
 یَعْلَمُ اللّٰهُ کہ بکس نیست غبارے مارا
 ہم تو خاکسار ہیں اور فروتنی سے بات کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ ہمیں کسی سے عداوت نہیں
 مانہ بیہودہ پئے ایں سروکارے برویم
 جلوہ حسن کشد جانبِ یارے مارا
 ہم فضول اس مقصد کے پیچھے نہیں پڑے ہوئے بلکہ تجلّی حسن ہمیں محبوب کی طرف کھینچنے لیے جارہی ہے۔
 اور عربی میں فرماتے ہیں۔

وَ لَسْتُ بِطَالِبِ الدُّنْيَا كَزَعْمِكَ
 وَقَدْ طَلَّقْتُهَا بِالْاِعْتِزَالِ
 اور میں ہرگز طالبِ دنیا نہیں ہوں جیسا کہ تیرا خیال ہے۔ میں نے تو گوشہ نشینی کے ذریعہ اسے
 طلاق دے دی ہے۔

تَرَكَنَا هَذِهِ الدُّنْيَا لِوَجْهِهِ
 وَ اَثَرْنَا الْجَمَالَ عَلٰى الْجَمَالِ
 ہم نے یہ دنیا ایک چہرے کی خاطر چھوڑ دی ہے اور ہم نے اس کے جمال کو جمالِ دُنوی پر ترجیح دی ہے۔
 وَ اِنَّكَ تَزِدُّنِيْ نُطْقِيْ وَ قَوْلِيْ
 وَ لَوْ صَادَفْتَهُ مِثْلَ اللَّالِيْ
 تو میرے کلام اور میری بات کو حقیر سمجھتا ہے خواہ تو نے اسے موتیوں کی مانند پایا ہو

یہاں تک تو مرسلین کے مشاہدات اور جذبات کا ذکر ہوا ہے۔ کچھ باتیں اُن کے اکتسابِ فن کے بارے میں ان ہی کی زبان میں بھی ہونی چاہئیں۔

جہاں تک اُن کی ادبی استعدادوں اور اکتسابِ فن کا خدا تعالیٰ کے تصرفِ خاص کے تحت تشکیل پانے کا عمل ہے وہ تو قرآن کریم کی روشنی میں بیان ہو چکا ہے اب یہ دیکھتے ہیں کہ مرسلین کرام اس بارے میں خود کیا فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے بات تو اُس ہستی کی کرتے ہیں جو حضرت اقدس اور ہم سب کا آقا اور مطاع ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فِذَاهُ اَبِيْ وَ اُمِّيْ۔

یہ بات تو معروف عام ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں شعر و سخن کا دور دورہ تھا اور ہر شخص کسی نہ کسی حد تک سخن فہمی اور شعر دانی کا ملکہ رکھتا تھا مگر اُس ماحول میں سب سے اعلیٰ ادبی فصاحت و بلاغت ہمارے آقا اور مطاع کی سمجھی جاتی تھی اور آپ کو ”فصح العرب“ کہا جاتا تھا

آثار میں ہے کہ آپ کی ادبی شان سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے استفسار کیا

”مَنْ اَدَّبَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ“

یعنی اے اللہ کے رسول آپ کی ادبی تربیت کس نے کی ہے۔

اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ عَزَّ وَ جَلَّ“

یعنی یہ کہ مجھے میرے عز و جل خدا نے ادب کی تعلیم دی ہے۔

آپ کا یہ فرمان بھی تو ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو امع الکلم عطا کئے ہیں۔

اب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کرتے ہیں اس مضمون میں آپ فرماتے ہیں

چوں حاجتے بود بادبپ دگر مرا من تربیت پذیر ز رب مہمہنم!

مجھے کسی اور اُستاد کی ضرورت کیوں ہو۔ میں تو اپنے خدا سے تربیت حاصل کیے ہوئے ہوں۔

اب دیکھ لیں کہ حضرت اقدس کا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا اتحاد اور یگانگت ہے۔ ایسے معلوم

ہوتا ہے جیسے حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے بھی یہی سوال کیا تھا اور جس کے جواب میں آپ نے وہی بات کی جو

آپ کے آقا نے کی تھی۔

یہاں پر ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے یہ کہ حضرت اقدس نے اس شعر میں خدا تعالیٰ کے اسماء گرامی میں

سے مہمہن کی صفت کو بیان کیا ہے اور مہمہن کے معنی نگران کے ہیں اور یہی بات ”لتصنع علی عینی“

میں بیان ہوئی ہے۔ ”تا کہ میری نگرانی میں تیری پرورش ہو“

بات سے بات نکل رہی ہے عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس غزل میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنے جذبات کی نوعیت کو بھی بیان کیا ہے کہ وہ ذاتی رجحانات اور اکتسابِ فن سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ایک عطائے ربانی ہے۔ اور وصالِ باری تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔ جیسے فرماتے ہیں۔

ہیچ آگہی نبود ز عشق و وفا مرا خود ریختی متاعِ محبت بدامنم

مجھے عشق و وفا کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ تو نے ہی خود محبت کی یہ دولت میرے دامن میں ڈال دی۔

ایں خاکِ تیرہ را تو خود اکسیر کردہ بود آں جمالِ تو کہ نمود است احسنم

اس سیاہ مٹی کو تو نے خود اکسیر بنا دیا وہ صرف تیرا ہی جمال ہے جو مجھے اچھا لگا۔

ایں صیقلِ دلم نہ بزہد و تعبد است خود کردہ بلطف و عنایات روشنم

یہ میرے دل کی صفائی زہد اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے نہیں بلکہ تو نے مجھے آپ اپنی مہربانیوں سے روشن کر دیا ہے

حضرت اقدس کے اکتسابِ علم و ہنر اور صیقلِ قلب و نظر کے بارے میں ایک تفصیلی بیان اور بھی سن لیں۔

آخری دو شعر تو بہت دلفریب اور دلربا ہیں۔ فرماتے ہیں۔

گر نہ او خواندے مرا از فضل وجود صد فضولی کردے بے سود بود

اگر وہ خود اپنے فضل و کرم سے مجھے نہ بلاتا۔ تو خواہ میں کتنی ہی کوششیں کرتا سب بے فائدہ تھیں

از نگاہے این گدا را شاہ کرد قصہ ہائے راہ ما کوتاہ کرد!

اُس نے ایک نظر سے اس فقیر کو بادشاہ بنا دیا اور ہمارے لمبے راستہ کو مختصر کر دیا

راہِ خود برمن کشود آں دلستاں دانمش ز انساں کہ گل را باغبان

اس محبوب نے خود اپنا راستہ میرے لیے کھولا۔ میں یہ بات اس طرح جانتا ہوں جیسے باغبان پھول کو

پُر ز نورِ دلستاں شد سینہ ام شد ز دستے صیقلِ آئینہ ام

محبوب کے نور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا

پیکرم شد پیکرِ یارِ ازل کارِ من شد کارِ دلدارِ ازل

میرا وجود اُس یارِ ازل کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہو گیا

بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من

چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی

نورِ حق داریم زیرِ چادرے از گریبانم برآمد دلبرے
ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا ہے۔

ہر کہ در عہدم زمن مانند جدا سے کند بر نفس خود جور و بجا
جو میرے زمانہ میں مجھ سے جدا رہتا ہے تو وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

احمد آخرِ زمان نام من است آخریں جامے ہمیں جام من است
”احمد آخرِ زمان“ میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دُنیا کے لیے) آخری جام ہے۔

جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا ہے تخلیق ادب میں یہی اختلاف ان دونوں ادبوں کی نوعیت کو یکسر بدل دیتا ہے۔ زمینی ادب کی ترجیحات کو زمینی پسند و ناپسند اور یافت اور نایافت میں محدود کر دیتا ہے اور آسمانی ادب کی ترجیحات کو تمام تر محبوب حقیقی کے حسن و جمال کے بیان اور اس کے عشق کے اظہار میں محصور کر دیتا ہے۔ اب دیکھ لیں آپ حضرت نے زمینی ترجیحات سے اور ان کے بیان سے کتنی دوری اختیار کر لی ہے۔ اور کیا عاشقانہ انداز ہے۔ فرماتے ہیں:

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار
اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو نیک دن ہو گا وہی جب تجھ پہ ہوویں ہم نثار
جس طرح تو دُور ہے لوگوں سے میں بھی دُور ہوں ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دل کا راز دار
اور عربی میں فرماتے ہیں۔ اس کلام کی فدائیت کا نظارہ کریں۔

أَنْتَ الْمُرَادُ وَأَنْتَ مَطْلَبُ مَهْجَتِي وَعَلَيْكَ كُلُّ تَوَكُّلِي وَرَجَائِي
تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔
أَعْطَيْتَنِي كَسَّاسَ الْمَحَبَّةِ رَيْقَهَا فَشَرِبْتُ رَوْحَاءَ عَلِيٍّ رَوْحَاءِ
تو نے مجھے محبت کی بہترین مے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔
إِنِّي أَمُوتُ وَلَا يَمُوتُ مَحَبَّتِي يُدْرِي بِذِكْرِكَ فِي التُّرَابِ نِدَائِي
میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

اور فارسی میں ”قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (الانعام: 163) کے فرمان کی بہت ہی حسین تفسیر اور اپنے قلب کے حوالے سے واقعاتی تعبیر ہے۔

در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچه می خواهم از تو نیز توئی
دونوں عالم میں تو ہی میرا پیارا ہے اور جو چیز میں تجھ سے چاہتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ ادبی اصطلاح میں جن ادبی اقدار کو ہم ”محرک“ شعر کہتے ہیں وہ ادب مرسلین میں تصرّفات الہیہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور یہی وہ ہمہ گیر تصرّفات باری تعالیٰ ہیں جو مرسلین کے کلام کو محبوب حقیقی کے پر تو جمال کے حصار میں محصور رکھتا ہے اور اُسی کے حُسن کی تجلیات کے بیان میں اور اُسی کے وصال کی تڑپ اور شوق میں اُن کی نغمہ سرائی ہوتی ہے۔

اور پھر ایسے ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی بھی اُن کی زبان پر ہر اعتبار سے پاکیزہ کلام جاری کرتا ہے اور اُن مضامین کی تعلیم دیتا ہے جن سے باری تعالیٰ کا حُسن و جمال ظاہر ہو اور اُس کی محبت اور وصال کی تمنا دل میں زندہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهُدُّوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهَدُّوْا اِلَى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (الحج: 25)

اور وہ ہدایت دیے جاتے ہیں پاکیزہ کلام کی طرف اور وہ ہدایت دیے جاتے ہیں صاحب حمد و ثنا خدا کے راستے کی طرف۔

زمینی محرک ادب تو اپنی کیفیت بدلتا رہتا ہے کبھی کوئی ایک جذبے کے تحت بیان کر رہا ہوتا ہے اور کبھی عین اُس جذبے کے خلاف بیان کرتا ہے۔ کبھی اُس میں جوش اور یقین ہوتا ہے اور کبھی وہ بے یقینی اور شکوک کا شکار ہو جاتا ہے چنانچہ وہ احساس اور مشاہدہ جو محرک ادب بنتا ہے وہ یکساں نتائج پیدا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ادب میں ایک سے موضوعات پر بے شمار اظہار خیال ہوتا ہے اور اُس میں بے شمار اختلاف معنوی بھی ہوتا ہے اور اختلاف اسلوب بیان بھی۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ زمینی ادب بے یقینی اور شکوک کا شکار ہوتا ہے ادب میں ایک ایسا عام مشاہدہ ہے کہ ایک طفل مکتب بھی اس بیان کی تصدیق کر سکتا ہے۔ تاہم اساتذہ شعر کے چند نمونے پیش کرنے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو سکتی ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

کس نہ دانست کہ منزل گہے مقصود کجاست ایں قدر ہست کہ بانگے جرس می آید
کوئی نہیں جانتا کہ منزل مقصود کیا ہے، مگر اتنا علم ہے کہ قافلے کی روانگی کا جرس بج رہا ہے
رومی کہتے ہیں۔

گفتند یافت می نشود جستہ ایم ما گفت آں کہ یافت می نشود آئم آرزوست
کہا گیا کہ بہت تلاش کے باوجود مقصود نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ جو نہیں ملا اُسی کی تو آرزو ہے
اسی مضمون میں غالب کہتے ہیں۔

ہاں اہل طلب کون سنے طعنہ نایافت دیکھا کہ وہ ملتا نہیں۔ اپنے ہی کو کھو آئے

اور

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی۔ تو زیاں تھا نہ سود تھا
محبوبِ حقیقی کے دیدار کی حسرت۔ عرفان کامل کی تلاش میں ناکامی۔ اور شک و گمان کی کیفیت میں
طعنہ ہائے ”نایافت“ زمینی ادب کے غالب عناصر تخلیق ہیں۔ اس بنا پر وہ ادب یقین اور قطعیت کا حامل نہیں ہوتا
اور نتیجہً ایک بے اثر کلام ہو جاتا ہے۔

ادب پاروں کا مؤثر ہونا ادبی اقدار میں ایک اہم ترین قدر ہے۔ ایک ایسی قدر جو دیگر تمام اقدار کا
مقصود و مطلوب ہوتی ہے۔ اگر یہ مفقود ہو تو دیگر تمام اقدار ادب کا قیام ایک کارِ لاحاصل ہوتا ہے۔ ادب عالیہ
میں جس قدر کو اسلوب اور ابلاغ کہتے ہیں وہ اپنے آخری تجزیہ میں مؤثر کلام ہی کا نام ہے۔ اس مضمون میں
غالب کا ایک سادہ اور سلیس مگر عظیم الشان شعر ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
یعنی یہ کہ کلام کی لذت و شان تو اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ وہ سامع کے جذبات کو زندہ اور مشتعل
کرے۔ ادبی شاہ پاروں کا ابلاغ کامل اسی طور سے ہوتا ہے کہ کہنے والے اور سننے والے۔ شاعر اور سامع کے
روحانات قلبی اور ذہنی ترجیحات میں باہم یک رنگی اور اتحاد پیدا ہو جائے۔

حضرت اقدس نے بھی اس مضمون کو بہت درد سے بیان کیا ہے۔

اگر از روضہ جان و دل من پردہ بردارند بہ بینی اندراں آں دلبر پاکیزہ طلعت را
ترجمہ۔ اگر میرے جان و دل کے چمن سے پردہ اٹھایا جائے تو تو اُس میں اُس پاکیزہ طلعت معشوق کا چہرہ دیکھ لے گا
فروغِ نورِ عشقِ اُو زِ بامِ و قصرِ ما روشن مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را
اُس کے نورِ عشق کی تجلی سے ہمارے بام و قصر روشن ہیں۔ لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو
اس مضمون میں قرآن کریم کے لاتعداد فرمودات ہیں یعنی یہ کہ ہدایت اُسی کو ملتی ہے جس دل میں کوئی کرن
محبتِ الہی اور خشیتِ الہی کی روشن ہو۔

قرآن کریم میں اول قدم پر ہی فرمادیا گیا هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ یعنی صرف صاحب تقویٰ انسان کو یہ قرآنی
ادب پارے تلاشِ محبوبِ حقیقی میں مدد دے سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر قرآن کریم کی تاثیر کے بیان میں فرمایا:

تَنْفَعُهُمْ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلْبِثُنْ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: 24)

حضرت اقدس اس فرمانِ خداوندی کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں روٹگئے کھڑے ہو جاتے ہیں (یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے اس لیے کہ ان کی کھالوں پر کمالِ خوف اور دہشت سے روٹگئے کھڑے ہو جائیں) وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل و جان کوشش کرتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ قرآن کریم کے ادب پاروں کا دل و دماغ پر اثر اسی انسان کے ہو سکتا ہے جس کا دل خشیتِ الہی سے معمور ہو۔ اور اس کے دل میں محبتِ الہی کا چراغ روشن ہو۔

حضرت اقدس نے اس حقیقت کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

فرماتے ہیں:

رازِ قرآن را گجا فہمہ کسے بہر نورے، نورے باید بسے!
کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لیے بہت سا نورِ باطن ہونا چاہیے
نور را داند کسے کو نور شد و از حجابِ سرکشی ہا دور شد
نور کو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو۔ اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو
ایں نہ من قرآن ہمیں فرمودہ است اندر و شرطِ تطہر بودہ است
یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے پاک ہونے کی شرط ہے

یہ بات تو واضح ہے کہ جس طور سے قرآن کریم خدا تعالیٰ کی محبت اور عرفان کی راہ دکھاتا ہے۔ اسی طور پر اس کے مرسلین بھی دکھاتے ہیں۔ ان کے مشاہدات اور جذبات ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت اور اس کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور پھر نتیجہً ان کے کلام کی تمام تر جیاتِ محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال کا بیان و اظہار ہوتی ہیں۔

خاکسار یہ سمجھتا ہے کہ یہی حقیقت اور ”چیز“ ہے جس کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کے کلام کی منفرد نوعیت اور ممتاز کیفیت کو بہت محبت سے آپ کو الہام کیا ہے۔

”در کلام تو چیزے است کہ شعراء را در آں دخل نیست۔ کلام اُفصحت من لذن ربِّ کریم۔“

(ترجمہ) تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا

(تذکرہ، ایڈیشن چہارم، صفحہ ۵۹۵۔ مطبوعہ ۲۰۰۴ء)

گیا ہے۔

حضرت اقدس کے کلام کی تخلیق اور ترجیحات شعر کا مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے تصرفات کے تحت پیدا ہونا اور اس کے حکم کے مطابق ابلاغ رسالت کرنا ہی وہ عنصر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ”چیزِ یست“ کا نام دیا ہے اور یہی وہ محرکِ ادب ہے جو تمام مرسلین باری تعالیٰ کو دیا جاتا ہے اور اس عنایتِ خاص میں دیگر ”شعراء“ کو دخل نہیں ہوتا اور اسی بنا پر مرسلین باری تعالیٰ کا مکتب شعر زمینی شاعروں کے مکتب شعر سے ممتاز اور جداگانہ نوعیت کا ہو جاتا ہے۔

آخر پر ہماری گذارشات کی تائید اور تصدیق میں حضرت اقدس کے اس فرمان کو بھی دیکھ لیں جو اس مضمون کی روح کو اس قدر صدق اور یقین سے بیان کر رہا ہے جو کہ ایک مرسل باری تعالیٰ کا ہی منصب ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں۔ کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لیے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔ خ جلد 3 صفحہ 403)

اب ہم اس مقام پر ہیں کہ یہ بیان کریں کہ مرسلین باری تعالیٰ کی اس منفرد تعلیم و تدریس کے مضامین اور موضوعات کیا ہیں جو کہ اس درس گاہ کا نصاب بنتے ہیں۔ اور جن کے اظہار اور افشا کا حکم بارگاہِ الہی سے دیا جاتا ہے۔



حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر

اس سے قبل میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت اقدس کے محرکاتِ تخلیقِ ادب اور آپ کی ادبی ترجیحات کی ممتاز نوعیت کی بنا پر آپ کا ادب ایک منفرد اور جداگانہ مکتبِ ادب ہے۔

اس امر کے شواہد پیش کرنے کے بعد ہم اس مقام تک پہنچے ہیں کہ آپ کے اختیار فرمودہ موضوعاتِ ادب کو بیان کریں۔ دراصل یہ ترتیب تو ادبی دستور اور روایت کے تحت اختیار کی گئی ہے وگرنہ حقیقت تو یہی ہے کہ ادیب کے تخلیقی محرکات کا علم دراصل اس کے ادب پاروں سے ہی ہوتا ہے۔ یعنی یہ علم اور شعور کہ اس کے ذہنی رجحانات کیا ہیں۔ اور اس کو کن وارداتِ قلبی نے ایک خیال اور جذبے کو الفاظ کا قالب دینے پر مجبور کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ادیب کے موضوعاتِ شعر ہی اس کے قلب و نظر کا راز فاش کر رہے ہوتے ہیں۔

یہی حقیقت جس کو بیان کرنا مجھے مشکل معلوم ہو رہا ہے غالب نے کس قدر سادہ اور سہل انداز میں بیان کر دی ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اگر اس شعر کے وزن سے صرف نظر ہو سکے تو ”انتخاب“ کی جگہ موضوعات کا لفظ رکھ دیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ادیب کے محرکاتِ ادب اور ترجیحاتِ قلبی کا علم ان موضوعات سے ہوتا ہے جن کو وہ اختیار کرتا ہے۔ ایک اعتبار سے ”انتخاب“ بھی ایک نوعیت کی ”تخلیق“ ہی ہوتی ہے کیونکہ دونوں عمل اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

اتنا کچھ کہنے کے باوجود ہماری ترتیب میں زیادہ رد و بدل کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ہم نے حضرت اقدس کے محرکاتِ ادب کے بیان میں آپ کے کلام کا وہ موضوع قدم قدم پر پیش کر دیا ہے جو آپ کے شعری موضوعات کی جان اور روح رواں ہے اور ایک ایسا نقطہ مرکزی اور محور ہے جس کے گرد آپ حضرت کے تمام شعری موضوعات طواف کرتے ہیں۔

(۱) یعنی واحد و حید خدا کی محبت کا قیام اور ابلاغ رسالت۔

(۲) آپ کے کلام کی یہ نوعیت کہ وہ خالصہ اور کلیہ محبتِ الہی اور اس کے حصول کے آداب کے اظہار میں بیان ہوا ہے اور محبوبِ حقیقی کی طرف سے ’تزیل‘ کے طور پر ایک پیغام خداوندی ہے۔ دنیائے ادب میں ایک ایسی منفرد شان اور خوبی ہے کہ شاید اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام میں آپ کے کلام کی ایسی تعریف و مدحت بیان کی ہے۔

الہام حضرت اقدس

”در کلام تو چیز نیست کہ شعراء را در آں دخلے نیست“

(تیرے کلام میں ایک ایسی چیز (خوبی) ہے جو شاعروں کو نصیب نہیں ہوئی)

لفظ ”کلام“ کو کسی شاعر کی ایک آدھ غزل یا نظم کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا اس لفظ کو اسی موقع پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ کسی شاعر کے تمام مجموعہ کلام اور افاضات شعری کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں کسی ایک زبان کی قید بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے خاکسار کی دانست میں ”چیز“ کہہ کر اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کے تمام کلام کی روح رواں ہے اور جس نے آپ کے کلام کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی محبوب حقیقی کی محبت میں تسلیم و رضا اور ابلاغ رسالت باری تعالیٰ کرنا۔

محاسن کلام کی مکمل پاسداری کے ساتھ آپ کے کلام کی یہ خصوصیت دنیائے ادب میں ایک منفرد اور ممتاز خوبی ہے۔ مغربی ادیبوں کو تو یہ سعادت نصیب ہی نہیں ہوئی۔ مگر مشرقی اور اسلامی ادیبوں میں بھی کوئی شاعر ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی ادبی اور شعری تخلیقات کا محور کاملہً محبت الہی کے مضامین کو بنایا ہو۔

حمد و ثناء باری تعالیٰ اور نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ایسے موضوعات ہیں جو مشرقی ادب میں مقبول عام ہیں۔ مناجات کا موضوع بھی ایک حد تک مقبول ہے اور جستہ جستہ اشعار محبت الہی اور وصال باری تعالیٰ کی تمنا میں مل جائیں گے۔ خواہ وہ مجاز اور استعارہ کی راہ سے ثابت ہوتے ہوں۔

ابلاغ رسالت کا موضوع تو ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ یہ کام تو ایک مرسل باری تعالیٰ ہی کو کرنا ہوتا ہے مگر اگر کسی قدر محبت الہی کے بیان کا سرمایہ ادب دستیاب ہے تو وہ فارسی زبان میں ہے۔ دراصل فارسی زبان کے ادیبوں نے ہی یہ کوشش کی ہے کہ وہ زمینی قید و بند سے آزاد ہو کر فنا پذیر اقدار حسن و جمال اور عشق و محبت سے بلند تر حسن ازل اور محبوب لم یزل کی طرف پرواز کرے مگر فارسی ادب میں کوئی ایسا شاعر نہیں ملے گا جو کامل طور پر حریم قدس کا باسی ہو اور اسی بارگاہ سے اس کو قابلیت اور استعداد عطا ہوئی ہو اور وہ اسی نور کا پرتو ہو جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا فانی فی اللہ اور عاشق رسول اسلامی ادب کے آسمان پر کبھی طلوع ہی نہیں ہوا تھا۔ کسی کو محبوب حقیقی اور محبوب خدا کا ایسا وصال نصیب نہیں ہوا تھا کہ اس کی انتہاء میں یہ کیفیت ہو کہ محبوب اور محبت اور عاشق اور معشوق میں امتیاز مشکل ہو جائے اور یہ صورت ہو جائے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازین من دیگر م تو دیگر ی

ترجمہ:- میں تو ہو گیا ہوں اور تو میں ہو گیا ہے میں جسم ہو گیا ہوں تو جان ہو گیا ہے (یہ اس لیے ہوا ہے) تاکہ کوئی (بعد میں) یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔

دراصل تمام مرسلین باری تعالیٰ کا یہی مرکزی موضوع ہوتا ہے اور اسی محور کے گرد ان کا کلام طواف کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو انبیاء اور مرسلین کے کلام اور دیگر شعراء کے کلام میں ظاہر ہوتا ہے اور یہی وہ ”چیز“ ہے جو الہام حضرت اقدسؑ میں بیان ہوئی ہے۔
دوبارہ سن لیں۔

”در کلام تو چیز است کہ شعراء را در آں دخل نیست“

ترجمہ:- تیرے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جو دیگر شاعروں کو عطا نہیں ہوئی

یہ جو کہا گیا کہ محبت الہی اور احکام الہی کی ترسیل کے مضامین کو مستقل اختیار کرنے میں حضرت اقدسؑ کی ایک منفرد اور ممتاز ہستی ہے اس سے صرف یہ مراد ہے کہ دنیوی شعراء کے مقابل پر ایسا ہے۔
وگر نہ حق تو یہ ہے کہ اس منفرد نوعیت کا کلام تو تمام انبیاء اور مرسلین کا مجموعی ورثہ ہے اور ایسا وراثتی انعام ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر آدم ثانی یعنی حضرت اقدسؑ تک درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا ہے۔

حضرت ایوبؑ کی رگریہ وزاری اور حضرت داؤدؑ کے مزامیر اور حضرت سلیمان کی امثال اور غزل الغزلات اور اُس سے بڑھ کر ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم۔ یہ سب ادبی شاہکار ہیں۔ اپنی ہیئت میں آج کے شعری اسلوب سے قریب تر بلکہ شعر ہی ہیں۔

شعر کی تعریف میں مخصوص اوزان اور بحر کی قید اور ارکان افاعیل کی ایجاد بعد کی ہے۔ اساتذہ شعر و ادب نے بھی اس شرط کو ہر مقام پر قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ قرآن کریم تو اس شرط کو یکسر قبول نہیں کرتا۔ قرآن کا ایک اپنا زیروم اور آہنگ ہے جو بہت دل پذیر ہے۔ قرآن کریم جہاں پر عقلی استدلال اور علمی تعلیم و تدریس بیان فرماتا ہے وہاں نثر کا انداز ہے اور یہی نثر کا منصب ہے۔ اور جس مقام پر باری تعالیٰ اپنی ذات و صفات کی عظمت و جلال اور اپنا حسن و جمال بیان فرماتا ہے۔ وہاں پراس کا طرز بیان شعری اسلوب پر ہے کیونکہ قلب و روح کی تسخیر اور عشق کے جذبے اسی سے زندہ ہوتے ہیں یہی وہ اسلوب ادب عالیہ ہے جس وجہ سے وہ بے مثل ہونے کا مدعی ہے۔

زُمرہ انبیاء کے کلام کے موضوعات کی یہ بنیادی خصوصیت درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی ہمارے آقا اور مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کامل نور اور حُسن و جمال کیساتھ جلوہ نما ہوتی ہے اس کامل تجلّی نور کے بیان میں حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

ہر رسول آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مہر انورے
 ہر رسول سچائی کا سورج تھا۔ ہر رسول روشن آفتاب تھا
 ہر رسولے بود ظلّے دیں پناہ ہر رسولے بود باغِ مُثمرے
 ہر رسول دین کو پناہ دینے والا سایہ تھا اور ہر رسول ایک پھلدار باغ تھا
 آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند متحد در ذات و اصل و گوہرے
 وہ سب ایک سپی کے سوموتی ہیں۔ جو ذات اور اصل اور چمک میں یکساں ہیں
 اوّل آدمِ آخرِ شاں احمدست اے خنک آں کس کہ بیند آخرے
 اُن میں پہلا آدم اور آخری احمد ہے۔ مبارک وہ جو آخری کو دیکھ پائے
 انبیاء روشن گہر ہستند لیک ہست احمد زان ہمہ روشن ترے
 تمام نبی روشن فطرت رکھنے والے ہیں۔ مگر احمد اُن سب سے زیادہ روشن ہے۔

اب دیکھ لیں سب انبیاء آفتابِ صدق یعنی محبوبِ حقیقی کے مظہر ہوتے ہیں اور دین اور روحانیت ان کے موضوعات ہوتے ہیں اور ان عنوانات میں وہ سب مشترک اور ہم زبان ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مثیل اور مہدی آخر زمان تک قائم و دائم رہتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ محبوبِ حقیقی کی ذات و صفات اور اس کے عشق کے بیان میں آنحضرت کے فرمودات دیگر انبیاء سے روشن تر اور خوب تر ہیں۔

آپ حضرت نے اردو میں ہی اس مضمون کو بہت پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا

نام اُس کا ہے مُحَمَّدٌ دل بر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر

لیک از خدائے برتر خیر الوری یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے

اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجلی یہی ہے

وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلین ہے

وہ طیب و امین ہے اس کی ثناء یہی ہے

محبت الہی اور عشق رسول اکرمؐ کے اساسی موضوعات پر ہمارے پیارے امام آخِر زمان کا یہ کلام بھی سُن لیں اور مشاہدہ کریں کہ ان موضوعات سے ان کا کیسا اتحاد جسم و جان ہے۔ محبت الہی کے بیان میں فرماتے ہیں:

پُر زَنُورِ دِلِستَاں شَد سَیْنِه ام شَد ز دِستِ صَیْقِلِ آئِنِه ام

محبوب کے نُور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا

پیکرِ مُہدِ پیکرِ یارِ ازل کارِ من شد کارِ دلدارِ ازل

میرا وجود اُس یارِ ازل کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہو گیا

بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من بوائے یارِ آمد ازیں گلزارِ من

چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی

نورِ حق دارِیم زیرِ چادرے از گریبانم برآمد دلبرے

ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر مرے گریبان میں سے نکلا

اَحْمَدِ آخِرِ زَمَانِ نامِ من است آخِرِینِ جَمَعِ ہمِینِ جامِ من است

”احمدِ آخرِ زماں“ میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دنیا کے لیے) آخری جام ہے

اور عشقِ رسول اکرمؐ کی کیفیت کو بھی مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں:

ہم چنیں عشقم بروئے مصطفےٰ دِل پَد چوں مُرغِ سَوئے مُصطفےٰ

ایسا ہی عشق مجھے مصطفےٰ کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفےٰ کی طرف اڑ کر جاتا ہے

تا مرا دادند از حسنش خبر شد دلم از عشقِ او زیر و زبر

جب سے مجھے اُس کے حسن کی خبر دی گئی ہے۔ میرا دل اُس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے

مخوروئے او شد است این روئے من بوائے او آید ز بام و کوائے من

یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آ رہی ہے

بسکہ من در عشق او ہستم نہاں من ہانم - من ہانم - من ہاں

از بسکہ میں اُس کے عشق میں غائب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔

اس مقام تک تو یہ بات ہوئی ہے کہ حضرت اقدس کے کلام کی تخلیق کاملہ و کلیۃ الہیات کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہے اور ان مضامین کا مرکزی نقطہ اور محور محبت الہی اور عشق رسول اکرم ہے۔ یعنی آنحضرت کے نائب کے طور پر ابلاغ کرنا۔ مگر جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا تھا کہ حضرت اقدس کے موضوعات شعری تمام تر قرآن کریم کے موضوعات ہیں۔ اس لیے ہم مختصر آدو بنیادی فرمودات قرآن پیش کرتے ہیں۔ اول تو وہ فرمانِ خداوندی ہے جو ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا کہ:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لَا شَرِيكَ لَهُ
وَ بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (انعام: 164، 163)

حضرت اقدس ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اُن کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش میری جد و جہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لیے ہے۔ اور اس راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے“
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

”یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا میں گم اور محو گئے تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفس اور آپ کی موت محض اللہ کے لیے ہو گئی تھی۔“
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَاعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ... إِلَى الْآخِرِ (محمد: 20)

”کلمہ جو ہم ہر روز پڑھتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ کلمہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود اور مقصود خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں“ اللہ“ کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کے لیے آتا ہے۔ یہ کلمہ قرآن شریف کی ساری تعلیم کا خلاصہ ہے“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کر لیں کہ قرآن کریم کا وہ موضوع جس پر اس کی تعلیم کی اساس ہے وہ محبت الہی ہی ہے۔ اب ایک ارشادِ خداوندی ابلاغ رسالت کے موضوع پر بھی سن لیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ ہود میں فرماتا ہے:

كَيْتَبَ أَحْكَمْتَ آيَتَهُ ثُمَّ فَصَلْتَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَيْرٍ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ
إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ

(ہود: 2, 3)

وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ... إِلَى الْآخِرِ

(ہود: 4)

حضرت اقدس ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یعنی اس قدر تفصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے اَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ... خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”چونکہ یہ تعبد تام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اسوہ حسنہ اور نمونہ کاملہ اور کسی قوت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

(ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ.....) کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

”یعنی خدا کی طرف رجوع کرو“ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ سب ارشادِ قرآنی ابلاغ رسالت کے مضمون میں ہے کہ اس موضوع کے مطابق ابلاغ رسالت ہو۔

اس مقام تک تو موضوعات کلام حضرت اقدس کے تین بنیادی موضوعات کا ذکر ہوا ہے تین ایسے موضوعات جو قرآن کریم کے اتباع میں اور خدا کے حکم کی بجا آوری میں آپ نے اختیار فرمائے ہیں اور دراصل انہی موضوعات کے تحت دیگر تمام موضوعات حضرت اقدس آتے ہیں

اول خدائے واحد کی محبت۔

دوم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت۔

سوم۔ آنحضرت کے مثل اور نائب ہونے کے اعتبار سے بشیر و نذیر بن کر ابلاغ رسالت۔

چہارم درجہ پر مناجات اور دعا جیسا کہ وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ کا فرمان ہے۔ ان تمام

مضامین کو آپ نے ان دو اشعار میں بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ جیسے فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشقِ محمد مُشْرَمِ گَر کفر ایں بود بخدا سخت کافرَم
 خدا کے بعد میں محمدؐ کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں
 جانم فدا شود برہ دینِ مصطفےٰ این است کامِ دل اگر آید میسرَم!
 میری جان مصطفےٰ کے دین کی راہ میں فدا ہو۔ یہی میرے دل کا مدعا ہے کاش میسر آجائے
 اس مقام تک جو بیان ہو چکا ہے وہ اس طرح سے ہے کہ حضرت اقدسؑ کے موضوعات کلامِ خالصہ اور کلیئہ
 خدا تعالیٰ کے حکم اور منشاء کے مطابق ہیں اور یہ کہ صرف حضرت اقدسؑ ہی نہیں بلکہ تمام مرسلین باری تعالیٰ کے
 موضوعات کلام اسی محور کے گرد گھومتے ہیں اور کیونکہ خدا تعالیٰ کا منشاء کامل اور آخری اظہار قرآن کریم ہے
 اس لیے قرآن کریم کے فرمودات کو بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ آپ حضرتؑ کے بنیادی موضوعاتِ شعری چار ہیں۔

(۱) محبتِ الہی۔ (۲) عشقِ رسولؐ (۳) ابلاغِ رسالت (۴) مناجات

یہ آپؐ کے کلام کے سرخیل ہیں اول تو یہ کہ آپؐ نے تینوں زبانوں میں ان موضوعات پر کثرت سے کلام
 کیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر یہ موضوعات نہ بھی ہوں تو کسی نہ کسی طور سے آپؐ کے کلام میں یہ عنواناتِ شعر
 نقاب کشا ہو جاتے ہیں۔

آپؐ کے کلام کی یہ ایک دل فریب ادا ہے۔ محبتِ الہی۔ عشقِ رسولؐ۔ ابلاغِ رسالت اور مناجات کی آپؐ سے
 کچھ ایسی وابستگی ہے کہ موضوع کوئی بھی ہو یہ عنواناتِ شعر چہرہ نما ہو جاتے ہیں۔
 کسی نے بہت خوب کہا ہے:-

ما طفلِ کم سواد سبقِ قصہ ہائے دوست صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

ترجمہ:- ہم ایسے کم ہنر شاگرد ہیں کہ دوست کی کہانی سو بار پڑھنے کے باوجود اس کو پھر سے شروع

کر دیتے ہیں۔ (”کم سواد“ سے مراد عاشقِ زار ہے کہ محبوب کا ذکر بار بار کرنا چاہتا ہے)

مگر ان اشعار سے بہت بہتر اور واضح حضرت اقدسؑ کا شعر ہے فرماتے ہیں۔

عاشقِ زار در ہمہ گفتار سخن خود کشد بجانب یار

ترجمہ:- عاشقِ زار اپنی ہر گفتگو کو محبوب کے ذکر کی طرف پھیر لیتا ہے۔

بات حضرت اقدسؑ کے بنیادی موضوعاتِ شعری کی ہو رہی تھی کہ ان موضوعات پر حضرت کے سرمایہ

شعری کی اساس ہے۔ مگر اس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ آپ حضرت کے دیگر موضوعاتِ شعر کم اہمیت

رکھتے ہیں البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے دیگر تمام موضوعات ان ہی بنیادی موضوعات کے ذیل میں آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ الہیات ایک مربوط موضوع علم و ادب ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات و صفات اس کی تجلیات کے تمام مظاہر اس کی تخلیق اس کے دائرہ ادب میں آتے ہیں۔ ان سب کا باہم ایک رابطہ ہے جیسے ایک زنجیر کی کڑیاں ہوں اور زنجیر عروہ و ثقی سے منسلک ہو۔

اس لیے حضرت اقدس کے تمام عنوانات شعر ایک ہستی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ان کا محبوب حقیقی ہے یعنی باری تعالیٰ عز و جل۔ آپ حضرت نے اس مضمون کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

چشمِ مستِ ہر حسین ہر دم دکھاتی ہے تجھے

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

اور فارسی میں اس حقیقت کو بے انتہا درد کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ہر سوی و ہر طرف رخ آں یار بنگرم

آں دیگرے کجاست کہ آید بخاطرم

ترجمہ: میں ہر طرف اور ہر جانب اُس یار کا چہرہ دیکھتا ہوں۔ پھر اور کون ہے جو میرے خیال میں آئے۔ اور افسوس سے کہتے ہیں:

اے حسرت ایں گروہ عزیزاں مرا ندید

وقتے بہ بیندم کہ ازیں خاک بگذرم

ترجمہ: افسوس کہ عزیزوں نے مجھے نہ پہچانا۔ یہ مجھے اس وقت جانیں گے جب میں اس دُنیا سے گزر جاؤں گا آپ حضرت کے بنیادی موضوعات کے ذیل میں جن عنوانات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلامی ادب میں ان کی ایک نادر و منفرد مثال ہے۔

اڈل اس اعتبار سے کہ کسی شاعر اور ادیب نے ان موضوعات کو اپنے کلام کے لیے اختیار نہیں کیا۔ عربی۔ فارسی اور اردو کے سرمایہ ادب کی چھان بین کر کے دیکھ لیں کہ ان موضوعات پر کسی کے دل میں وہ تڑپ اور محبت پیدا نہیں ہوئی جو ایک جذبے کو شعر کی صورت دینے کا باعث ہوتی ہے۔

ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ کسی ادیب کو دین اسلام کے احیاء کی خدمت کا منصب عطا نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی ایسا قرب و لقاء باری تعالیٰ تھا کہ وہ ان مضامین کو اپنے دل و جان پر وارد کر کے حکم خداوندی کی بجا آوری میں نغمہ سرائی کرتا۔

ان موضوعات میں سب سے اوّل تو نعتِ قرآن کریم ہے کہ اسلامی ادب میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا اگر کسی نے کچھ کہا ہے تو وہ بھی برسبیل تذکرہ کہا ہے اپنے کلام کا موضوع نہیں بنایا۔ جیسے حالی نے منصب رسول اکرمؐ کے بیان میں کہہ دیا۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہٴ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
اچھی بات ہے مگر برسبیل تذکرہ ہے اور قرآن کریم کی عظمت کو قدرے تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ اختصار مطلوب ہے۔ اس طور پر مسلمان شاعروں میں ایک دو شعر مل جائیں گے اور بس۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

سر سری اُن سے ملاقات تھی گا ہے گا ہے صحبتِ غیر میں گا ہے سر راہِ گا ہے
مگر دوسری طرف حضرت اقدسؐ کو دیکھو کہ قرآن کریم کی محبت اور عظمت کے بیان میں آپ ایک عاشق کی طرح سے رطب اللسان اور کثیر البیان ہیں۔ آپ نے کتنی سچی بات کی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
اور فرماتے ہیں

زِ عَشاقِ فرقان و پیغمبریم بدیں آدمیم و بدیں بگذریم
ہم قرآن اور آنحضرتؐ کے عاشقوں میں سے ہیں اسی پر ہم آئے ہیں اور اسی حالت میں گذر جائیں گے۔
دوسرا موضوع شعر جو اسلامی ادب میں ناپید ہے وہ ”صدافت اور حمایتِ دینِ اسلام“ ہے اگر چند اشعار کہیں ملتے ہیں تو مسدس حالی میں مگر وہ بھی بنیادی طور پر قومی اور ملی گم گشتہٴ عظمت و شان کا نوحہ ہے یہ بات تو درست ہے کہ حالی حقیقی تعلیمِ اسلام کو فراموش کرنے کو اور اسوۂ رسول اکرمؐ سے بے اعتنائی برتنے کو، یہ ملی اور قومی انحطاط و شکست کا موجب سمجھتے تھے مگر انہوں نے قرآن کی صداقت اور اس کی تعلیم کی عظمت کو ایک موضوع کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ چند اشعار سن لیں:

نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی نہ اس میں ہے اسلام کی شان باقی
نہ وہ جاہ و حشمت کے سامان باقی پر اس حال میں بھی ہے اک آن باقی

بگڑنے کا گوان کا وقت آ گیا ہے
مگر اس بگڑنے میں بھی اک ادا ہے

آپ دیکھ لیں حالی اسلام کی شان کو دنیا کی جاہ و حشمت کا حصول سمجھتے ہیں یا اگر بہت نرمی سے تجزیہ کیا جائے تو دنیا میں اقتدار اور بادشاہت کے ختم ہونے کو اسلامی تعلیم سے دور ہونے کی وجہ گردانتے ہیں۔ دوسری طرف نگاہ کریں کہ حضرت اقدس دین اسلام کو قرب الہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسی میں اس کی شان اور عظمت گردانتے ہیں۔ فرمایا:

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدٰی یہی ہے
 اے سونے والو جاگو نمش الضحٰی یہی ہے
 ملتی ہے بادشاہی اس دیں سے آسمانی
 اے طالبانِ دولت ظلّٰ ہما یہی ہے
 سب دیں ہیں اک فسانہ شرکوں کا آشیانہ
 اس کا ہے جو یگانہ چہرہ نما یہی ہے
 اب دیکھ لیں کہ دونوں نظریات میں کس قدر تفاوت راہ ہے۔

آپ حضرت کا تیسرا اور چوتھا موضوع شعر جو کہ اسلامی ادب میں بے نام و نشان ہے ان کے عنوان ”نعت صحابہ کرام“ اور ”ضرورت الہام“ ہے۔
 اوّل تو موضوعاتِ شعری میں ”بعدا از تلاش بسیار“ چند اشعار مل جاتے ہیں تو ان دو عنوانات میں تو وہ بھی دستیاب نہیں۔

اس کی حقیقی وجہ تو یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی فدائیت اور عشقِ رسول اکرمؐ کی حقیقی عظمت کا شعور اسی کو ہو سکتا ہے جو رسول اکرمؐ پر اسی طور سے جان و دل نثار کرتا ہو جیسے کہ آپ کے صحابہ کرتے تھے۔ جیسے فرمایا۔
 مسیح وقت اب دنیا میں آیا خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
 مبارک وہ جواب ایمان لایا صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
 وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی

فسیحان الذی اخذی الاعادی

اگر نعتِ صحابہؓ ادب میں مفقود ہے تو ضرورت الہام کا عنوان تو یکسر اور یک قلم ناپید ہے۔ ایسا ہونا لازم ہی تھا۔ کیونکہ الہام الہی کی عظمت اور شان کو اور اُس کی برکت سے تسکین اور یقینِ کامل کی کیفیات کو وہی بیان کر سکتا ہے جو صاحبِ وحی والہام ہو اور صرف صاحبِ وحی اور الہام ہی نہیں بلکہ جس کو حضرت اقدس کی طرح سے

کثرت مکالمہ و مخاطبہ باری تعالیٰ نصیب ہو۔ اور جو اس طور سے عاشقِ محبوبِ حقیقی ہو کہ ہمہ وقت حسن و جمال یار کے آثار کا متلاشی ہو

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

ہم نے حضرت اقدس کے تمام موضوعاتِ شعری کو بیان نہیں کیا آئندہ میں وہ عنوانات اپنے مقام پر آئیں گے اس وقت حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعری کے بنیادی عناصر کو بیان کر کے چند ایک ایسے موضوعات بیان کیے ہیں جو اسلامی ادب میں یکسر ناپیدا اور بے نام و نشان ہیں۔

ایسا ہونا بھی لازم تھا کیونکہ ان موضوعات کی تخلیق کے لیے ایک ایسی ہستی کے ظہور پُر تُوُر کی ضرورت تھی جو ان کیفیات اور مشاہدات کا مورد اور واصل ہو مگر تسلسل بیان میں اس حقیقت کا اظہار بھی واجب ہے کہ اسلامی ادب میں ان شعری عنوانات کے نوادرات کو شامل کرنا آپ حضرت کا اسلامی ادب پر ایک عظیم احسان ہے۔ اسلامی ادب کے لیے یہ ایک صرف اضافہ ہی نہیں بلکہ صداقت دین اسلام کے ثبوت فراہم کرنے کے اعتبار سے سرمایہ افتخار و عظمت بھی ہے۔

مرسلین باری تعالیٰ کے اختیار کردہ موضوعاتِ کلام کے تعلق میں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ زیر نظر کوشش میں ہم جس مرسلِ خدا مسیحِ دوران اور مہدیِ آخر زمان کے محسناتِ کلام کو پیش کر رہے ہیں وہ اس زمرہٴ مرسلین باری تعالیٰ کی ایک ایسی جلیل القدر ہستی ہے جس کو خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آنحضرتؐ کی وراثتِ عرفانِ الہی بھی نصیب ہے اور جو اس منصب کی برکت کی وجہ سے تمام گذشتہ رسولوں کی روحانی عظمتوں کا حامل بھی ہے۔ جیسے فرماتے ہیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بے من بعرقان نہ مکترم ز کے
 اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفتِ الہی میں کسی سے کم نہیں ہوں
 وارثِ مصطفیٰ شدم بہ یقین شدہ رنگیں برنگِ یار حسین
 میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اور اس حسینِ محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں
 آنچہ داداست ہرنبی را جام داد آں جام را مرا تمام
 جو جام اُس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اُس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے

اس منصبِ عالی کی تصدیق بلکہ ایک اعتبار سے تفصیل میں حضرت اقدس کو اس عظیم الشان الہام باری تعالیٰ

سے نوازا گیا ہے۔

چو دور خسروی آغاز کردند
 مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا گیا
 مقام اُو میں از راہِ تحقیر
 پدورانش رسولان ناز کردند
 اس کے درجہ کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھ کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے



حضرت اقدس کا ادب تین زبانوں میں اور اساتذہ ادب سے تقابل

قبل میں بہت مرتبہ کہا گیا ہے کہ حضرت اقدس کا ادب حکم خداوندی کی بجا آوری میں ابلاغ رسالت کی غرض سے صادر ہوا ہے۔ دراصل ابلاغ رسالت ہی وہ منبع ہے جس کے دہن سے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور اپنی اطاعت اور محبت کی تعلیم و تربیت جاری فرماتا ہے۔

قرآن میں مرسلین کو یہ حکم بار بار ہوا ہے کہ:

بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ (المائدة: 68)

ترجمہ: جو تجھ پر نازل ہوا ہے اس کا ابلاغ کر

اور مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلِّغُ (المائدة: 100)

ترجمہ: رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہی فرض ہے

یہ ابلاغ ان کے ذاتی منصب کا نہیں ہوتا۔ بلکہ پیغام کی ترسیل کو بہترین انداز میں پیش کرنے کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مرسلین کے بارے میں فرمان قرآن ہے۔

مَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: 4,5)

یعنی انبیاء کا نطق و کلام ان کی ذاتی تمناؤں کے اظہار میں نہیں ہوتا بلکہ وحی الہی کے تحت اللہ تعالیٰ کے فرمان

کے مطابق اور اس کی نگرانی میں جاری ہوتا ہے اس مضمون کو حضرت اقدس نے کس قدر خوبی سے بیان فرمایا ہوا ہے۔

مامورم و مراچہ دریں کار اختیار
رو این سخن بگو بخدا و عد امرم!

میں تو مامور ہوں مجھے اس کام میں کیا اختیار ہے جا! یہ بات میرے بھیجنے والے خدا سے پوچھ

حکم است ز آسماں بز میں میر سنا منمش
گر بشنوم گلو نیمش آں را گجا برم

آسماں کا حکم میں زمین تک پہنچاتا ہوں۔ اگر میں اُسے سنوں اور لوگوں کو نہ سناؤں تو اُسے کہاں لے جاؤں

من خود گلویم اینکہ بلوچ خدا ہمیں است
گر طاقت ست محوگن آں نقش داورم

میں خود یہ بات نہیں کہتا بلکہ لوح محفوظ میں ہی ایسا لکھا ہے اگر تجھ میں طاقت ہے تو خدا کے لکھے

ہوئے کو منادے۔

آپ مشاہدہ کر لیں کہ مرسلین باری تعالیٰ کا منصب ادبی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان کی نگارشات

لوح محفوظ کے مندرجات ہوتے ہیں۔

عربی میں فرماتے ہیں:

وَمَا قُمْتُ فِي هَذَا الْمَقَامِ بِمُنِيَّتِي وَيَعْلَمُ رَبِّي سِرَّ قَلْبِي وَيَشْعُرُ

اور میں اس مقام میں اپنی خواہش سے کھڑا نہیں ہوا۔ اور میرا خدا میرے دل کے بھید کو جانتا ہے۔

وَكُنْتُ امْرَأً أَبْعَى الْخُمُولَ مِنَ الصَّبَا مَتَى يَأْتِنِي مِنْ زَائِرِينَ أَصْعُرُ

اور میں ایک آدمی تھا کہ بچپن سے گوشہ گزینی کو دوست رکھتا تھا۔ جب کوئی ملنے والا میرے پاس

آتا تو میں کنارہ کش ہو جاتا

فَأَخْرَجَنِي مِنْ حُجْرَتِي حُكْمَ مَا لِكِي فَقُمْتُ وَلَمْ أُعْرِضْ وَلَمْ أَتَعَدَّرْ

پس مجھے حجرہ میں سے میرے مالک کے حکم نے نکالا۔ پس میں اٹھا۔ اور نہ میں نے اعراض کیا

اور نہ تاخیر کی

وَلِلَّهِ سُلْطَانٌ وَحُكْمٌ وَشَوْكَةٌ وَنَحْنُ كُمَاةٌ بِالْإِشَارَةِ نَحْضُرُ

اور خدا کے لیے تسلط اور حکم اور شوکت ہے۔ اور ہم وہ سوار ہیں جو اشارہ پر حاضر ہوتے ہیں

اور اردو میں فرماتے ہیں۔

ابتدا سے گوشہ خلوت رہا مجھ کو پسند

شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار

پر مجھے تُو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا

میں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار

اس میں میرا جرم کیا جب مجھکو یہ فرماں ملا

کون ہوں تارڈ کروں حکمِ شہِ ذی الاقدار

اب تو جو فرماں ملا اس کا ادا کرنا ہے کام

گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتوان و دلفگار

دیکھ لیں کہ حضرت اقدس کا کلام کس قدر حکم الہی کے تحت ہے۔

ان مشاہدات کی روشنی میں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ گذشتہ میں جو آپ حضرت کے موضوعاتِ شعری

بیان ہوئے ہیں وہ بھی دراصل آپ کی سوچ و پچار اور ذاتی ترجیحات کی بنا پر قائم نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کا پیغام

پہچانے کی غرض سے ظہور میں آئے ہیں۔

ادب مرسلین کی تخلیقی نوعیت کے تعلق میں یہ گذارشات دراصل قرآن کریم کے فرمان کی تفسیر اور تصدیق ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تَوَمَّنُونَ. وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكَّرُونَ. تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (الحاقة: 41 تا 44)

یعنی یہ کہ انبیاء کا کلام شاعر کا کلام نہیں ہوتا۔ نہ ہی کہانت ہوتی ہے۔ یہ تو ایک حکمِ خداوندی ہوتا ہے ”تنزیل“ اس مقام پر ”پیغام“ کے معنوں میں آیا ہے اس طرح سے کہہ لو کہ انبیاء کا کلام شعر تو ہوتا ہے مگر قول شاعر نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاعر کا کلام اس کے تخیل اور ذاتی جذبے سے ہوتا ہے اور مرسلین کا کلام ”تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ“ ہوتا ہے (الحاقة: 44)

یعنی اگر کوئی شعر خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے نازل ہو وہ ”قول شاعر“ نہیں ہوگا۔ یہی وہ بات ہے جو حضور نے ان تینوں زبانوں کے اشعار میں بیان کی ہے۔ آپ حضور نے ”تنزیل“ کو فرمانِ الہی کے معنوں میں بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء کا منظوم کلام شعر تو ہوتا ہے مگر قول شاعر نہیں ہوتا۔ ایک بار پھر سن لیں۔

اب تو جو فرماں ملا اسکا ادا کرنا ہے کام

گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتوان و دلفگار

اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ آپ حضرتؐ نے کبھی تاکید اور توجہ سے شعری ادب کو پیش نہیں کیا تو بالکل درست ہوگا کیونکہ آپ کا کلام ایک پیغامِ رسانی ہے اور حکمِ الہی کے تحت ہے۔

چنانچہ آپ کا ادبی سرمایہ کسی ادبی منصب کے اظہار کے لیے تخلیق نہیں ہوا بلکہ حکمِ خداوندی کی بجا آوری کے لیے تشکیل پایا ہے۔ اور اگر یہ فرض ادا ہو جاتا ہے تو مزید کوئی مطلوب اور مقصود نہیں ہوتا۔ اس امر کے اظہار کے لیے آپؐ فرماتے ہیں۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

کس قدر سادہ اور سلیس اور عام فہم بیان ہے۔ (اس کو ادب میں ”سہل ممتنع“ کہتے ہیں) اور موقع اور محل بھی ایسا ہی تھا کیونکہ مقصود بیانِ شعری تکلفات سے صرف نظر کرنا تھا۔ اس لیے شعر کو شعری نزاکتوں سے دور ہی رہنا چاہیے تھا۔

شعر کوئی بغرض شعر و شاعری سے انکار ہے۔ اس لیے کہ شعر کوئی ایک ہنر اور فن ہے اور آپؐ حضرتؐ کوئی فنی

معجزہ دکھانا نہیں چاہتے اس لیے ڈھب کا لفظ استعمال کیا ہے ”ڈھب“ اردو زبان میں کسی فریضے کے قرینے سے ادا کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی جس سے مطلب پورا ہو جائے۔

خواجہ میر درد نے کیا خوب کہا ہے۔

میں نے تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات

وہ مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

یعنی میری نظروں نے میرا پیغام پہنچا دیا۔

آپ کا یہ فرمان تو ہے کہ شعر گوئی میں آپ کا مقصد شعر و شاعری نہیں ہے۔ مگر اس حقیقت کو کیسے فراموش کیا جائے کہ جن زبانوں میں آپ نے شعر کہے ہیں وہ ان زبانوں کے اسلوب کی مکمل پاسداری کے ساتھ کہے ہیں۔ اور ایک صاحب زبان کی تمام لسانی خوبیوں اور ادبی حسن و جمال کیساتھ کہے ہیں۔

آپ حضرت کا تین زبانوں کی مختلف اقدار ادب اور اسالیب بیان کی مطابقت میں کلام کرنا اور اس طرح سے کلام کرنا کہ آپ ان زبانوں میں اجنبی نہیں بلکہ اہل زبان معلوم ہوں۔ اور پھر ایسا ہو کہ آپ کے اختیار کردہ موضوعات میں تینوں زبانوں کا کوئی بھی ادیب اور شاعر آپ کے حسن بیان کے مقابل پر دم نہ مار سکے ایک عظیم الشان ادبی معجزہ ہے ایک ایسا معجزہ جس کو ”تنزیل“ کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وہ بات ہے جو گذشتہ میں کہی جا چکی ہے۔ آپ حضرت فرماتے ہیں:-

چوں حاجتے بود با دیبِ دگر مرا

من تربیت پذیر ز رب مہم نم

ترجمہ: مجھے کسی اور استاد کی ضرورت کیوں ہو۔ میں تو اپنے خدا سے تربیت یافتہ ہوں

اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے اس میں تکرار بھی ہے اور قدرے طوالت بھی مگر شعر و سخن کے محاسن کی تلاش میں ہر راہ گذر اسی ایک محبوب منزل کی طرف لوٹ آتی ہے اور محبوب کے محسنات ادبی کا ذکر ہو تو کیونکر طویل نہ ہو۔

حدیثِ دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد دگر از سر گرفتہ قصہ زلفِ پریشان را

یہ دل کو بلھانے والی بات ہے اس لئے بات سے بات نکلتی ہے۔ اس لیے میں نے پھر سے محبوب کی

زلف پریشاں کا ذکر چھیڑ دیا ہے۔

در اصل گذشتہ میں جو کہا گیا ہے وہ حضرت اقدس کی اس منفرد اور ممتاز ادبی شان کے تعارف کے طور پر ہے کہ ابلاغ رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے تعلق میں حضرت اقدس کا ایک منفرد مقام ہے۔ وہ ایسے کہ دیگر

تمام مرسلین باری تعالیٰ نے ابلاغ رسالت کی خدمت اپنی قومی اور مادری زبان میں ادا کی ہے زمرہ مرسلین علیہم السلام میں حضرت اقدس علیہ السلام کی ایک واحد شخصیت ایسی ہے جس نے ایک زبان سے زائد زبانوں یعنی تین زبانوں میں اس خدمت عالیہ کو سرانجام دیا ہو۔ (اردو۔ فارسی اور عربی)

ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ان تینوں زبانوں کے GENIUS یعنی روح رواں اور کلاسیکی معیار کو صرف برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس کو مزید وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ ہر زبان کی روح اور انتخاب الفاظ کو ملحوظ خاطر رکھنا اور تینوں زبانوں کے مزاج اور معنوی اسلوب کی پاسداری کرتے ہوئے اپنا ادب عالیہ تخلیق فرمایا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ مرسل اپنی قومی زبان میں ہی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ... (الخ) (ابراہیم: 5)

(اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا ہے۔ تاکہ وہ انہیں ہماری باتیں کھول کر بتائے) اور حضرت سے قبل ایسا ہی ہوتا رہا۔ مگر حضرت اقدس کی بعثت کیونکہ رسول اکرمؐ کی امت کے مہدی اور مسیح کے طور پر تھی اور آپ نے امت محمدیہ کی اصلاح احوال کرنی تھی اور اُس کو دوبارہ صحیح اسلام پر لانا تھا اور اسوۂ رسول اکرمؐ کو زندہ کرنا تھا۔ مگر وہ امت آپ کے وقت تک تین زبانوں میں پھیل چکی تھی یعنی عربی۔ فارسی اور اردو۔ اس لیے گویا ایک امتیازی اور منفرد خصوصیت ہے مگر درحقیقت اپنے آقاؐ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی پاسداری میں عطا ہوئی ہے اور اس واقعاتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آپ حضرت کو تین زبانوں پر قدرت عطا کی گئی ہے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اقدس اپنے الہامات کی عربی زبان میں نازل ہونے کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

اس کا اصل سر یہ ہے کہ صرف تعلق جنلانے کی غرض سے عربی الہامات ہوتے ہیں کیونکہ ہم تابع

ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ عربی تھے۔ ہمارا کاروبار سب ظلی ہے اور خدا کے لیے ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 597۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اور فرماتے ہیں:

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوا تھا کہ کسی اور زبان میں الہام

کیوں نہیں ہوتا تو آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے فارسی زبان میں الہام کیا

”اِس مَشْت خَاکِ رَا گر نہ بَخَشْتَم چہ کَنَم“

(ترجمہ: اس مٹی بھر خاک کو اگر معاف نہ کروں تو کیا کروں)

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 598۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

آپ حضور اس الہام کے باطنی عرفان کو بیان کرتے ہوئے معنی کرتے ہیں
 ”آخر کار خدا کی رحمت کا روبرو کرے گی“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 598۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اب دیکھ لیں کہ آپ حضرت اقدس نے کس وضاحت سے آیت کریمہ کے رموز کو بیان کر دیا ہے۔
 اوّل یہ کہ آپ جس ہستی کے تابع ہیں اُسی کی قوم اور اُمت کو تبلیغ رسالت کرنا آپ کے ذمہ ہے کیونکہ
 آنحضرت کی اُمت کا کثیر حصہ تین زبانوں میں وسعت اختیار کر گیا ہے اس لیے درحقیقت یہ تینوں زبانیں
 بولنے والے آپ ہی کی قوم ہیں۔

دوم یہ کہ اس وجہ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین زبانوں پر قدرت عطا کی تاکہ آپ ”لِتُبَيِّنَ لَهُمْ“ کا فریضہ ادا
 کر سکیں جب کہ ہم نے کہا ہے کہ یہ خصوصیت اور قدرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا تین زبانوں
 میں وسعت پذیر ہونے کی بنا پر ہے مگر اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ عنایات خاص ایک علمی اور ادبی
 عظمت و شان (کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی معجزنمائی بھی ہے۔

اس مضمون میں حضرت اقدس کا بیان بھی ہے مگر اس خیال سے کہ اوّل آپ کی تین لسانی عظمت کی وضاحت
 میں کچھ بیان آجائے اور پھر حضرت اقدس کا بیان درج ہو، تاکہ یہ حقیقت بھی کھل جائے کہ اسلامی زبانوں میں
 ابلاغ رسالت کرنا ایک القاء باری تعالیٰ یعنی حکم الہی تھا جس کو آپ نے کمال خوبی کے ساتھ سرانجام دیا۔ آپ انجام
 آتھم میں علماء و مشائخ ہند کے نام عربی میں ایک مکتوب تحریر فرما کر اس امر کی وضاحت فرماتے ہیں۔

ولما كان المقصد ان يتبين الحق الذي جئنا به لِكُلِّ تقى وسعيد من قريب
 وبعيد. ألقى في روعى ان اكتب هذا المکتوب فى العربية و ترجمه
 بالفارسية و ارعى النواظر فى النواضر الاصلية و اوسع التبليغ باللسن
 الاسلامية ليكون بلاغا تاما للطالبين.

وہر گاہ کہ مقصود ایں بود کہ برہر پرہیزگارے و نیک نہادے آن امر حق ہویدا گردد کہ ما
 آوردیم گوآں مرد از سر زمین قریب باشد یا از بعید لہذا در دلم انداختہ شد کہ ایں مکتوب را در زبان
 عربی بنویسم و ترجمہ آں در فارسی کنم و نظارگیاں را در چراگاہ اصلی سیر کنانم و بزبان ہائے
 اسلامیان تبلیغ را وسیع کنم تا برائے طالبان ایں تبلیغ بمرتبہ کمال رسد۔

ترجمہ از مرتب: در اصل مقصد یہ تھا کہ ہر نیک نہاد پرہیزگار پر یہ حقیقت واضح ہو جائے
 (خواہ وہ انسان قریب کی سر زمین یا بعید کی سر زمین کا باشندہ ہو)۔ اس لیے میرے دل میں

القاعِ ربّانی ہوا کہ میں اس مکتوب کو عربی میں تحریر کروں۔ اور اس کا ترجمہ فارسی میں کروں۔ اور دیکھنے والوں کو اصلی حقیقت سے آگاہ کروں اور اسلامی زبانوں میں اپنی تبلیغ کو وسیع کروں تاکہ طالبان حق کے لیے یہ تبلیغ مرتبہ کمال تک پہنچ جائے۔

(انجام آہتم، روحانی خزائن، جلد 11 صفحہ 74-75)

ان تینوں زبانوں میں قادر الکلامی کے چند نمونے تو گذشتہ صفحات میں درج ہوئے ہیں مگر بات کیونکہ تینوں زبانوں کے مختلف مزاج اور GENIUS کی ہو رہی ہے اس لیے اس امر کی تصدیق کے لیے ضروری ہے کہ ہم حضرت کے کم از کم ایک موضوع کے تحت تینوں زبانوں کے نمونے پیش کریں۔

اؤّل چند الفاظ میں ہر زبان کے مزاج اور اسلوب کا بیان ہو اور پھر یہ مشاہدہ کروائیں کہ باوجود ہر زبان کا اسلوب بیان مختلف ہونے کے آپ حضرت نے ان زبانوں کے کلاسیکی اسلوب کو اپنالیا ہے۔ اور اہل زبان کی طرح سے کلام تخلیق کیا ہے۔ آپ حضرت کی ان تینوں زبانوں کے اسالیب کی پاسداری کے ثبوت میں ہم نے ادبِ عالیہ کی اُسی قدر کا انتخاب کیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بھی مقصود ادب مرسلین قرار دیا ہے اور زمینی ادیبوں نے بھی اپنے ادب پاروں کا مقصود اور مطلوب کہا ہے۔

یعنی ”ابلاغِ کامل“



اردو زبان میں ابلاغ رسالت

زبان اپنی زندگی کے متعدد نشیب و فراز اور فتح و شکست سے گزرنے کے بعد ہی پختہ اور صیقل ہوتی ہے۔ اردو ایک کم عمر زبان ہے۔ تجرباتی لحاظ سے اس زبان پر گرم و سرد زمانہ کا کوئی طویل عمل نہیں ہوا۔

گویہ بات درست ہے کہ اردو زبان اپنی ابتدائی ساخت میں ہندی زبان یا بھاشا کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہے جو کہ صدیوں سے دہلی اور میرٹھ کی اقوام میں بولی جاتی تھی مگر یہ ایک تاریخی تجزیہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ زبان جو اول بھاشا کی ایک شاخ تھی ہندوستان میں مسلمان سلاطین کی آمد کے بعد اپنی نوعیت اور ساخت میں بالکل تبدیل ہو کر ایک ممتاز اور مستقل زبان کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اسی اثر کی بنا پر اس زبان میں اُس زبان کا عمل دخل ہو گیا جو کہ اس ملک کے حاکم اور بادشاہ تھے یعنی فارسی زبان

یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں اردو ادیب اپنے اشعار میں فارسی تراکیب اور عربی لغت کا جابے جا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر اردو شاعری کی ابتدا امیر خسرو سے کی جائے تو وئی دکنی تک پہنچنے تک اس زبان نے اپنے اسلوب کی کوئی خاص اور منفرد راہ متعین نہیں کی تھی۔ تاہم یہ بات درست ہے کہ وئی دکنی تک پہنچتے پہنچتے اردو ایک زبان کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وئی دکنی کو ریختہ کا بانی مہانی کہا جاتا ہے۔

وئی دکنی ہی کے اتباع میں دہلی اردو زبان کا مکتب سخن بن گیا تھا۔

یہاں پر اردو زبان کے ادب کی تدریجی ترقی بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ اردو زبان اور اردو ادب نے اپنا حقیقی اسلوب میر درد اور میر تقی میر کے وقت میں متعین کیا اور سہل اور سادہ بیان کو اس کا روح رواں بنایا اور اسی روایت ادب اور دستور بیان کو ذوق اور اس کے مکتب شعر کے شاگردوں نے مزید صیقل کر کے فروغ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کے اساتذہ شعر نے میر تقی میر کے اسلوب بیان کو اردو اسلوب شعر کی معراج قرار دیا ہے۔

جیسے غالب نے کہا ہے:

ریختہ کے تمہیں استاذ نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

اور ذوق کو یہ حسرت رہی کہ میر کا انداز نصیب ہو۔

نہ ہو اپر نہ ہو امیر کا انداز نصیب

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

اور قریب کے زمانے میں حالیؒ کو اپنا راہنما کہتے ہیں۔

شاگرد میرزا کا مقلد ہوں میر کا

اور حسرت موہانی کہتے ہیں۔

شعر میرے بھی ہیں پُر درد لیکن حسرت

میر کا شیوہ گفتار کہاں سے لاؤں

جناب میر کے ”شیوہ گفتار“ میں چند شعر بھی سن لیں

مرگ ایک ماندگی کا وقفہ ہے

یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

اور شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے

دل ہوا ہے چراغِ مفلس کا

اور اب کے جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے

دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

اور آخر پر

ہم فقیروں سے کج ادائیگی کیا

آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

یہی وہ سہل اور سادہ زبان ہے جس کو سہل ممتنع کہتے ہیں اور یہی وہ اندازِ بیان ہے جس کی تلاش میں تمام

شعرا ء اور دوسرے گرداں رہے ہیں۔

اس اسلوب پر دو شعرا ایسے بھی سن لیں جن کو غالب جیسے عظیم المرتبت شاعر نے ایسا پسند کیا کہ اپنا دیوان ان پر

نثار کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔

ایک ذوق کا ہے

اب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اور ایک مومن کا ہے۔

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا

اور یہی وہ اسلوب سادہ و سہل ہے جس کو حسرت موہانی نے بہت مشکل سمجھا ہے۔

کہتا ہے زنگینی سخن میں بھی ہے سادگی کی شرط

مشکل ہے اس فریضہ آسان کی احتیاط

یاد آیا کہ یہی اُن کا اندازِ بیان بھی تھا۔

کہتے ہیں ایک ہی بار ہوئیں وجہ پریشانی دل

التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

یہ وہ سادہ اور با محاورہ اسلوب بیان ہے جو اردو زبان کی روح رواں ہے۔

حضرت اقدس نے اردو کی اس روح رواں کی پاسداری میں اپنے اردو کلام میں سادہ اور سہل انداز کو

اختیار کیا ہے اور اپنے کلام کو شعر نہیں کہا بلکہ ایک ”ڈھب“ کہا ہے۔

میرے خیال میں حضرت اقدس اردو اسلوب میں میر درد کے طرز بیان سے قریب تر ہیں۔ ہونا بھی

چاہیے کیونکہ اردو شاعری میں خواجہ میر درد ہی ایک ایسے شاعر ہیں جو مسلمہ طور پر صوفی شاعر کہلاتے ہیں۔

راہ طریقت میں آپ کا طریق ”طریقہ محمدیہ“ کہلاتا ہے اور اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

”سلوک ماسلوک نبوی است وطریق ما طریق محمدی“۔

(علم الکتاب صفحہ 85)

اردو زبان کے صیقل کرنے کے اعتبار سے آپ کا اہم مقام ہے ”تاریخ اردو ادب“ کے مصنف لکھتے ہیں

”زبان اور ادب کے لحاظ سے خواجہ صاحب ایک نہایت نمایاں اور ممتاز درجہ رکھتے ہیں

بقول مصنف ”آب حیات“ آپ چار رکنوں میں سے ایک رکن ہیں۔ اور باقی رکن میر۔ سودا۔

اور مظہر ہیں۔ حقیقت میں انہی عناصر اربعہ کی ترکیب سے زبان کا قوام درست ہوا..... زبان

صاف ہوگئی۔ منجی اور بالآخر ترقی کی معراج تک پہنچ گئی“۔

(تاریخ ادب اردو صفحہ 75)

اسی کتاب میں نواب حبیب الرحمن شیروانی کا قول لکھا ہے کہ

”خواجہ صاحب کی زبان اور طرز ادا وہی ہے جو میر کی ہے۔ عبارت صاف سلیس۔ فصیح۔

ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے“۔

(تاریخ ادب اردو صفحہ 74)

خدا بھلا کرے شیروانی صاحب کا کہ آپ نے یہ کہہ کر میرا کام آسان کر دیا کہ ”عبارت صاف سلیس۔ فصیح۔

ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آتی ہے، یہی حضرت اقدس کا اسلوب بیان ہے۔ اور یہی ان کا منصبِ ابلاغ تھا کہ آپ کا پیغام عمومی اعتبار سے ہر ایک کی سمجھ میں آجائے۔ یہ بھی مشاہدہ کریں کہ حضرت کا یہ طرزِ بیان قرآن کریم کے اتباع میں ہے۔ جیسے کہ فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ (القمر: 41)

ترجمہ: ہم نے قرآن کو عمل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

اور پھر جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اردو زبان کا GENIUS اور اسلوب خاص بھی یہی ہے بات میر درد کے مسلک کی ہو رہی تھی۔ اس کے تسلسل میں مشاہدہ کریں تو آپ کا یہ مسلک ہمارے آقا سے کس قدر قریب ہے۔ بلکہ ایک ہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا

نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

اور فرماتے ہیں:

اُس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

اور فارسی میں فرماتے ہیں:

ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم

بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ترجمہ: ہم قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں۔ اسی کیساتھ پیدا ہوئے ہیں اور اسی

کیساتھ فوت ہوں گے۔

حق تو یہ ہے کہ حضرت اقدس کی رسالت کی شرطِ اعظم محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی۔ جیسا کہ آپ کو روایا میں دکھایا گیا فرماتے ہیں۔

”إثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مٹی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس

عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اُس نے کہا

”هَذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُولَ اللَّهِ“

یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے۔

اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے

(براہین احمدیہ، رخ۔ جلد 1۔ صفحہ 598)

یہ تو چند ادبی اور توجیحاتی مناسبتیں تھیں جن کا ذکر ضروری تھا۔ مگر ایک مناسبت جو ان سے بھی زیادہ اہم ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے وہ حضرت اقدسؑ کا میر درد کے خانوادے سے آپ کی دامادی کا رشتہ ہے۔ جیسے الہام الہی میں فرمایا گیا

”الحمد لله الذی جعل لکم الصهر والنسب“

حضرت اقدسؑ ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ خدا سچا خدا ہے جس نے تمہاری دامادی کا تعلق ایک شریف قوم سے جو سید تھے کیا اور

خود تمہاری نسب کو شریف بنایا جو فارسی خاندان اور سادات سے معجون مرکب ہے“

(تریاق القلوب، رخ۔ جلد 15 صفحہ 272-273)

اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے میر درد سے آپ کا تعلق کرنا تھا کہ ہم سب کی ماں سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا نے آپ کے عقد میں آنا تھا جو کہ چھٹی یا ساتویں پشت میں میر درد کی نسل سے ہیں۔ ان سب مناسبتوں کو بیان کر کے ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہیں کہ اس امر کی وضاحت کریں کہ اردو شعر کے اسلوب کے اعتبار سے حضرت اقدسؑ میر درد کے اسلوب سے قریب تر ہیں۔ اس لیے قرابتِ اسلوب کے ثبوت میں چند امثال پیش کرنا ضروری ہیں۔ مگر امثال دینے اور اشعار کا تقابلی موازنہ کرنے سے قبل اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ گو دونوں صاحبِ ادب اپنے موضوعات کے انتخاب اور الفاظ کے چناؤ میں باہم دگر ہم زبان اور ہم خیال ضرور نظر آئیں گے مگر میر درد کا طرزِ نگارش تغزل کے رنگ میں ڈوبا ہوا ایک جمالیاتی تجربہ ہے۔ اس لیے ان کے بیان کے روحانی معانی مجاز کی راہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے مقابل پر حضرت اقدسؑ بر ملا عاشق باری تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے کلام میں مجاز کو دخل نہیں ہے۔ ایک کامل حقیقتِ عظمیٰ کا اظہار ہے جو جمالیاتی انداز کے قیام کے ساتھ ہے اور تمام ادبی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کہا گیا ہے۔ مجاز انہیں ہے بلکہ حقیقی مشاہدات اور وارداتِ قلبی کا اظہار ہے۔ اس لیے موضوع اور الفاظ میں اتحاد اور یک رنگی کے باوجود طرزِ نگارش میں اختلاف ضرور ہوگا۔ دورانِ مطالعہ اس امتیاز کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

اڈل قدم پر حضرت کا وہ شعر سن لیں۔ جو آپ کی تمام شعری تخلیقات کا مقصد اور مدعا ہے۔ یعنی
 کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
 اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے
 اس شعر کے بارے میں گذشتہ میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ”ڈھب“ کے لفظ کا استعمال
 میر درد اور حضرت کا ایک ہی ہے اور طرز بیان بھی۔

میں نے تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
 وہ مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا
 دوسری مثال عشق میں آلام و مصائب کے معنوں میں ہے
 میر درد کہتے ہیں۔

اذیت - مصیبت - ملامت بلائیں
 تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
 ایک اور جگہ پر کہتے ہیں۔

ان لبوں نے ہی نہ کی مسجائی ہم نے سو سو طرح سے مردیکھا
 حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

اس عشق میں مصائب سو سو ہیں ہر قدم میں
 پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے
 حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں

اس دلبر ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

آپ دیکھ لیں مضمون باہم متصل ہے۔ عشق کے مصائب کا ذکر ہے۔ الفاظ کا انتخاب بھی یک رنگ ہے۔ مگر
 ان سب قراہتوں کے باوجود میر درد کا بیان ایک مشکلات و مصائب کی فہرست معلوم ہوتی ہے۔ کسی محبت کا اظہار
 نہیں۔ بلکہ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے شعر میں مایوس بھی ہیں۔

مگر ان کے مقابل پر ہمارے پیارے حضرت کو دیکھو۔ آپ ایسے عاشق صادق ہیں کہ مصائب سے آزرہ
 خاطر نہیں ہوئے۔ ان سے نجات حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ بے انتہا محبت کے انداز میں کہتے ہیں کہ کیونکہ یہ
 میرے محبوب کی طرف سے آئی ہیں اس لیے بصد محبت و احترام قبول ہیں۔ اس کی مرضی پر راضی ہیں۔ وفا میں

مستقیم اور عہد پر قائم۔

ہم نے اس مثال میں میر درد کے دو شعر دیئے ہیں تو حضرت کا بھی ایک اور فرمان سن لیں۔ فرماتے ہیں۔

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں

ہم نے سوسو طرح سے سمجھایا

اس غرض سے کہ زندہ یہ ہوویں

ہم نے مرنا بھی دل میں ٹھہرایا

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

سوسو طرح سے مرنا ایک خوبصورت بیان ہے مگر اسی ترکیب لفظی کو حضرت نے بہت بہتر اور درست معنوں میں پیش کیا ہے مرنا تو ایک بار ہی ہوتا ہے اور سوسو بار مرنا تو ایک شاعرانہ غلو اور تعلیٰ ہے مگر سمجھانے کی غرض سے سوسو طرح سے سمجھانا پڑتا ہے اور کسی مقصد کے حصول کے لیے دل میں مرنا ٹھہرایا جاتا ہے یہ ایک بہت فصیح کلام کا نمونہ ہے اسی لیے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ کے کلام کو ہم نے اپنی جناب سے فصیح کیا ہے۔

”کلام افصح من لذن رب کریم“

ترجمہ: تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے

(حقیقت الوقی، ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 106)

یہ تو سب جانتے ہیں کہ زبان کے صحیح استعمال کو ”فصح“ کہتے ہیں

یہ بات تو برسبیل تذکرہ آگئی ہے۔ مضمون یہ تھا کہ میر درد کے اشعار اور حضرت کے اشعار میں اسلوب بیان کا اتحاد ہے۔ مقاصد بیان اور جذبات کی نوعیت میں اتفاق نہیں۔ ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میر درد ایک سالک راہ ہیں اور حضرت ایک واصل باللہ ہستی ہیں۔ اس لیے میر درد کے بیان میں مایوسی اور نایافت کا عنصر ہے۔ جس کے مقابل پر حضرت اقدس واردات عشق کے بیان میں محبوب کی رضا پر راضی ہیں اور اس کی عنایات کے مورد ہیں۔ اور ”ہم نے مرنا بھی دل میں ٹھہرایا“ کے جواب میں محبوب حقیقی نے جو انعام اپنے باغ کے پھول پھینک کر دیا ہے اُس میں اس قدر خوش ہیں کہ اس کو حاصل زیست سمجھتے ہیں اور جاں نثار کرنے کو تیار ہیں۔

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

یہ تقابل شعری کچھ طویل ہو رہا ہے دو مثالیں اور دے کر اس پر اکتفا کرونگا
میر درد کہتے ہیں۔

ہم کب کے چل بسے تھے پر اے مژدہ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سراسر انجام رہ گیا
یعنی محبوب کے ہجر میں میری یہ کیفیت تھی کہ اگر مژدہ وصل نہ آتا تو میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔
حضرت اقدسؒ اس کیفیت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف

پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

بات ایک ہی ہے۔ اسلوب بیان باہم قریب ہے۔ مگر کیفیت کے اعتبار سے میر صاحب کو مژدہ وصال نے
کام تمام ہونے سے بچالیا ہے۔ دوسری طرف حضرت اقدسؒ ہیں کہ آپ تو واصل باللہ ہیں اس لیے آپ کو وصال
نہ ہونے کے تصور نے بے تاب کیا ہے اس صورت میں جو سراسر انجام ہونا تھا اس کو مر کر خاک ہونے پر اکتفا نہیں کیا
یکسر بے نام و نشان اور معدوم ہونے کا بیان ہے۔

فرماتے ہیں۔

پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

ایک شعر اور سن لیں۔

میر درد کہتے ہیں۔

کچھ تجھ کو بھی خبر ہے کہ اٹھ اٹھ کے رات کو

عاشق تیری گلی میں کئی بار ہو گیا

حضرت اقدسؒ فرماتے ہیں۔

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وارا کا

دیکھ لیں۔ محبوب کی گلی بھی ہے۔ عشق کا مجنونانہ اظہار بھی ہے اور محبوب بے خبر اور بے پرواہ بھی ہے۔ مگر اس
کیفیت کے بیان میں فرق کو دیکھیں کہ محبوب کو خبر کیسے ہوا اگر شور نہ ہو اور میر نے عشق کی وارفتگی کو تو بیان کیا ہے مگر
یہ نہیں بتایا کہ اس و نور شوق کا نتیجہ کیا ہوگا۔ حضرت نے یہ سب کمیاں دور کر کے اس نتیجہ کا بھی اظہار کر دیا کہ اگر خبر
نہ لی گئی تو کیا ہوگا۔ ”لے جلدی خبر“ اور ”خوں نہ ہو جائے“ میں کس قدر تلازم اور خوبصورت صنعت گری ہے۔

اپنی محبت اور عشق کے اظہار میں اور لطف و عنایات باری تعالیٰ کے بیان میں ایسا کلام کہاں ملے گا۔ کون اس طرح کے عشق الہی میں مبتلا ہوگا اور کس کو محبت قبول نہ ہونے کی صورت میں ایسا غم ہوگا۔ ایک بار پھر سن لیں۔

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

آخر پر حضرت اقدس کے اسلوب بیان کا میر درد کے اسلوب سے قریب تر ہونے کے اعتبار سے ایک مشاہدہ پیش کرتا ہوں

اردو ادب کی دنیا میں میر درد کو ایک صوتی شاعر قرار دینے کی غرض سے ان کے دیگر اشعار کے ساتھ ذیل کے شعر کو تائیداً پیش کیا جاتا ہے۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا

تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ مضمون کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اپنے حسن و جمال میں اسی خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے جو حسن ازل اور جمال لم یزل ہے یعنی باری تعالیٰ جل شانہ۔ یہ حضرت کا دلپسند مضمون ہے۔

جیسے فارسی میں فرماتے ہیں۔

ہمہ جا شور توینم چہ حقیقت چہ مجاز

سینہ مشرک و مسلم ہمہ بریاں کردی

میں ہر جگہ تیرا ہی شور دیکھتا ہوں خواہ وہ حقیقت ہو یا مجاز تو نے تو مشرک اور مومن سب کے سینے جلا دیے ہیں۔ (گرم کر دیے ہیں)

اردو میں تو اس مضمون میں ایک معرکہ آرا ثنائے باری تعالیٰ ہے۔

فرماتے ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا

بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
 کیونکہ کچھ کچھ تھانساں اس میں جمالِ یار کا
 چشمِ مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
 ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
 شور کیا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
 خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

محبوب حقیقی کی تجلیات کو اس کی خلق کے ہر ذرہ میں دیکھنا ایک روحانی مشاہدہ ہے۔ اس مضمون کا بیان حضرت کی زبان سے سنیں۔ ایک واقعاتی بیان تو ہے مگر محبتِ الہی کا جوش اور اس پر قربان ہونے کے شوق کو ملاحظہ کریں۔ اس مقابل پر میر درد کا بیان ایک پھیکا اور بے رنگ واقعاتی مشاہدہ ہے اور اظہارِ عشق و محبت تو بالکل ناپید ہے۔ بات سے بات نکل رہی ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ درد کے کلام میں ایک عجیب اتفاق مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت اقدس کی درجہ بالا اثناء میں ایک مصرعہ ایسا ہے جو بالکل خفیف تبدیلی کیساتھ درد کا ہے حضور فرماتے ہیں۔

اُس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
 مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تا تار کا
 اور درد کہتے ہیں۔

اس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
 فصل بہارِ جس کے ہاں۔ ایک یگل فروش ہے
 وزن اور بحر میں اختلاف ہے۔ مگر مصرعہ اول ایک ہی ہے۔ تو اردے یا اختیار دونوں صورتوں میں یہ درد کی خوش بختی ہے اور تعجب خیز بھی۔ قریب الاسلوب ادیبوں میں ایسے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ یہی بات میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت کا اسلوب بیان میر درد سے قریب تر ہے۔

اس وقت تک جو بیان ہوا ہے ایسے ہے کہ
 اول:- اردو زبان کا اسلوب بیان کیا ہے۔
 دوم:- میر درد کا اردو زبان کے اسلوب کی تعیین میں کیا مقام ہے۔
 سوم:- یہ کہ حضرت اقدس کا اسلوب بیان میر درد سے قریب تر ہے۔

اب وقت آیا ہے کہ ہم ایک موضوع کے تحت حضرت اقدس کے اردو اشعار کی چند مثالیں پیش کریں۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ اس غرض کے لیے ہم نے ”ابلاغ رسالت“ کا موضوع اختیار کیا ہے اس موضوع کے تعلق میں ایک مشکل کا سامنا ہو جاتا ہے۔ یہ کہ حقیقت میں حضرت کے تمام کلام کا مرکزی موضوع ”ابلاغ رسالت ہی“ ہے۔

یہ اس طور سے کہ ابلاغ رسالت میں تو اول آپ کے ماموریت کے دعاوی آتے ہیں۔ اور پھر وہ تمام روحانی اور علمی منصب جو آپ کو رسالت باری تعالیٰ کے فیضان کے طور پر عطا ہوئے ہیں۔ وہ بھی آپ کی رسالت کے صدق کا ثبوت فراہم کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ بھی ابلاغ رسالت کے موضوع کے تحت آجائیں گے۔ مثلاً۔ حمد و ثناء باری تعالیٰ۔ صدق رسول اکرم۔ نعت قرآن۔ حمایت اسلام اور محبت الہی۔ چنانچہ اس نہج پر دیگر بھی یہ وہ موضوعات ہیں جن کو ہم مستقل اور ممتاز موضوعات کے تحت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس موضوع کے تحت ہم نے صرف چند ایک ذیلی عنوانات کا انتخاب کیا ہے تاکہ موضوعات باہم اس طور سے قریب نہ ہوں کہ ان کی انفرادی نوعیت قائم نہ رہ سکے۔ اور اسی دستور کو ہم آپ کے عربی اور فارسی کلام میں بھی اپنانے کی کوشش کریں گے اردو زبان اور اس کے اسلوب کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی وجہ اول تو یہ ہے یہ زبان حضرت اقدس کی قومی زبان ہے اور آپ حضرت کے پیغام رسالت کا بہت وسیع حصہ اس زبان میں بیان ہوا ہے۔ اور قرآن کریم کے فرمان کی پاسداری میں ایسا ہونا بھی ضروری تھا۔

جیسے فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم: 5)

ہم نے ہر رسول کو اس کی قومی زبان میں تبلیغ ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

دوسرا خیال یہ بھی تھا کہ دراصل آپ حضرت کے تبعین کا عظیم حصہ آپ کی قوم کا ہے جس کی قومی زبان اردو ہے۔ اس اعتبار سے ان کا حضرت کے اردو کلام سے فائدہ اور لطف اٹھانے کا زیادہ حق ہے۔ کوشش ہوگی کہ فارسی اور عربی کلام کے بیان میں اختصار سے کام لیا جائے۔

ذیلی عنوانات کو ہم نے ایسے ترتیب دیا ہے۔

اول۔ آپ کا عقیدہ اور دعاوی

دوم۔ انذار اور تبشیر

سوم۔ تبلیغ اور تلقین

چہارم۔ دعوت میں نرمی اور کوشش

پنجم۔ دعوت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت۔



آپ حضرتؑ کا عقیدہ اور دعاوی

آپ حضرت اپنے عقائد کے بیان میں فرماتے ہیں:

ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشان	مومنوں پر گُفر کا کرنا گماں
دل سے ہیں خدّٰم ختم المرسلینؑ	ہم تو رکھتے ہیں مُسلمانون کا دیں
خاکِ راہِ احمدؑ مختار ہیں	شُرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
جان و دل اس راہ پر قربان ہے	سارے حُکموں پر ہمیں ایمان ہے
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا	دے چکے دل اب تنِ خاک کی رہا
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب	تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب

دیکھ لیں کہ کس قدر جامع اور خوبصورت بیان ہے کمال و وضاحت بھی ہے اور کمالِ ایجاز بھی۔ بیان میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ رسول اکرمؐ پر ایمان خاتم النبیین کے طور پر ہے۔ قرآن کے تمام احکام پر ایمان کا ذکر بھی آگیا اور خدا اور رسولؐ پر قربان ہونے کا منشاء باری تعالیٰ آگیا اور یہ بات بھی ہوگئی کہ ایسے مومن کا کافر کہنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ اس قدر وسیع مضمون کو چند اشعار میں بیان کرنا ادب میں ”ایجاز“ کہلاتا ہے اور یہ ایجاز کا کمال ہے۔

آپ حضرتؑ کے بنیادی دعاوی

آپ حضرت کے بنیادی دعاوی مجدّد اسلام۔ مہدی آخر زمان اور مسیح دوران کے ہیں۔
اڈل کے بارے میں فرماتے ہیں

آسماں پر غافلُو اِک جوش ہے
کچھ تو دیکھو گر تمہیں کچھ ہوش ہے
ہو گیا دیں کفر کے حملوں سے پُور
چُپ رہے کب تک خداوندِ غیور
اِس صدی کا بیسواں اب سال ہے
شُرک و بدعت سے جہاں پامال ہے
بدگماں کیوں ہو خُدا کُچھ یاد ہے
افترا کی کب تک بُنیاد ہے

وہ خُدا میرا جو ہے جوہر شناس
 اک جہاں کو لا رہا ہے میرے پاس
 لعنتی ہوتا ہے مردِ مُفتزی
 لعنتی کو کب ملے یہ سروری

ہر صدی کے سر پر مجبّ دین کے آنے کا دعویٰ ہے۔ اور اس صدی کو تو بیس سال گذر گئے اور جس کام کے لیے مجبّ داتا ہے یعنی شرک و بدعت کو مٹانے کے لیے وہ تو ظاہر ہو گئے مگر تمہارا مجدد نہیں آیا۔ جو آیا ہے تم اُس کو مفتزی کہتے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ مفتزی کو کتنی مہلت ملتی ہے اور پھر اگر میں مفتزی ہوں تو مجھے خدا نے سروری کیسے دے دی۔ اس بیان میں بھی وہ تمام خوبیاں ہیں جو گذشتہ میں بیان ہوئی ہیں۔ دعویٰ ہے، دلیل ہے اور حُسن و خوبی ہے۔

مسیح و مہدی کی آمد

مہدی کی آمد کا سب کو صرف انتظار ہی نہیں تھا بلکہ پر جوش تمنّائی۔ علماء دین اس کی راہ تک رہے تھے مگر جب آگیا تو سب سے اوّل منکر ہوئے اور روحانی نوشتوں کی پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ یہ بھی بتا دیا کہ لَا الْمَهْدِيّ إِلَّا عَيْسَىٰ اور یہ بھی بتا دیا کہ جہاد بالسیف کو بند کرنے کی وجہ ان کی مایوسی ہے کہ مالِ غنیمت حاصل نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں

یاد وہ دن جبکہ کہتے تھے یہ سب ارکان دیں
 کون تھا جس کی تمنّایہ نہ تھی اک جوش سے
 پھر وہ دن جب آگئے اور چودھویں آئی صدی
 پھر دوبارہ آگئی احبار میں رسم یہود
 تھا نوشتوں میں یہی از ابتدا تا انتہا
 میں تو آیا اس جہاں میں ابن مریم کی طرح
 پر اگر آتا کوئی جیسی انہیں اُمید تھی
 ایسے مہدی کے لیے میدان کھلا تھا قوم میں

مہدی موعود حق اب جلد ہوگا آشکار
 کون تھا جس کو نہ تھا اُس آئیوالے سے پیار
 سب سے اوّل ہو گئے منکر یہی دیں کے منار
 پھر مسیح وقت کے دشمن ہوئے یہ جبہ دار
 پھر مٹے کیونکہ کہ ہے تقدیر نئے نقش جدار
 میں نہیں مامور از بہر جہاد و کارزار
 اور کرتا جنگ اور دیتا غنیمت بیشمار
 پھر تو اس پر جمع ہوتے ا یکدم میں صد ہزار

مسیحیت کے دعوے کا بیان بھی سن لیں۔ بہت ہی خوبصورت بیان ہے حقیقی ”سہل ممتنع“ ہے یعنی اعلیٰ مضمون کو آسان زبان میں بیان کرنا۔
فرماتے ہیں۔

وہ آیا مُنظر جس کے تجھے دن رات
معمہ کھل گیا روشن ہوئی بات
دکھائیں آسمان نے ساری آیات
زمین نے وقت کی دے دیں شہادات
پھر اس کے بعد کون آئیگا ہیبات
خدا سے کچھ ڈرو چھوڑو معادات
خدا نے اک جہاں کو یہ سُنادی
فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْأَعْدَى

مسیح وقت اب دُنیا میں آیا
خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مُبَارَك وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی ہے اُن کو ساتی نے پلا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْأَعْدَى

اس میں اپنی آمد کا اعلان بھی کیا ہے۔ زمینی اور آسمانی نشان یعنی کسوف و خسوف اور طاعون و زلازل کا بھی ذکر کر دیا۔ یہ بھی بیان کر دیا کہ آپ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهٖم (الجمعة: 4) کی قرآنی پیشگوئی کے مطابق مبعوث ہوئے ہیں تو اس صورت میں مکہ بین کو پاک خدا ضرور پکڑے گا۔
آسمان سے حضرت مسیح موعود کی ٹھنڈی ہوا کی آمد کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

آسمان سے ہے چلی توحید خالق کی ہوا
اسمعا صوت السماء جاء المسيح
دل ہمارے ساتھ ہیں گومنہ کریں بک بک ہزار
نیز بشنو از زمیں آمد امام کا مگار
آسمان بار د نشان الوقت می گوید زمیں
ایں دو شاہد از پے من نعرہ زن چون بیقرار
اب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے
وقت ہے جلد آو اے آوارگان دشت خار
اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

۱: آسمان کی آواز سنو کہ مسیح آ گیا مسیح آ گیا۔ اور زمیں کو سنو کہ کہتی ہے کہ خوش نصیب امام آ گیا ہے۔

۲: آسمان نشانوں کی بارش کر رہا ہے۔ زمیں میرا وقت بتاتی ہے۔ یہ دو گواہ میرے لیے بیقراری سے اعلان کر رہے ہیں۔

اعلان رسالت کے بہت پیارے انداز کو بھی دیکھ لیں۔
فرماتے ہیں

زندگی بخش جام احمد ہے کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے
باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا میرا بستن کلام احمد ہے

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور اس الہام کے حسن و خوبی کو دیکھیں۔

برتر گمان وہ ہم سے احمد کی شان ہے

جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

حضرت اقدس اپنا روحانی منصب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور ان کا ہی فیضان سمجھتے ہیں۔ دیکھ لیں غلام احمد اور ”جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے“ کیسا اتحاد لفظی اور معنوی ہے۔ سبحان اللہ۔

ہندوؤں اور دہریوں پر ابلاغ رسالت

ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق روح انادی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور خدا کی مخلوق نہیں۔ اس عقیدہ کا بطلان بہت ہی خوبصورت استدلال سے کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

اے آریہ سماج پھنسو مت عذاب میں کیوں مبتلا ہو یا رو خیال خراب میں
اے قوم آریہ ترے دل کو یہ کیا ہوا تو جاگتی ہے یا تری باتیں ہیں خواب میں
کیا وہ خدا جو ہے تری جاں کا خدا نہیں ایماں کی بو نہیں ترے ایسے جواب میں
گر عاشقوں کی روح نہیں اسکے ہاتھ سے پھر غیر کیلئے ہیں وہ کیوں اضطراب میں
گر وہ الگ ہے ایسا کہ چھو بھی نہیں گیا پھر کس نے لکھ دیا ہے وہ دل کی کتاب میں
جس سوز میں ہیں اس کیلئے عاشقوں کے دل اتنا تو ہم نے سوز نہ دیکھا کباب میں
جامِ وصال دیتا ہے اُس کو جو مر چکا کچھ بھی نہیں ہے فرق یہاں شیخ و شاب میں
ملتا ہے وہ اسی کو جو ہو خاک میں ملا ظاہر کی قیل و قال بھلا کس حساب میں

ہوتا ہے وہ اسی کا جو اس کا ہی ہو گیا ہے اُسکی گود میں جو گرا اُس جناب میں فرماتے ہیں:

گر عاشقوں کی روح نہیں اسکے ہاتھ سے پھر غیر کیلئے ہیں وہ کیوں اضطراب میں
یعنی اگر عاشق کو محبوب سے کوئی تخلیقی اور قلبی مناسبت نہیں تو محبوب حقیقی کے وصال کیلئے کیوں مضطرب ہے اور
فرماتے ہیں کہ بغیر کسی خالق کے مخلوق خود بخود کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایسے غیر معقول عقیدہ کے دن تھوڑے ہیں۔

اُن کو سدا ہوا ہے ویدوں کا	اُن کا دل بتلا ہے ویدوں کا
آریو! اس قدر کرو کیوں جوش	کیا نظر آ گیا ہے ویدوں کا؟
نہ کیا ہے نہ کر سکے پیدا	سوچ لو یہ خُدا ہے ویدوں کا
عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو	کیوں بھروسہ کیا ہے ویدوں کا؟
بے خدا کوئی چیز کیونکر ہو	یہ سراسر خطا ہے ویدوں کا

ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے

کال سر پر کھڑا ہے ویدوں کا

اس مضمون میں مزید تفصیلی بیان بھی سُن لیں۔

بھلا تم خود کو انصاف سے صاف	کہ ایشر کے یہی لائق ہیں اوصاف
کہ کر سکتا نہیں اک جاں کو پیدا	نہ اک ذرہ ہو اس سے ہو پیدا
نہ اُن دن چل سکے اس کی خُدائی	نہ اُن دن کر سکے زور آزمائی
نظر سے اس کے ہوں محبوب و مکتوم	نہ ہو تعداد تک بھی اس کو معلوم
معاذ اللہ! یہ سب باطل گماں ہے	وہ خود ایشر نہیں جو نا تو اس ہے
اگر بھولے رہے اس سے کوئی جاں	تو پھر ہو جاوے اس کا ملک ویراں

پیارو! یہ روا ہرگز نہیں ہے

خُدا وہ ہے جو رب العالمین ہے

عیسائیوں پر ابلاغ رسالت

قرآن کریم کی شان کے مقابل پر انجیل کو پیش کرنے کی دعوت۔ اور اس دعوت میں یہ فرمانا کہ اگر تم ایسے کوتاہ بین ہو کہ قرآن کی عظمت کو دیکھ نہیں سکتے تو اپنے کان ہی استعمال میں لاؤ اور مجھ سے اس کی عظمت و شان کا بیان سُن لو۔ اگر شوق نہیں تو امتحان کے طور پر ہی سُن لو۔ بہت ہی خوبصورت بیان ہے۔

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی

نہ سہی یونہی امتحان سہی

یہ وہ خالص اردو زبان کا اسلوب ہے جس کو ہم نے بتایا ہے کہ تمام شعراء اردو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ!!! نُورِ حق دیکھو! راہِ حق پاؤ!
 جس قدر ٹھویاں ہیں فرقاں میں کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ!
 سر پہ خالق ہے اُس کو یاد کرو یونہی مخلوق کو نہ بہکاؤ!
 کب تک جھوٹ سے کرو گے پیار کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ!
 کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو کچھ تو لوگو! خدا سے شرماؤ!
 اے عزیزو! سنو کہ بے قرآں حق کو ملتا نہیں کبھی انسان
 جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں
 ہے یہ فرقاں میں اک عجیب اثر کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر
 بات جب ہو کہ میرے پاس آویں میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
 مجھ سے اُس دِلستاں کا حال سنیں مجھ سے وہ صورت و جمال سنیں
 آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی نہ سہی یوں ہی امتحان سہی

سکھوں پر ابلاغ رسالت

ادبی ہیئت کے اعتبار سے چولہ بابانا تک مثنوی کا اسلوب ہے اور اس نوع ادب میں کسی واقعہ کو وضاحت سے بیان کرنا کمال ادب ہوتا ہے۔ اس کو علم تنقید میں ”محاکات“ کہتے ہیں۔ اب دیکھ لیں کہ حضرت اقدس نے تمام ادبی اقدار کی کیسی پاسداری کی ہے اور کتنی خوبصورتی سے کی ہے۔

فرماتے ہیں:

یہی پاک چولہ ہے سکھوں کا تاج	یہی کابی مل کے گھر میں ہے آج
یہی ہے کہ ٹوروں سے معمور ہے	جو دُور اِس سے اُس سے خُدا دُور ہے
ذرا سوچو سکھو! یہ کیا چیز ہے؟	یہ اُس مرد کے تَن کا تعویذ ہے
یہ اُس بھگت کا رہ گیا اک نشان	نصیحت کی باتیں حقیقت کی جاں
بھلا بعد چولے کے اے پُر غرور	وہ کیا کسر باقی ہے جس سے تو دُور
تو ڈرتا ہے لوگوں سے اے بے ہنر	خدا سے تجھے کیوں نہیں ہے خطر؟
یہ تحریر چولہ کی ہے اک زباں!	سنو وہ زباں سے کرے کیا بیباں
کہ دینِ خدا دینِ اسلام ہے	جو ہو منکر اُس کا بد انجام ہے
محمدؐ وہ نبیوں کا سردار ہے	کہ جس کا عُدو مثلِ مُردار ہے



اصلاح عقائد اور ابلاغ

وفات مسیح

آپ حضرت کے وقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم عنصری آسمان پر جانے کا بہت چرچا تھا۔ تمام امت یہی عقیدہ رکھتی تھی۔ حضرت اقدس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی اصلاح فرمائی۔ اور اب یہ کیفیت ہے کہ کوئی بھول کر اس کا ذکر نہیں کرتا۔

آپ حضرت کے بیان کو دیکھ لیں اصلاح کی بنیاد قرآن کے فرمان پر ہے۔ اور بہت دلنشین انداز ہے۔

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال؟	دل میں اٹھتا ہے مرے سو سو اُبال
ابن مریمؑ مر گیا حق کی قسم	داخلِ جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اُس کو فرقاں سر بسر	اُس کے مر جانے کی دیتا ہے خبر
وہ نہیں باہر رہا اموات سے	ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے
کوئی مُردوں سے کبھی آیا نہیں	یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں
عہدِ خُدا از کردگارِ بے چگون	غور کن در انہم لایسرجعون!
اے عزیزو! سوچ کر دیکھو ذرا	موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا؟
اور فرماتے ہیں:	

کوئی جو مُردوں کے عالم میں جاوے	وہ خود ہو مُردہ تب وہ راہ پاوے
کہو زندوں کا مُردوں سے ہے کیا جوڑ	یہ کیونکر ہو کوئی ہم کو بتاوے

۱: یہ خدائے لاشریک کا قانون ہے۔ ”وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے“ پر غور کرو

جہاد بالسیف

ایسا جہاد جس سے مراد اسلام کو بزور شمشیر پھیلانا ہے قرآن کی تعلیم نہیں ہے۔ جبر و اکراہ سے اسلام کو پھیلانا تو لَمْ اِكْرَاهِ فِي الدِّينِ (البقرة: 257) کے فرمان نے ہی ممنوع کر دیا ہے۔ اور حضرت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی جنگوں کو دفاعی کارروائی ثابت کر کے وضاحت کی ہے کہ کیونکہ آپ کے وقت میں تلوار سے اسلام کی اشاعت کو روکا گیا تھا اس لیے جہاد کیا گیا مگر فی زمانہ جبکہ اشاعت اور قبولیت اسلام میں کوئی جبر نہیں کیا جاتا اس لیے دین کے لیے اب جنگ کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

فرماتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال	دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے	دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نورِ خدا کا نزول ہے	اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دُشمن ہے وہ خُدا کا جو کرتا ہے اب جہاد	منکر نبیؐ کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو	جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اُس خبیث کو
کیوں بھولتے ہو تم یَضَعُ الْحَرْبُ کی خبر	کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چُکا ہے سید کونین مصطفیٰ	عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئیگا تو صلح کو وہ ساتھ لائیگا	جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا
پیوں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند	کھیلیں گے بچے سانپوں سے بخوف و بے گزند
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا	بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا	وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا
اک مُعجزہ کے طور سے یہ پیش گوئی ہے	کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے
القضہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشان	کر دیگا ختم آ کے وہ دیں کی لڑائیاں

ابلاغ رسالت میں انکار اور تکذیب

اس مضمون میں حضرت کے صبر اور غم کا مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

زُعم میں اُن کے مسیحائی کا دعویٰ میرا افترا ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں! نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے
گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں ان لوگوں کو رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے
تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے

تیری اُلفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ

اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

اور فرماتے ہیں:

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں ہم نے سو سو طرح سے سمجھایا
اس غرض سے کہ زندہ یہ ہوویں ہم نے مرنا بھی دل میں ٹھہرایا

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

اور پھر اس بد زبانی سے تکذیب کرنے کا نتیجہ بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

ترے فضلوں سے جاں بُتتاں سرا ہے ترے نُوروں سے دل شمسُ الصّٰحٰی ہے
اگر اندھوں کو انکار و اِباء ہے وہ کیا جانیں کہ اِس سینہ میں کیا ہے
کہیں جو کچھ کہیں سر پہ خدا ہے پھر آخر ایک دِن روزِ جزا ہے
بدی کا پھل بدی اور نامرادی فَسُبْحَانَ الَّذِيْ اَخْزٰى الْاَعَادِيْ

تکذیب و انکار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا بیان بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

پر وہ جو مجھ کو کاذب و مکار کہتے ہیں اور مفتری و کافر و بدکار کہتے ہیں

اُن کے لیے تو بس ہے خدا کا یہی نشان
دیکھو! خدا نے ایک جہاں کو جُھکا دیا!
جو کچھ مری مُراد تھی سب کچھ دکھا دیا
کچھ ایسا فضلِ حضرت ربِّ الوریٰ ہوا
یعنی وہ فضل اُس کے جو مجھ پر ہیں ہر زماں
گم نام پا کے شہرہٴ عالم بنا دیا!
میں اک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا
اک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں تھا غریب و بیکس و گم نام و بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا

اک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہوا

اور فرماتے ہیں۔

میں کیونکر گن سکوں تیری عنایات
مری خاطر دکھائیں تو نے آیات
کرم سے تیرے دشمن ہو گئے مات
پڑا پیچھے جو میرے غولِ بدذات
ترے فضلوں سے پُر ہیں میرے دن رات
ترم سے مری سُن لی ہر اک بات
عطا کہیں تُو نے سب میری مُرادات
پڑی آخر خود اُس مُوذی پہ آفات

ہوا انجام سب کا نامرادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعَادِي

اور یہ فرمان بھی سُن لیں۔

اس تعصّب پر نظر کرنا کہ میں اسلام پر
میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
حضور اقدس کا منصب رسالت کا بیان بھی سن لیں۔

مجھ کو خود اُس نے دیا ہے چشمہٴ توحیدِ پاک
دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اُس یار نے
خیرگی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں
ایک طوفان ہے خُدا کے قہر کا اب جوش پر
تا لگا وے از سر نو باغِ دین میں لالہ زار
پھر اگر قدرت ہے، اے منکر تو یہ چادر اُتار
ان دلوں میں جب کہ ہے شورِ قیامت آشکار
نُوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

پشتی دیو اِردیں اور مامنِ اسلام ہوں

نار سا ہے دستِ دشمن تا بفرق ایں جدار

منصب رسالت اور تائید الہی کا ایک اور بیان بھی مشاہدہ کریں:

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم جن کا مشکل ہے کہ تاروزِ قیامت ہو شمار

آسماں میرے لیے تو نے بنایا اک گواہ چاند اور سورج ہوئے میرے لیے تاریک دنار

تُو نے طاعوں کو بھی بھججا میری نصرت کیلئے تا وہ پورے ہوں نشان جو ہیں سچائی کا مدار

ہو گئے بیکار سب حیلے جب آئی وہ بلا

ساری تدبیروں کا خاکہ اُڑ گیا مثلِ غبار

ابلاغ رسالت بشیر و نذیر بن کر

انبیاء اور مرسلین خدا تعالیٰ سے دو ہی منصب لے کر آتے ہیں۔ اول مقام پر وہ خدا کے پیغام کو ماننے والوں کو بشارت دیتے ہیں اور دوسرے قدم پر خدا کے پیغام کو قبول نہ کرنے والوں کو خدا کے مواخذہ اور پکڑ سے خوف دلاتے ہیں۔ جیسے قرآن نے فرمایا

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَ نَذِيرًا (البقرة: 120)

جیسے حضرت کا الہام ہے۔

”دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا“

(تذکرہ صفحہ 81۔ مطبوعہ 2004ء)

اور بشیر ہونے کا الہام ہے۔

”وَ بَشِيرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ“

اور تو ان لوگوں کو جو ایمان لائے یہ خوش خبری سنا کہ ان کا قدم خدا کے نزدیک صدق کا قدم ہے۔

(تذکرہ صفحہ 197۔ مطبوعہ 2004ء)

نذیر ہونے کے منصب کے مطابق فرماتے ہیں:

دوستو جاگو کہ اب پھر زلزلہ آنے کو ہے
وہ جو ماہِ فروری میں تم نے دیکھا زلزلہ
آنکھ کے پانی سے یارو! گچھ کرو اس کا علاج

اور فرماتے ہیں:

سونے والو! جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے
زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمیں زیرِ وزر
ہے سر رہ پر کھڑا نیکیوں کی وہ مولے کریم

جو خردی جیٰ حق نے اُس سے دل بیتاب ہے
وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے
کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے
چیلے سب جاتے رہے اک حضرت تو اب ہے

اور فرماتے ہیں:

پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن
زلزلہ کیا اس جہاں سے گوج کر جانے کے دن

ابلاغ۔ قوم کو نصیحت

فرماتے ہیں:

یارو! خودی سے باز بھی آؤ گے یا نہیں
باطل سے میل دل کی ہٹاؤ گے یا نہیں؟
کب تک رہو گے ضدّ و تعصب میں ڈوبتے!
کیونکر کرو گے ردّ جو محقق ہے ایک بات؟
سچ سچ کہو اگر نہ بناؤ تم سے کچھ جواب!
خُو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں!
حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں
آخر قدم بصدق اٹھاؤ گے یا نہیں
کچھ ہوش کر کے عذر سناؤ گے یا نہیں؟
پھر بھی یہ منہ جہاں کو دکھاؤ گے یا نہیں؟

اور فرماتے ہیں:

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت

میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اور آخر پر اس درد بھری آواز کو بھی سُن لیں

دوستو اک نظر خُدا کے لیے

سید الخلق مصطفیٰ کے لیے

گزشتہ میں مصنف ”آب حیات“ کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ اردو شعری اسلوب کی تعیین کے چار رکن ہیں۔ اور انہیں ارکان اربعہ پر آئندہ آنے والے ارباب شعر و سخن نے مشق سخن کر کے اپنی اپنی عمارتیں قائم کی ہیں اور زبان کو رنگ و روپ دیا ہے اور آخر الامراس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اردو زبان کا ادب سادہ اور سہل زبان میں گل کاری کرنا ہے جس کو مولانا حسرت موہانی نے بہت سادہ مگر خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور فریضہ اردو ادب قرار دیا ہے۔

رنگینی سخن میں بھی ہے سادگی کی شرط

مشکل ہے اس طریقہ آساں کی احتیاط

ہمیں اس تحقیق سے انکار نہیں۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی بات محقق ہے۔ اور یقیناً ہے تو اس اسلوب ادب پر جو سب سے خوبصورت عمارت قائم ہوئی ہے وہ ہمارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے۔ اگر موضوعات شعر اور ترجیحات قلمی کے اختلاف کو پیش نظر رکھا جائے اور صرف ان موضوعات شعری کا جائزہ لیا جائے جو آپ حضرت نے اختیار فرمائے ہیں تو اردو شعر میں کوئی شعر گویا نہیں ملے گا جو ان کے مقابل پر تو کیا ان کے قریب بھی پہنچ سکے۔

یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ باوجود اردو زبان کی کم عمری کے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو اپنے خاص تصرف سے جلدی جلدی پروان چڑھا کر اس قابل بنایا کہ وہ حضرت اقدس کی آمد تک آپ کے کلام کی مدد سے اس مقام تک پہنچ جائے کہ عرفان باری تعالیٰ کے دقیق اور علوی مضامین اور محبت الہی کی کیفیات کو بیان کرنے کے قابل ہو۔

اردو زبان پر حضرت اقدس کا یہ ایک عظیم احسان ہے۔ اس وقت تعصب کی کوتاہ بین آنکھ اس ادبی حسن و جمال کا نظارہ کرنے سے قاصر ہے۔ مگر ایک ایسا وقت ضرور آئے گا کہ آپ کی اس منفرد شان کو تمام ادبی محفلوں میں بیان کیا جائے گا اور اس پر مقالے لکھے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔



فارسی زبان میں ابلاغ رسالت

تاریخی اعتبار سے اسلام کی آمد سے قبل فارسی زبان میں کوئی شعری سرمایہ محفوظ نہیں تھا۔ گویہ درست ہے کہ قدیم میں ایرانی ادب کے ترانے اور بارہد کے راگ ادبی اشعار کے طور پر بولے جاتے تھے۔ مگر ان میں آج کے وقت کی عربی، سحر اور اوزان کا التزام نہیں رکھا جاتا تھا۔

اسلام اور عربوں کے اقتدار میں آنے کے بعد دو اڑھائی سو سال گزرنے پر غالباً مامون الرشید کے زمانے کے قریب و جوار میں فارسی شاعری نے عربی سحر اور قواعد عروض کو اختیار کیا تھا۔ اور پھر ایسا قبول کیا کہ آج اسلامی ادب میں اس کا مقام فن شعر اور تخلیق شعر میں سب سے بلند ہے۔

فارسی شاعری کی ابتدا کے بیان میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح اردو شعر کا باوا آدم دلی دکنی ہے فارسی شعر کی ابتدا رودکی سے ہوئی ہے۔ مگر رودکی کے بعد فارسی نے جس منصب کے بلند مرتبہ شاعر پیدا کئے ہیں۔ ان کے مقابل کی تلاش دیگر زبانوں میں ممکن نہیں ہے۔

فردوسی۔ سعدی۔ حافظ اور خیام اور اس سطح کے بہت سے اساتذہ کلام فارسی ہیں جنہوں نے اس زبان کو شعری عظمت دی ہے اور اس کی لسانی نوک پلک درست کر کے ایک کلاسیکی اسلوب شعر متعین کیا ہے۔

فارسی ایک قدیمی اور مہذب زبان ہے۔ اپنی قدامت اور تہذیب کے متعدد اور مختلف الانواع ادوار سے گزرنے کی وجہ سے اس زبان میں نازک احساسات اور فلسفیانہ خیالات کے بیان کرنے کی قدرت پیدا ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوری رسالت کے حصول کے بعد اس زبان نے اپنے ادبی سطح نظر اور مقصود کو بہت جلد زمینی اور فنا پذیر اقدارِ حسن و جمال کی قید و بند سے نکال کر کُرسن لم یزل (یعنی محبت الہیہ) کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لاتعداد عاشقانِ محبوب حقیقی نے اپنی وارداتِ عشق و محبت کو بیان کرنے کے لیے اس زبان کا سہارا لیا ہے گویا یہ عشق و محبت کے اظہار کی زبان ہے۔

حضرت اقدس کے تینوں زبانوں کے ادب میں گو محبتِ الہی کا مضمون جاری و ساری ہے مگر جس والہانہ انداز میں اور جس کثرت سے یہ مضمون آپ کے فارسی کلام میں ملتا ہے اس طور سے دیگر زبانوں میں نہیں ہے۔

اردو اور فارسی ادب کے قابل قدر نقاد سید عابد علی عابد نے سچ کہا ہے کہ فارسی ادب کا مزاج روحانی ہے۔ اس لیے بنیادی طور پر وارداتِ قلبی کا حسین انداز میں بیان ہی فارسی ادب کے اسلوب کا جزوِ اعظم ہے۔

فارسی ادب کی اس روایت کے مطابق ابو سعید ابوالخیر سے لے کر سنائی۔ عطار۔ مولانا رومی۔ حافظ اور سعدی

اور ایسے ایسے بہت سے شاعر ہیں جن کو الہیات کے موضوعات کا شاعر کہا جاتا ہے۔ مولانا روم کی مثنوی کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے ”ہست قرآن در زبان پہلوی“ یعنی فارسی زبان کا قرآن ہے۔ اسلوب شعری کے اعتبار سے بھی یہی صاحب کمال شاعر ہیں جن کی طرز بیان پر فارسی شعری عمارت قائم ہوئی ہے۔ کسی نے بہت درست کہا ہے۔

در شعر سہ کس پیبرانند ہر چند کہ لانی بی بعدی
 با وجود اس فرمان کے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا شعر میں تین اشخاص پیغمبر ہیں۔
 ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی
 مثنوی اور قصیدہ اور غزل کے اعتبار سے یہ فردوسی اور انوری اور سعدی ہیں

فارسی ادب میں ان تین شاعروں کا اپنی صنف شعر میں بے مثال ہونا تو بالکل برحق ہے۔ مگر ہم بات الہیات کے موضوعات کی کر رہے ہیں اور اس تسلسل بیان میں عرض کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی بعثت سے قبل جن عنوانات شعری کو الہیات کے مضامین کہا جاتا تھا وہ عمومی طور پر اسلامی اخلاق اور تہذیب کے عنوانات ہیں۔ کہیں کہیں جستہ جستہ محبت الہی کا ذکر ہوتا ہے مگر وہ بھی اس طور سے کہ کھینچ تان کر ان کے اشعار کے مجازی معنی کئے جائیں تو اُس کا ثبوت ملتا ہے۔ عرفان الہی کا مضمون تو بالکل کا عدم ہے۔

اسلامی سرمایہ ادب میں جس کلام کو صوفیانہ کلام کہتے ہیں وہ اسلامی اخلاق پر وعظ و نصیحت ہے اور باقی مجاز کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ یعنی یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ شعر محبوب حقیقی کی محبت کی واردات بیان کر رہا ہے یا محبوب مجازی کی۔ آذری نے بہت درست کہا ہے:

اگر چه شاعرانِ نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست
 اگر چه قادر الکلام شاعر شعر کی محفل میں ایک ہی جام سے سرمست ہیں
 ولے با بادۂ بعض حریفان فریب چشم ساقی نیز پیوست
 مگر بعض دوستوں کی شراب میں کچھ حصہ ساقی کی چشم مست کا بھی ہوتا ہے
 ہمیں یکساں کہ در اشعارِ ایں قوم درائے شاعری ”چیزے دگر ہست“

اس لیے یہ خیال نہ کرو کہ ان کے اشعار میں شاعری کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے ”چیزے دگر ہست“ کی ترکیب لفظی سے مجھے خیال آیا کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اکثر

شاعروں میں بجز شعر گوئی کوئی اور روحانی حقیقت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے حضرت اقدس کے اشعار کو دیگر شاعروں کے کلام سے ممتاز کرنے کے لیے آپ کو یہ الہام کیا

”در کلام تو چیزے است کہ شعراء را در آں دخلے نیست“

تیرے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جو دیگر شعراء کو نصیب نہیں ہوئی

مشاہدہ کریں کہ ”چیزے دگر ہست“ اور ”چیزے است“ میں کس قدر اتحاد لفظی اور معنوی ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اسلامی ادب شعر میں کوئی بھی ایسا شاعر نہیں جس نے برملا اور بے نقاب ہو کر عاشق الہی ہونے کا اعلان کیا ہو۔ شعر میں یہ ممتاز منصب افتخار صرف اور صرف حضرت اقدس کے اشعار کو نصیب ہوا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی عطاء خاص کے طور پر بیان بھی کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کی مناجات کے یہ چند اشعار ہی کافی ہیں۔

اے خداوند من گناہم بخش سوائے درگاہ خویش راہم بخش

اے میرے خدا میرے گناہ بخش دے۔ اپنی بارگاہ تک میری رہنمائی کر

روشنی بخش در دل و جانم پاک گن از گناہ پنہانم

میرے دل و جان میں روشنی کر دے اور پوشیدہ گناہ سے مجھے پاک کر دے

دلستانی و دلربائی کن بہ نگاہے گرہ کشائی گن

اپنے حسن سے میرے دل کو چھین لے۔ ایک نظر سے میری مشکل کشائی کر دے

در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچه می خواہم از تو نیز توئی

دونوں جہانوں میں تو ہی میرا پیارا ہے۔ اور جو چیز میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے

مناجات اور عشق الہی کے عنوان میں ایسا کلام کہاں ملے گا۔ یہی وہ عنصر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ”چیز“ کہا ہے۔

یہاں تک تو فارسی شاعری پر ایک طائرانہ نظر ہے اور فارسی شعر میں آپ حضرت کی منفرد اور ممتاز شان کو بیان

کیا گیا ہے۔

اب وقت آیا ہے کہ یہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے کہ فارسی شعر میں اساتذہ فن شعر جن کی پیمرانہ ادبی

شان گذشتہ میں رقم ہوئی ہے۔ ان کے اسلوب بیان اور پسندیدہ اصناف شعر کا کچھ ذکر ہو۔

اس حقیقت سے تو کسی صاحب نظر ادیب کو اختلاف نہیں ہوگا کہ مشرقی ادب، یعنی اُردو، فارسی اور عربی میں

بنیادی اور حقیقی اصناف ادب ایہات اور قصیدہ اور غزل ہی ہیں۔ گو اگر ان زبانوں کی شعری تاریخ نظر کی جائے تو

حقیقت میں قصیدہ ہی ایک ایسی صنف ادب ہے۔ جس کے بطن سے دیگر اصناف شعر رونما ہوئی ہیں۔

قصیدہ دراصل عربی ادب کا باوا آدم ہے۔ ابتدا میں اسی صنفِ شعر میں تمام دیگر اصنافِ شعر کے موضوعات شامل ہوتے تھے۔ جیسے کہ روایۃ اس کا اول حصہ تشبیہ کہلاتا تھا جس میں شاعر کے محبوب کا حسن و جمال اور اس کی محبت کا بیان ہوتا تھا جو کہ غزل کا موضوع ہے اور قصیدہ کے بطن میں ذاتی یا قومی تفاخر کا بیان ہوتا تھا، جس میں دیگر تمام اصنافِ شعر دستیاب ہو جاتے تھے۔ جن کو بعد میں آنے والے ادیبوں نے مستقل اصناف کے طور پر اختیار کر لیا تھا یعنی مثنوی، غزل، رباعی اور مدح و تفاخر وغیرہ۔

اس لیے اگر کہا جائے کہ مشرقی ادب کی بنیاد قصیدہ ہے تو بالکل بے جا نہیں ہوگا۔ تاہم اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا کہ قصیدے کے بطن سے جو دیگر اصنافِ شعر پیدا ہوئی ہیں وہ اپنی ارتقائی منازل کو طے کرنے کے بعد ایک مخصوص اور منفرد اسلوبِ بیان کے حامل ہو گئی ہیں اور اپنی اپنی ایک منفرد شان رکھتی ہیں۔ چنانچہ مثنوی یا ابیات کا ہیئت اور موضوعات کے اعتبار سے غزل اور قصیدہ سے کوئی اتحاد نہیں ہے اور نتیجۃً یہ تینوں بنیادی اصنافِ شعر اپنے اسلوب میں باہم دگر ممتاز اصنافِ شعر کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اسی حقیقت کی بنا پر ہم نے فیصلہ کیا کہ ان تین اصنافِ شعر میں حضرت اقدس اور دیگر اساتذہ شعر کو اس طور پر پیش کیا جائے تاکہ ان کے اسلوبِ شعر کی تعین بھی ہو جائے اور حضرت اقدس کا ان اقدارِ شعر کی پاسداری کرنا بھی ظاہر ہو جائے۔

اس سے قبل کہ ہم ان اصنافِ شعر میں اساتذہ شعرِ فارسی اور حضرت اقدس کے کلام کو تقابلی موازنہ کے لیے پیش کریں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ گو ہم نے اس غرض کے لیے ”ابلاغ رسالت“ کا موضوع انتخاب کیا ہے مگر کیونکہ فارسی زبان بولنے والی اقوام میں ہندو۔ سکھ اور عیسائی مذہب رکھنے والے باشندے نہیں ہیں اس لیے حضرت اقدس کے فارسی کلام میں ان سے خطاب نہیں کیا گیا تاہم ”کاسر صلیب“ ہونے کے اعتبار سے عیسائیوں پر ابلاغ دستیاب ہے۔ اور ایک دو مقامات میں ہندوؤں پر بھی ہے۔ ان کی دہریت کی بنا پر۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ شعری تقابل کے تعلق میں اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ ترجیحات شعری اور موضوعاتِ شعری سے صرف نظر کرتے ہوئے جائزہ لیا جائے کہ حضرت اقدس نے فارسی زبان کے اسالیبِ شعری کا کس حسن و خوبی سے التزام کیا ہے۔



ابیات

گذشتہ میں بیان شدہ اصناف شعر کی ترتیب کے مطابق ہم ”ابیات“ یعنی مثنوی کی صنف کو اڈل بیان کرتے ہیں۔ ابیات دراصل ”مثنوی“ کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس طرز کلام میں ہر شعر اپنی بحر اور وزن کے اتحاد کے باوجود اپنا جداگانہ قافیہ رکھتا ہے۔ اس لیے ان کو ابیات کا نام دیا گیا۔

مثنوی کے موضوعات تاریخی واقعات اور روایتی حکایات کے ساتھ اخلاقی اور صوفیانہ درس و تدریس بھی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی رزمیہ (یعنی قومی جنگ و جدل کا ذکر) بھی ہوتی ہے اور عشق و محبت کی داستانوں کے ساتھ صوفیانہ خیالات کے بیان کے لیے بھی اختیار کی جاتی ہے۔

فردوسی کی مثنوی رزمیہ ہے۔ شاہنامہ فردوسی کے نام سے مشہور عام ہے اور خالص زبان فارسی یعنی زبان پہلوی کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مضامین شاہان ایران کی تاریخ، جنگ و جدل اور روایتی قومی حکایات ہیں۔ دوسری مشہور عالم اور عظیم مثنوی جو مثنوی رومی کے نام سے معروف ہے۔ منازل سلوک اور دیگر صوفیانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ میرے خیال میں فارسی شاعری میں ابو سعید ابوالخیر کے بعد رومی اور سنائی ہی دو ایسے شاعر ہیں جو مجاز سے صرف نظر کرتے ہوئے منازل سلوک اور محبت الہی کو بیان کرتے ہیں اور ان کے حصول کا درس دیتے ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مثنوی واقعات کے بیان اور درس و تدریس کی صنف شعر ہے۔ اس لیے اسلوب بیان کے اعتبار سے اس کی قتی اقدار میں ترتیب بیان اور واردات ذہنی اور قلبی کو سلاست اور وضاحت سے بیان کرنا بنیادی اقدار ہیں اور یہی دو صفات ہیں جن کی بنا پر فردوسی اور رومی کی مثنویوں کو شاہکار اور لا جواب سمجھا جاتا ہے۔ فردوسی کے اشعار کو نمونہ کے طور پر پیش کرنے میں یہ مشکل تھی کہ اس کے موضوعات شعر حضرت اقدس کے موضوعات شعر سے یکسر مختلف ہیں تاہم تلاش بسیار کے بعد شاہ نامہ میں ایک ایسا بیان مل گیا ہے جو حضرت اقدس کا بھی دل پسند مضمون ہے یعنی ثناء باری تعالیٰ۔

فردوسی کہتا ہے:

خداوند نام و خداوند جائے خداوند روزی وہ رہنمائے
خدا اس کا نام ہے اور مالک کل اس کا منصب ہے روزی دینے اور رہنمائی کرنے کا مالک ہے
ز نام و نشان و گماں برترست نگارندہ بر شدہ گوہر ست
وہ نام و نشان اور قیاس سے بالاتر ہے وہ قیمتی موتیوں کو پیدا کرنے والا ہے

نیابد بدو نیز اندیشہ راہ کہ او برتر از نام و از جا نگاہ
 اس کی ہستی تک عقل کی رسائی نہیں کیونکہ وہ نام و نشاں سے بالاتر ہے
 خرد را و جاں را ہمیں سنجداو در اندیشہٴ سخنہ کے گنجد او
 عقل اور جسم اس سے زندہ ہے اس لیے ناقص خیال میں وہ کیسے سما سکتا ہے
 بہ ہستیش باید کہ نستو شوی ز گفتارِ بیکار یکسو شوی
 اس کی ہستی کے بارے میں بہتر ہے کہ اقرار کر لیا جائے اور بے کار گفتگو کو ترک کیا جائے
 توانا بود ہر کہ دانا بود ز دانش دلِ پیر برنا بود
 عقل مند انسان طاقت ور ہوتا ہے اور عقلمندی سے بوڑھے کا دل بھی جوان ہو جاتا ہے
 ازیں پردہ برتر سخن گاہ نیست بہ ہستیش اندیشہ را راہ نیست
 اس بیان سے بہتر کوئی بیان نہیں کہ اس کی ہستی تک عقل کی رسائی نہیں ہے
 اس کے مقابل پر مثنوی کی طرز پر حضرت اقدس کا فرمان مشاہدہ کریں۔

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار کز وجودش ہر وجودے آشکار
 اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا
 ایں جہاں آئینہ دارِ روئے او ذرہ ذرہ رہ نماید سوئے او
 یہ جہاں اس کے چہرے کے لیے آئینہ کی طرح ہے ذرہ ذرہ اسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے
 کرد در آئینہ ارض و سما آں رُخ بے مثل خود جلوہ نما
 اس نے زمیں و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلا دیا
 ہر گیا ہے عارفِ بنگاہ او دستِ ہر شانے نماید راہ او
 گھاس کا ہر پتہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اسی کا راستہ دکھاتی ہے
 نُورِ مہر و مہ ز فیضِ نُورِ اوست ہر ظہورے تابعِ منشورِ اوست
 چاند اور سورج کی روشنی اسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے
 ہر سرے سرے ز خلوتِ گاہ او ہر قدم جوید درِ با جاہ او
 ہر سر اُس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اسی کا با عظمت دروازہ تلاش کرتا ہے
 مطلبِ ہر دل جمالِ روئے اوست گمر ہے گمر ہست بہر کوئے اوست
 اسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچے کی تلاش میں ہے

اڈل تو عرفان ہستی باری تعالیٰ میں فردوسی سے بعد اور اختلاف ہے۔ فردوسی کے بیان میں ایک ناکامی اور لاحاصلی ہے۔ اس کے خیال میں باری تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرنی چاہیے۔ بہتر ہے کہ اس کی ہستی کو قبول کر لیا جائے۔

دوسری طرف حضرت اقدس ایک زندہ خدا کی ہستی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور کائنات کے ہر ذرہ کو اس ہستی کا گواہ ٹھہراتے ہیں اور انسان کی ہر تمنا اور مقصود کو دراصل باری تعالیٰ کی تلاش کا عمل قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی گمراہ بھی ہے تو بھی وہ عرفان باری تعالیٰ کی تلاش ہی میں گم گشتہ راہ ہے۔

عرفان باری تعالیٰ میں فردوسی کی اس کم مائیگی کا جواز ہے کہ وہ حضرت کی طرح سے عارف باللہ اور واصل باللہ انسان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اشعار میں تاثیر نہیں۔ شعر کا ابلاغ کامل تاثیر سے ہوتا ہے اور تاثیر صرف موضوع یا مواد سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ شعر ہونے کے ناطے سے الفاظ اور تراکیب کا حسین اور دل فریب ہونا اس کی تخلیق کا باعث ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ صاحب شعر کے جذبات قلبی اور مشاہدات روحانی اس کی اپنی واردات عشق و محبت ہوں۔

مثنوی کے اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی مشاہدہ کریں کہ فردوسی کے بیان میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔ مضامین میں تکرار ہے اور ترکیب لفظی کے اعتبار سے کلام میں بندش کی خوبی اور اس کا حسن و جمال بالکل مفقود ہے۔ ایک تکنیکی طرز بیان ہے اور اس کے حاصل کلام شعر (جو کہ ایرانی تہذیب میں مقبول عام ہے)

توانا بود ہر کہ دانا بود ز دانش دل پیر برنا بود

اپنی معنوی اور لفظی بندش کی خوبی کے باوجود موضوع کلام سے بے تعلق ہے

ابیات اور مثنوی کے اسلوب کے بیان میں ہم نے مولانا رومی کو شامل کیا ہے۔ کیونکہ آپ کی مثنوی بھی فارسی شعر میں شاہکار سمجھی جاتی ہے۔

واصلین باری تعالیٰ کے مناقب کے بیان میں مولانا رومی کہتے ہیں۔

بندگانِ خاصِ علامّ الغیوب در جہاں جانِ جوایس القلوب

اس خدائے عالم غیب کے خاص بندے روحانیت کی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

بازل خوش باجل خوش شاد کام فارغ از تشنیع و گفتِ خاص و عام

وہ مشیت ازلی پر راضی اور اجل سے خوش ہوتے اور خاص و عام کے طعن و تشنیع سے بے پرواہ رہتے ہیں۔

کار ایشاں است ز اں سوی بری گردوت روشن چو گردِ رہ بری
ان کے معاملات عیب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت تجھ پر اس وقت کھلے گی جب تو انکی گمراہ حاصل کرے گا۔
نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک ہیں باشی اگر اہل دلی
ولی (خدا کے دوست) کی ذات سے خدا کا نور آشکار ہوتا ہے۔ اگر تو اہل دل ہے تو اُن سے نیک گمان رکھ۔
کاں گروہی کے رہیدند از وجود چرخ و مہر و ماہِ شاں آرد سجود
جو لوگ اپنی ہستی مٹا دیتے ہیں آسمان اور چاند سورج ان کو سجدہ کرتے ہیں۔
ہر کہ مُرد اندر تن اُو نفسِ گہر مرورا فرماں برد خورشید و ابر
جن کے تن کے اندر نفسِ کافر مر جاتا ہے۔ آفتاب و ابر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔
چوں دلش آموخت شمع افروختن آفتاب اُو را نیارد سوختن
جنھوں نے محبت کی شمع جلانا سیکھ لی اُن کو آفتاب بھی نہیں جلا سکتا۔
اولیا راہست قدرت از اِلہ تیر جستہ باز گرداند زِ راہ
خدا نے اپنے دوستوں کو یہ طاقت دی ہے کہ کمان سے چھوڑے ہوئے تیر کو راہ سے لوٹا سکتے ہیں۔
چوں قبولِ حق بود آں مردِ راست دست او در کارہا دستِ خداست
چونکہ ولی خدا کا مقبول ہوتا ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے۔
جہل آید پیش اُو دانش شود جہل شد علمی کہ در ناقص رود
جہل اس کے حضور میں علم سے مبدل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف ناقص سے منسوب ہو کر علم بھی جہل بن جاتا ہے۔
اس مضمون میں حضرت اقدسؑ کا کلام بھی سُن لیں

چو صوفِ صفا در دل آمیختند مداد از سوادِ عیوں ریختند
جب صفائی کا صوفِ دل میں ملاتے ہیں تو آنکھوں کی سیاہی سے روشنی ڈالتے ہیں
دو چیز است چوپانِ دُنیا و دیں دلِ روشن و دیدہٴ دُور ہیں
دو چیزیں دین و دُنیا کی محافظ ہیں۔ ایک تو روشن دل دوسرے دُور اندیش نظر
خدا راست آں بندگانِ کرام کہ از بہر شاں مے کند صبح و شام
خدا کے نیک بندے ایسے بھی ہیں جن کے لیے خدا صبح و شام کو پیدا کرتا ہے
بدنباں چشمے چو مے بنگرند جہانے بدنباں خود مے کشند
جب وہ کن آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایک جہاں کو اپنے پیچھے کھینچ لیتے ہیں

اثر ہاست در گفتگو ہائے شاں چکد نور وحدت ز رو ہائے شاں

اُن کے کلام میں اثر ہوتا ہے اور اُن کے چہروں سے توحید کا نور ٹپکتا ہے

در او شاں بہ اظہار ہر خیر و شر نہادست حق خاصیت مستتر

ان میں نیکی اور بدی کے اظہار کے لیے خدا تعالیٰ نے مخفی خاصیت رکھ دی ہے

بگفتن اگرچہ خدا عیستد ولے از خدا ہم جدا عیستد

اگرچہ کہنے کو وہ خدا نہیں ہیں۔ لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں

کسے راکہ او ظل یزداں بود قیاس بخود جہل و طغیاں بود

جو شخص خدا کا ظل ہو اس کو اپنے پر قیاس کرنا جہالت اور سرکشی ہے

فردوسی کے نمونہ کلام کے بارے میں تو چند لفظی تجزیہ بیان ہو چکا ہے مولانا رومی کے بیان میں بھی یہ بات عیاں ہے کہ اس میں کیفیت کے بیان میں تسلسل اور باہم رابط کا فقدان ہے اور شعری حسن و خوبی کے اجزاجن سے شعر میں حسن و جمال پیدا ہوتا ہے نمودار نہیں ہوئے یہی وجہ ہے کہ باوجود روحانی موضوعات سے ذہنی مناسبت کے ان کا کلام ایک تکنیکی انداز کا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ایک واعظ اور مدرس علمی اعتبار سے عاشقان الہی کا منصب بیان کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس سلوک کی راہ میں قرآن کریم کو اول مقام دیتے ہیں اور تمام مسالک سلوک کو قرآن کریم کی تربیت کے تابع کرنا چاہتے ہیں اور بہت درد سے فرماتے ہیں۔

دردا کہ حسن صورت فرقاں عیاں نماںد آں خود عیاں مگر اثر عارفاں نماںد

انفس ہے کہ قرآن کے چہرہ کا حسن ان پر ظاہر نہیں ہوا۔ مگر واقعہ یہ ہے وہ تو ظاہر ہے مگر صاحب عرفان ختم ہو گئے ہیں

اور بہت تاکید سے فرماتے ہیں کہ تمام دیگر آداب طریقت کو چھوڑ کر قرآن کریم کی تعلیم کو اختیار کرو۔ جیسے فرمایا:

بگذار وردِ مثنوی و شغلِ غزل و شعر ایں خود چہ چیز ہست اگر قدر آں نماںد

مثنوی کے ورد کو ترک کرو اور غزل و شعر میں مشغول نہ رہو ان کی اپنی ذات میں کوئی حیثیت نہیں اگر قرآن کی قدر نہ کی جائے

مولانا رومی کے مقابل پر حضرت اقدس کے کلام کو مشاہدہ کریں یہاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشق صادق

اپنی قلبی واردات اور مشاہدات کو بیان کر رہا ہے اور وہ تمام صفات جو اصل باللہ انسان میں عملی طور پر پیدا ہو جاتی

ہیں ان کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ اس شعر کے حسن و خوبی کو دیکھیں۔ فرماتے ہیں:

بدنبال چشمتے چو مے بنگرند جہانے بدنبال خود مے کشند

جب وہ اپنی آنکھ کے کنارے سے نظر کرتے ہیں تو ایک جہان کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں

فارسی میں ”دنبال چشم“ آنکھ کے کنارے کو کہتے ہیں آنکھ کا وہ حصہ جس میں سرمہ لگاتے وقت سرمے کو طویل کر دیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر ایسی آرائش چشم کو ”سرمہ دنبالہ دار“ کہتے ہیں (ایسی کیفیت چشم کو کن آنکھوں سے دیکھنا بھی کہتے ہیں)۔ مگر کسی اور زبان کی ترکیب لفظی سے وہ معنوی دلائل پیدا نہیں ہو سکتیں جو ”دنبال چشم“ نے پیدا کی ہیں۔ اس ترکیب لفظی میں استعنیٰ اور محویت اور غیر اللہ سے انقطاع کا انداز بھی ہے۔ ایک انداز محبوت بھی ہے اور بہت کچھ ہے جس کو آپ کے عاشق ہی سمجھ سکتے ہیں۔
دوبارہ سن لیں۔

بدنبال چشمے چومے ہنگرند

جہانے بدنبال خودمے کشند

اسلامی دنیا میں واقعاتی طور پر تو یہ حادثہ دوسرے ہی ہوا ہے اول ہمارے آقا اور ہادی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کہ آپ نے ایک نظر سے ایک جہان کو اپنا غلام بنا لیا اور دوسرے آپ کے نائب اور مثیل حضرت اقدس علیہ السلام کے وقت میں کہ ایک نیم و چشم سے ایک جہاں کو اپنی محبت میں مبتلا کر دیا۔ یہ امر ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سب سے بڑھ کر محبت کا جذبہ پیدا نہ کیا ہو اور ایسا حکم صادر فرما دے۔ یہی تحفہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا۔

وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَ لَتُضَنَّ عَلَى عَيْنِي (طہ: 40)

اور پھر حضرت اقدس کو یہ نوید عطا کی جیسا کہ الہام حضرت اقدس میں فرمایا:

وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَ لَتُضَنَّ عَلَى عَيْنِي

آپ حضرت اس الہام کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اور اپنی طرف سے تجھ میں محبت ڈال دی تا میرے روبرو تجھ سے نیکی کی جائے۔“

(تذکرہ صفحہ 72- مطبوعہ 2004ء)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”اپنی طرف سے میں نے تجھ پر محبت ڈال دی یعنی تجھ میں ایک ایسی خاصیت رکھ دی کہ

ہر ایک جو سعید ہو گا وہ تجھ سے محبت کرے گا اور تیری طرف کھنچا جائے گا۔ میں نے ایسا کیا تاکہ تو

میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاوے اور میرے روبرو تیرا نشوونما ہو۔“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ وہ عظیم الشان تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام عاشقان الہی کو عطا کیا ہے اور حقیقی عاشقان الہی انبیاء اور مرسلین

نبی ہوتے ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ
إِلَيْكُمْ مِنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة: 24)

حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں
اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے
بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دلپسند ہیں خدا سے اور اس کے رسول
سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو تم اُس وقت تک منتظر رہو
کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اسی فرمانِ خداوندی کی تصدیق میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں ہیں جس
میں وہ ہوں، وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرے گا۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ
باقی تمام چیزوں سے اسے زیادہ محبوب ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے
محبت کرے اور تیسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کفر سے نکل آنے کے بعد پھر کفر میں لوٹ
جانے کو اتنا ناپسند کرے جتنا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہو۔

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ آپ کا یہ بیان وارداتی اظہارِ منصب ہے نہ کہ شاعرانہ موزوں کلامی۔ خاکسار یقین
سے کہہ سکتا ہے کہ واصلین باری تعالیٰ کے مناقب بیان کرنے میں حضرت اقدسؒ کے یہ چند اشعار اسلامی ادب
کے شاہکار ہیں اور ان کے مقابل پر کسی کے کلام کو تلاش کرنا ایک بے سود عمل ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بہت سے عاشقانِ باری تعالیٰ نے فارسی زبان میں روحانی مشاہدات اور قلبی
واردات کا ذکر کیا ہے جیسے سنائی۔ عطار۔ اور رومی اور اس نوع کے دیگر شعراء ہیں مگر تصوف اور سلوک کے مضامین کو
بیان کرنے میں یہ خصوصیت کہ صاحبِ شعر روحانی مناقب کو ذاتی وارداتِ قلبی اور مشاہداتِ روحانی کے طور پر بیان
کر رہا ہو اسلامی ادب میں ایک ایسا منصب ہے جو کسی اور صاحبِ شعر کو نصیب نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام

میں ادبی خوبی کے باوجود وہ تاثیر نہیں جو کہ ایک عاشق صادق کے کلام میں ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ اُن کا کلام کوئی حقیقی جذبہ اور قلبی حرکت پیدا نہیں کرتا و عجز اور درسِ مکتب کی حد تک ہی رہتا ہے۔

حضرت اقدس نے اپنے کلام کی اس منفرد اور ممتاز کیفیت کو کہ یہ ایک عاشق صادق اور واصل باللہ کا کلام ہے بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

من نہ واعظ کہ عاشق زارم آید از طورِ واعظان عارم
میں ایک واعظ نہیں بلکہ عاشق زار ہوں اور واعظوں کے طریق سے مجھے عار ہے
نزد بیگانگان جنوں زدہ ام نزد معشوق نیک ہشیارم
غیروں کے نزدیک میں جنون میں مبتلا ہوں مگر معشوق کے نزدیک میں بہت ہوشیار ہوں
اور اس شعر کے حسن و خوبی کو بھی دیکھیں۔

فرماتے ہیں:

رائے واعظ اگر چہ رائے من است

لیک عشق تو بندِ پائے من است

اگر چہ میری رائے بھی وہی ہے جو واعظ کی رائے ہے مگر تیرے عشق کی بیڑی میرے پاؤں

میں پڑی ہوئی ہے۔

پیش کردہ نمونے کے اشعار کے باہم دگر قابل پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ فارسی ابیات میں حضرت اقدس کا منصب کس قدر بلند ہے اور یہ کہ آپ کس شان سے اسالیبِ شعرِ فارسی کی پاسداری کرتے ہوئے اساتذہِ شعر کے ہم پلہ ہی نہیں بلکہ بدرجہا بہتر ہیں۔

مثنوی کی صنفِ شعر میں اس فن کے اساتذہ سے حضرت اقدس کے کلام کا تقابلی موازنہ تو پیش کیا جا چکا ہے مگر کیونکہ ہم نے اس موضوع میں ”ابلاغ رسالت“ کے عنوان میں اشعار پیش کرنے کا دستور اختیار کیا ہے اس لیے ہم چند ایک مثالیں اس موضوع پر آپ حضرت کی فارسی ابیات میں پیش کرتے ہیں۔

مرسلین باری تعالیٰ ابلاغ رسالت دو طور سے کرتے ہیں۔

اول عقلی براہین اور خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق اور اُس کی صفات سے متصف ہونے کو ثابت کر کے۔ اس طرز پر

حضرت اقدس کی تحریر اور تقریر میں ایک ضخیم خزانہ موجود ہے۔

دوسرے طور پر اپنی صداقت پر خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر یعنی یہ اعلان کر کے کہ اُن کی صداقت کی شہادت خدا تعالیٰ سے طلب کرو۔

دوسرے طور کی شہادت اس قدر قوی اور مستحکم ہوتی ہے کہ اُس کے بعد کسی عقلی اور منطقی استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔

یہ شہادت یا تو الہام الہی اور القاء قلبی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے یا مبالغہ کے ذریعہ سے یعنی مرسلین باری تعالیٰ خدا تعالیٰ سے اذن حاصل کر کے اپنے صدق کا ظہور مانگتے ہیں۔

الہام اور القاء کے تعلق میں تو حضرت اقدس سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس ذریعہ سے آپ کی دعاوی پر ایمان لانے والوں کی ایک جماعت آپ کو عطا کرے گا۔ چنانچہ یہ الہام الہی آپ پر بہت مرتبہ ہوا

”ینصرک رجالٌ نوحی الیہم من السماء“

(تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم اپنی طرف سے الہام کریں گے)

(تذکرہ صفحہ 39، 195، 295، 301، 535، 541، 621، 623۔ مطبوعہ 2004ء)

چنانچہ آپ کے سب غلام اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ اُن کے باپ دادوں نے اور آپ کے وقت میں تمام اصحاب نے خدا تعالیٰ سے خبر اور یقین حاصل کر کے آپ کی تصدیق کی۔

یہی بات حضرت اقدس نے کس خوبصورتی سے بیان کی ہے فرماتے ہیں:-

عزیزاں سے دہم صدبار سوگند بروئے حضرت داوار سوگند
اے دوستو میں تمہیں سینکڑوں قسمیں دیتا ہوں اور جناب الہی کی ذات کی قسمیں دیتا ہوں
کہ درکارم جواب از حق بجوئید بہ محبوب دل ابرار سوگند
کہ میرے معاملہ میں خدا سے ہی جواب مانگو۔ میں تمہیں نیکیوں کے دلوں کے محبوب کی قسم دیتا ہوں
کس قدر درد اور غم سے بھرا ہوا بیان ہے اپنے صدق پر خود ہی گواہ ہے یعنی یہ کہ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی
سے میرا صدق طلب کرو

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

دو چشمِ خویش صفا کن کہ تا رخم بینی وگرنہ پیش تو صد عدل ہم جفا باشد
اپنی دونوں آنکھیں صاف کرتا کہ میرا چہرہ دیکھ سکے ورنہ تیری نظر میں تو ہر انصاف ہی ظلم دکھائی دے گا
مرا بریں تخم آں فضول عیب کند کہ بے خبر ز رہ و رسم دین ما باشد
میری اس بات میں وہ فضول گو عیب نکالتا ہے جو ہمارے دین کی راہ و رسم سے بے خبر ہے

کجاست ملہم صادق کہ تا حقیقت ما
 برو عیاں ہمہ از پردہ خفا باشد
 ایسا ملہم صادق کہاں ہے کہ جس پر ہماری حقیقت پردہ حجاب میں سے بھی ظاہر ہو
 ابیات کی صنف میں بہت سے زرو جواہر پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس اسلوب شعر پر حضرت اقدس کے
 منصب عالی کو مزید ظاہر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ تاہم اس خیال کے پیش نظر کہ ہم نے چند ایک
 موضوعات شعری اس مضمون کے تحت پیش کرنے کا دستور بنایا ہے۔ ابیات میں کچھ ذیلی موضوعات کے اشعار
 بھی آپ کو سناتے ہیں۔

اوّل حضرت اقدس کے کلام میں آپ حضور کے عقائد کا اعلان سن لیں۔ ابلاغ رسالت میں یہ عنوان اوّل
 مقام رکھتا ہے۔

فرماتے ہیں:

ماملما نئم از فضلِ خدا مصطفےٰ ما را امام و مقتدا
 ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ محمد مصطفےٰ ہمارے امام اور پیشوا ہیں
 اندریں دیں آمدہ از مادریم ہم بریں از دارِ دُنیا بگذریم
 ہم ماں کے پیٹ سے اسی دین میں پیدا ہوئے اور اسی دین پر دُنیا سے گذر جائیں گے
 آں کتابِ حق کہ قرآن نام اوست بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
 خدا کی وہ کتاب جس کا نام قرآن ہے ہماری شرابِ معرفت اُسی جام سے ہے
 آں رسولے کش محمد ہست نام دامنِ پاکش بدستِ ما مدام!
 وہ رسول جس کا نام محمد ہے۔ اُس کا مقدس دامن ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے
 مہر او باشیر شد اندر بدن جان شد و باجان بدر خواہد شدن
 اُس کی محبت ماں کے دودھ کے ساتھ ہمارے بدن میں داخل ہوئی وہ جان بن گئی اور جان کے ساتھ ہی باہر نکلے گی
 ہست او خیر المرسل خیر الانام ہر نبوت را برو شد اختتام
 وہی خیر المرسل اور خیر الانام ہے اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اُس پر ہوگی
 مازو نوشیم ہر آبے کہ ہست زوشده سیراب سیرابے کہ ہست
 جو بھی پانی ہے وہ ہم اُسی سے لے کر پیتے ہیں جو بھی سیراب ہے وہ اُسی سے سیراب ہوا ہے
 آنچہ مارا وحی و ایمائے بود! آں نہ از خود از ہماں جائے بود!
 جو وحی و الہام ہم پر نازل ہوتا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں وہیں سے آتا ہے

ما ازو یایم ہر نور و کمال! وصلِ دلدارِ ازل بے او محال
ہم ہر روشنی اور ہر کمال اسی سے حاصل کرتے ہیں محبوبِ ازل کا وصل بغیر اُس کے ناممکن ہے
اقتدائے قولِ او در جانِ ماست ہرچہ زُو ثابت شود ایمانِ ماست
اُس کے ہر ارشاد کی پیروی ہماری فطرت میں ہے جو بھی اس کا فرمان ہے اس پر ہمارا پورا ایمان ہے

عیسائیوں پر ابلاغِ رسالت

ہر کہ در راہِ محمدؐ زد قدم انبیاء را شد مثیل، آں محترم
جس نے محمد کے طریقہ پر قدم مارا۔ وہ قابلِ عزت شخصِ نبیوں کا مثیل بن جاتا ہے
تو عجب داری زِ فوزِ ایں مقام پائے بندِ نفسِ گشتہ صُح و شام
تو اس درجہ کی کامیابی پر تعجب کرتا ہے کیونکہ تو ہر وقت اپنے نفس کا غلام ہے
اے کہ فخر و ناز بر عیسیٰ تراست بندۂ عاجزِ پچشم تو خداست
اے وہ شخص کہ تجھے عیسیٰ پر فخر اور ناز ہے اور خدا کا ایک عاجز بندہ تیری نظر میں خدا ہے
شد فراموشت خداوندے و دود پیشِ عیسیٰ او فتادی در سجد
تجھے خدائے شفیق بھول گیا اور تو عیسیٰ کے آگے سجدہ میں گر گیا
من ندانم ایں چه عقل است و ذکا بندۂ را ساختن ربُّ السما
میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسی عقل اور ذہانت ہے کہ ایک بندہ کو خدا بنایا جائے
فانیاں را نسبتے با او گجا از صفاتِ او کمال است و بقا
فانی انسانوں کو خدا سے کیا نسبت اس کی صفت تو کامل ہونا اور ہمیشہ رہنا ہے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی منصب دینے کے جواب کو بھی سُن لیں۔

در آں ابنِ مریمِ خدائی نبود زِ موت و زِ فوٹش رہائی نبود!
اُس ابنِ مریم میں خدائی نہ تھی۔ کیونکہ موت و فوت سے اُسے رہائی حاصل نہ تھی
رہا کرد خود را زِ شرک و دوئی توہم گن چنیں ابنِ مریم توئی!
اُس نے اپنے تئیں شرک اور دوئی سے آزاد کر لیا تھا تو بھی ایسا کر۔ ابنِ مریم تو بھی بن جائے گا

کتنا پیارا استدلال ہے یہ کہ جو بھی شرک سے کامل پاک ہو جاتا ہے وہ ابنِ مریم ہوتا ہے۔

آخر پر ہندوؤں اور دہریوں پر ابلاغ رسالت کا مشاہدہ کریں۔ جیسا کہ ہندو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ روح اور مادہ ہمیشہ سے ہے اور مخلوق نہیں۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اے زِ تعلیم وید آوارہ منکر از فیض بخشِ ہموارہ
 اے کہ تو وید کی تعلیم کی وجہ سے گمراہ ہو گیا ہے اور دائمی فیض رساں خدا کا منکر ہے
 آں قدیرے کہ نیست زو چارہ نزد تو عاجز ست و ناکارہ
 وہ قادر جس کے سوا کسی کا گزارہ نہیں ہے تیرے نزدیک عاجز اور ناکارہ ہے
 بشنوی گر بود بحق رُوئے شورِ قَالُوا بَلٰی زِ ہر سُوئے
 اگر تیرا منہ خدا کی طرف ہو تو تُو ضرور سُنے گا ہر طرف سے قالوا بلی کا شور
 آنکہ باذاتِ او بقاؤ حیات چوں نباشد بدلیجِ ما آں ذات
 وہ کہ جس کی ذات سے ہر بقا اور زندگی وابستہ ہے وہ ذات ہماری خالق کیوں نہیں ہو سکتی
 ناتوانی ست طورِ مخلوقات گے خدا ایں چنین بود ہیہات
 کمزوری تو مخلوقات کا خاصہ ہے مگر خدا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ افسوس!
 گے پسند خرد کہ ربّ قدیر ناتواں باشد وضعیف و حقیر
 عقل کب پسند کرتی ہے کہ قادر خدا کمزور وضعیف اور حقیر ہو



قصیدہ

قبل میں ابیات کی صنفِ شعر میں حضرت اقدسؑ کے اسلوب بیان کو اساتذہ کلام سے تقابل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

یہ مضمون قدرے مفصل ہو گیا ہے اس کے جواز میں اوّل یہ عرض ہے کہ ہم نے اس بیان میں اصولی اعتبار سے حضرت اقدس کے کلام کی منفرد اور ممتاز عظمت کو عمومی طور پر پیش کر دیا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فارسی سرمایہ شعر میں ابیات کی صنف اپنی وسعت بیان اور فنی اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ فارسی شعر میں مثنوی کے طرز میں لاتعداد کلام ہے۔

تاریخ۔ وعظ و نصیحت۔ عشقیہ حکایات اور اخلاقیات سب اس صنف کے موضوعات ہیں اس لیے فارسی شاعری کی فنی اقدار اور کلاسیکی اسلوب زبان کی تعیین بہت حد تک اسی صنف شعر کی مرہون منت ہے۔ فردوسی رومی۔ سعدی اور عبدالرحمن جآمی اور اس منصب کے بہت سے شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کر کے اساتذہ فنی شاعری کہلاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں مثنوی کی طرز نگارش فارسی اسلوب بیان کا ایک مستحکم ستون ہے۔ شاید فارسی شاعری کی اسی روایت پر چلتے ہوئے حضرت اقدسؑ کا فارسی کلام بھی نصف یا اس سے کچھ کم و بیش اسی صنف شعر میں وارد ہوا ہے۔ طوالت کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

یہی چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم نے ”ابیات“ یعنی مثنوی کی صنف کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ فارسی ادب میں ”ابیات“ کے بعد قصیدے کا مقام ہے۔ جیسا کہ گذشتہ میں بیان شدہ قطعہ میں کہا گیا ہے

ابیات و قصیدہ و غزل را

فردوسی و انورسی و سعدی

دراصل فارسی شعر میں ابیات اور قصیدہ ہی دو ایسی اصناف ہیں جن سے دیگر اصناف شعر نے جنم لیا ہے کیونکہ ان دو اصناف شعر میں غزل اور مرثیہ۔ رباعی اور قطعہ اور دیگر اصناف رزم و بزم کے مضامین بھی شامل ہوتے ہیں۔ قصیدہ عربی شاعری کی اہم ترین صنف ہے فارسی زبان میں اسی توسط سے آیا ہے۔ حقیقت میں فارسی اور اردو شاعری نے عربی قصیدہ میں ہی جنم لیا ہے اور ان کی تمام اصناف شعر اسی عربی صنف شعر کی رہین منت ہیں۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے اس کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اور باقی اشعار میں مصرعہ ثانیہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ ادب عربی کے دستور کے مطابق اس کا اوّل رکن ”تشبیہ“ کہلاتا ہے جس میں تذکرہ شباب اور محبوب کی صفات بیان ہوتی ہیں۔

دوسرا رکن ”گریز“ کہلاتا ہے یعنی اوّل ذکر کے بعد چند اشعار میں روئے سخن ممدوح کی طرف کیا جاتا ہے اور تیسرے رکن میں ”مدح“ کو بیان کیا جاتا ہے اور چوتھے مرحلے پر دعا ہوتی ہے کہ ممدوح کی عمر دراز ہو اور فتح و کامرانی نصیب ہو اور مطلوب بھی بیان ہوتا ہے۔

فنی اعتبار سے قصیدے کا یہی ڈھانچہ (STRUCTURE) ہے جو قدیم سے اس وقت تک قائم ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ فارسی شاعری عربی شاعری کی پروردہ ہے اور اردو شاعری نے ان دونوں زبانوں کی آغوش میں پرورش پائی ہے اسی لیے وراثت کے طور پر فارسی اور اردو شاعری کا اسلوب ادب عربی نقش و نگار رکھتا ہے۔ تاہم فارسی زبان تک پہنچنے تک قصیدے کی وہ ہیئت نہیں رہی جو عربی کلاسیکی ادب میں تھی۔ اس تبدیلی کی اہم وجہ تو یہ ہے کہ فارسی زبان میں قصیدہ سلاطین کے دربار سے وابستہ ہو گیا اور بادشاہوں کی مدح سرائی اس کا اولین موضوع بن گیا اس لیے عربی دستور کے مطابق تشبیہ اور گریز کی ضرورت نہ رہی البتہ مدح اور حسن طلب اور دعا کے عناصر قائم رہے۔

ایک وجہ اختلاف یہ بھی ہے کہ فارسی زبان کے قصیدہ نگاروں نے صرف مدح و ستائش اور تقاضا کے موضوع سے کنارہ کشی کرتے ہوئے دیگر موضوعات پر بھی قصائد تخلیق کئے ہیں۔

یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر فارسی قصیدے کی ہیئت بھی تبدیل ہوئی اور اس کو موضوعات کی وسعت بھی نصیب ہوئی نتیجہً ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی اساتذہ شعر نے مدیہ قصائد کے ساتھ دیگر موضوعات پر بھی قصائد تخلیق کئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو قصائد مدیہ نہیں اور دیگر موضوعات پر ہیں ان ہی کی بنا پر انوری اور خاقانی جیسے عظیم المرثبت شاعروں نے اپنے ہنر کو پیش کیا ہے اور ادب فارسی کے شاہکار تخلیق کر کے داد تحسین لی ہے اور اساتذہ شعر کہلائے ہیں۔

انوری کا وہ قصیدہ جو اس نے تاتاریوں کے حملہ کے بعد خراسان کی بدامنی کے بیان میں لکھا ہے۔ فارسی ادب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

بر سمرقند اگر بگذری ای بادِ سحر نامہ اہل خراسان بہ برخاقان بر

اے صبح کی ہوا! اگر تو سمرقند سے گزرے تو اہل خراسان کا عریضہ خاقان کی خدمت میں پہنچا دینا۔

نامہ مطلع آں رنج تن و آفتِ جاں نامہ مقطع آں درد دل و خونِ جگر

ایسا عریضہ جس کا آغاز جسمانی رنج و درد اور روحانی تکلیف سے ہے۔ جس کا اختتام درد دل اور

خونِ جگر پر ہے۔

نامہ بر نقش آہ عزیزاں پیدا نامہ در شکنش خون شہیدان مضمّر
ایسا عریضہ جس کی تحریر سے عزیزوں کی آہیں ظاہر ہیں اور جس کی شکن میں شہیدوں کا خون مضمّر ہے
اور خاقانی کا قصیدہ جو ”خرابہ مدائن“ کے عنوان سے مشہور ہے اور جو اس نے شاہان ایران کے محلات کی
تباہی اور ان کے کھنڈرات کو دیکھ کر لکھا تھا وہ بھی فارسی ادب کا شاہکار ہے
اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

ہاں ای دل عبرت بین از دیدہ نظر کن ہاں ایوانِ مدائن را آئینہ عبرت داں
ہاں اے دل عبرت والی آنکھوں سے دیکھ اور مدائن کے محل کو عبرت کا آئینہ جان۔
یک رہ ز رہ دجلہ منزل بدمدائن کن از دیدہ دوم دجلہ برخاکِ مدائن راں
ذرا در یائے دجلہ کی راہ سے مدائن میں گزرا اور آنکھوں سے ایک دوسرا دجلہ مدائن کی خاک پر بہا۔
خود دجلہ چناں گریہ صد دجلہ خون گوئی کز گرمی خونابش آتش چکد از مژگاں
خود دجلہ مدائن کی ویرانی پر خون کے سینکڑوں دریا بہاتا ہے۔ گویا اشکِ خون کی گرمی سے اس کی
پلکوں سے آگ برستی ہے۔

جیسا کہ گذشتہ شعر میں بیان ہوا ہے کہ قصیدہ میں انورسی کی پیغمبرانہ شان ہے۔ میں نے اس کو وسیع کر کے
خاقانی کو بھی شامل کر لیا ہے کیونکہ فارسی قصیدہ میں یہ دونوں اوّل مقام کے فنکار ہیں اور ان کا ذکر صرف اس لئے
کیا گیا ہے کہ حضرت اقدس کے فارسی قصائد کے نمونے پیش کرنے سے قبل فارسی قصیدہ کے اسالیب ادب کا
کچھ تعارف ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ قصیدہ کی صنف صرف مدح و ستائش کے بیان میں محدود نہیں۔
دیگر موضوعات بھی اس کے دائرہ سخن میں آتے ہیں۔

قبل میں جو اساتذہ کے نمونے پیش کئے گئے ہیں وہ وطن کی محبت کے جذبات کے اظہار میں ہیں۔ حضرت
اقدس کے قصائد کے موضوعات خالصتاً محبتِ الہی اور دین اسلام کی صداقت اور مسلمانوں کی دین کی طرف سے
غفلت کے بیان میں ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں۔

بتاج و تختِ زمیں آرزو نئے دارم نہ شوقِ افسرِ شاہی بدل مرا باشد
میں کسی زمینی تاج و تخت کی خواہش نہیں رکھتا نہ میرے دل میں کسی بادشاہی تاج کا شوق ہے
مرا بس است کہ ملکِ سما بدست آید کہ مُلک و مُلکِ زمیں را بقا کجا باشد
میرے لیے یہی کافی ہے کہ آسمانی بادشاہت ہاتھ آجائے کیونکہ زمینی ملکوں اور جاں دادوں کو بقا نہیں ہے

حوالتم بفلک کردہ اند روزِ نخست کونوں نظر بتناعِ زمیں چرا باشد
 جبکہ خدا نے مجھے روزِ اوّل سے آسمان کے حوالہ کر دیا ہے تو اب دنیاوی پونجی پر میری نظر کیونکر پڑ سکتی ہے
 مرا کہ جنتِ علیاست مسکن و ماویٰ چرا بجز بلبلہٗ این نشیب جا باشد
 جب کہ میرا مسکن و ماویٰ جنتِ الفردوس ہے تو پھر میرا ٹھکانہ اس گڑھے کی گُوڑی میں کیوں ہو
 البتہ سعدی کا قصیدہ جو خلافتِ عباسیہ کے زوال کے غم میں لکھا گیا ہے۔ گواپنے موضوع میں متحد نہیں۔ مگر
 چند اعتبار سے باہم دگر تعلق رکھتا ہے۔

اوّل یہ کہ حضرت اقدس نے سعدی کی زمین اور قافیہ کا اتباع کیا ہے اور دوم یہ کہ دونوں کو امتِ مسلمہ کی
 زبوں حالی کا غم ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ سعدی عباسی خلافت کی دنیوی شان و شوکت کے زوال کو امتِ مسلمہ کا
 زوال سمجھ کر اپنے غم کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور آپ حضرت، سعدی کے جذباتِ غم و غصہ کا رخ موڑ کر یہ فرما رہے
 ہیں کہ اسلام کا زوال دنیا کی جاہ و حشمت کے زوال سے نہیں ہوگا بلکہ اسلام کی حقیقی تعلیم کو بھلا کر اور رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور غیرت کے زوال سے ہوگا
 اوّل سعدی کا اقتباس مشاہدہ کریں۔

آسمانِ راحق بود گر خونِ ببارد بر زمین مستعصم امیر المومنین
 ترجمہ: امیر المومنین مستعصم باللہ (خلیفہ بغداد) کی حکومت کے زوال پر آسمان زمین پر خون کا اینہ برسائے تو بجا ہے
 ای محمدؐ گر قیامت می براری سرز خاک سر بر آرویں قیامت در میان خلق ہیں
 اے رسولؐ خدا اگر آپ قیامت میں قبر پاک سے سر اٹھائیں گے تو اب اٹھائیے کیونکہ دنیا میں
 قیامت برپا ہوگئی

نازِ نینانِ حرم را موجِ خونِ بے دریغ ز آستانِ بگذشت و مارا خونِ چشم از آستین
 حرمِ خلافت کے نازک انداموں کے خون کی موجیں آستانے سے باہر نکل گئیں اور اس غم میں ہماری
 آنکھوں کا خون آستین سے بہنے لگا۔

زہ نہار از دور گیتی و انقلابِ روزگار در خیالِ کس نہ گشتے کا پنجاں گرد و چینس
 گردشِ فلک اور انقلابِ روزگار سے خدا کی پناہ! یہ بات کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی کہ اس
 عروج کا یوں زوال ہوگا۔

دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکتِ بیتِ الحرم قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقانِ برز میں
 اے شخص جس نے دربارِ خلافت کی شان و شوکت دیکھی ہوگی کہ قیصر و خاقان اسکی خاک پر سر رکھتے
 تھے اب آنکھ اٹھا کر یہ حال دیکھ۔

خونِ فرزندان، عجمِ مُصطفیٰ شد ریختہ ہم براں خاکی کہ سلطاناں نہادندے جبین
 کہ رسول کے چچا عباسؓ کی اولاد کا خون اسی زمین پر جہاں سلاطین اپنی پیشانیاں جھکاتے تھے بہہ رہا ہے۔
 اور پھر آپ حضرت کا فرمان مشاہدہ کریں۔
 فرماتے ہیں۔

مے سزدگر خون بارود دیدہ ہر اہل دیں بر پریشاں حالی اسلام و قحط المسلمین
 مناسب ہے کہ ہر دیندار کی آنکھ خون کے آنسو روئے، اسلام کی پریشان حالی اور قحط المسلمین پر
 دین حق را گردش آمد صعبناک و سہمگین سخت شورے اوفاداندر جہاں از کفر و کین
 خدا کے دین پر نہایت خوفناک اور پرخطر گردش آگئی۔ کفر و شقاوت کی وجہ سے دنیا میں سخت فساد برپا ہو گیا
 آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب مے تراشد عیبہا در ذات خیر المرسلین
 وہ شخص جس کا نفس ہر ایک خیر و خوبی سے محروم ہے وہ بھی حضرت خیر المرسل کی ذات میں عیب نکالتا ہے
 آنکہ در زندان ناپاکی ست محبوس و اسیر ہست در شان امام پاکبازاں نکتہ چیں!
 وہ جو خود ناپاکی کے قید خانے میں اسیر و گرفتار ہے وہ بھی پاکبازوں کے سردار کی شان میں نکتہ چینی کرتا ہے۔
 تیر بر معصوم مے بارد حنیف بدگہر آسمان را مے سزدگر سنگ بارد بر زمیں
 بداصل اور خبیث انسان اُس معصوم پر تیر چلاتا ہے آسمان کو مناسب ہے کہ زمین پر پتھر برسائے۔
 پیش پشمانِ شامِ اسلام در خاک اوفاد چست عذرے پیش حق اے مجمع المتتعمین
 تمہاری آنکھوں کے سامنے اسلام خاک میں مل گیا۔ پس اے گروہ امراء تمہارا خدا کے حضور میں کیا
 عذر ہے۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہچو افواج یزید دین حق بیمار و بیکس ہچو زین العابدین
 افواج یزیدی کی مانند ہر طرف کفر جوش میں ہے اور دین حق زین العابدین کی طرح بیمار و بیکس ہے
 مردم ذی مقدرت مشغولِ عشرتہائے خویش حُرْم و خنداں نشستہ با بُتانِ نازمین
 امراء عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور حسین عورتوں کے ساتھ خرم و خنداں بیٹھے ہیں
 عالماں راروز و شب باہم فساد از جوشِ نفس زاہداں غافل سراسر از ضرور تہائے دیں!
 علماء دن رات نفسانی جوشوں کے باعث آپس میں لڑ رہے ہیں اور زہاد ضروریات دین سے بالکل
 غافل ہیں۔

یہ امر تو دونوں قضاوند کے مطلع سے ہی ثابت ہے کہ آپ حضرت نے سعدی کے قصیدے کے جواب میں ہی اپنا قصیدہ رقم فرمایا ہے مگر جو بات ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان دونوں کے محرکات تخلیق کا اختلاف ہے یعنی ایک طرف دنیوی جاہ و حشمت کے تلف ہونے کا غم ہے اور دوسری جانب اسلامی اقدار اور دین سے محبت کے فقدان کا غم ہے۔

در اصل حضرت اقدس کا قصیدہ سعدی کے نقطہ نظر کی اصلاح کی غرض سے ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان اس روحانی تعلیم کی وجہ سے ہے جو وہ لائے نہ کہ دنیوی جاہ و حشمت سے۔ فرماتے ہیں۔

اے مسلماناں چہ آثارِ مسلمانی ہمیں ست دیں چنین ابر شتا در جیفہ دنیا رہیں

ترجمہ: اے مسلمانو! کیا یہی مسلمانی کی علامتیں ہیں دین کی تو یہ حالت ہے اور تم مُردار دنیا سے چمٹے ہوئے ہو

قصیدہ کی صنف شعر میں جو شاعر صاحب منصب ہیں۔ ان کے اقتباسات تو پیش کئے جا چکے ہیں۔ خاص طور پر سعدی کے قصیدے کا حضرت کے قصیدے سے ایک حد تک فنی اور علمی تقابل بھی ہے۔

اب ہم زیر قلم مضمون کے موضوع کے مطابق فارسی زبان میں ابلاغ رسالت کے چند نمونے قصیدے کی صنف میں پیش کرتے ہیں۔

اول مقام پر ہم حضرت کے دعویٰ مسیحیت کے بیان میں آپ کے عظیم الشان مہمیا قصیدے کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

ادبی اعتبار سے یہ قصیدہ حافظ شیرازی کے مشہور قصیدہ کی زمین میں ہے جو اس نے بادشاہ منصور کی مدح میں رقم کیا تھا اس لحاظ سے حافظ شیرازی کے اسلوب بیان سے بھی آپ حضرت کے اسلوب کا تقابل ہو جائیگا اور کوشش ہوگی کہ اختلاف موضوع کی پاسداری کیساتھ دونوں قضاوند کی ادبی شان کا تقابلی مطالعہ بھی ہو جائے۔ یہ کوشش اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ قضاوند صرف ایک زمین ہی میں رقم نہیں ہوئے بلکہ بہت سے اشعار میں ان کا لفظی اور معنوی اتحاد بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ اسی زمین میں حضرت اقدس کے ایک شعر کا مصرعہ ثانی حافظ سے توارد ہے۔ حافظ کہتے ہیں:

گر بر کم دل از تو بردارم از تو مہر

ایں مہر بر کہ افگنم آں دل کجا برم

ترجمہ: اگر تجھ سے دل ہٹالوں اور تجھ سے محبت نہ کروں تو اس محبت کو کس پر وارد کروں اور

اس دل کو کہاں لے جاؤں۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

گر مہرِ خویش برکنم از روئے دلبرم

آں مہر برکہ افگنم آں دل کجا برم

ترجمہ: اگر میں اپنی محبت کو اپنے دلبر کی جانب سے ہٹا لوں تو اس محبت کو کس سے لگاؤں اور

اس دل کو کہاں لے جاؤں۔

در اصل حضرت کا یہ قصیدہ سعدی کے قصیدے کی طرح سے حافظ کے قصیدے کا جواب ہے۔ مگر یہ حقیقت تو واضح ہے کہ حافظ کے شعر میں وہ شعری نزاکت اور سلاست نہیں جو کہ آپ کے شعر میں ہے درحقیقت یہ ایک اصلاح ہے اور ایسی اصلاح جس سے شعر کی معنوی اور جمالیاتی قدر و قیمت بڑھ جائے اہل ادب کی نظر میں مقبول ہوتی ہے۔ حافظ کے اس قصیدے کے مقابل پر آپ حضرت نے بہت سے مقامات میں قافیہ کی مناسبت سے بہت ہی خوبصورت مضامین باندھے ہیں اور مدح و توصیف کا صحیح منصب بیان کیا ہے جیسے کہ حافظ اپنے مدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

نامم ز کارخانہ عشاق محو باد

گر جز محبت تو بود شغل دیگرم

ترجمہ: خدا کرے کہ عاشقوں کے کارخانے سے میرا نام مٹ جائے اگر تیری محبت کے سوا

میرا کوئی دوسرا شغل ہو

اور آپ حضرت باری تعالیٰ کی محبت میں فرماتے ہیں۔

در یاب چونکہ آب ز بہر تو دینختیم

در یاب چونکہ جز تو نماںداست دیگرم

ترجمہ: میری داد کو پہنچ کیونکہ میں نے تیرے لئے آنسو بہائے ہیں۔ میری فریاد سن کیونکہ

تیرے سوا میرا کوئی نہیں رہا۔

حافظ کہتے ہیں۔

راہم مزن بوصف زلالِ خضر کہ من

از جام شاہِ جرمہ کش حوضِ کوثرم

ترجمہ: خضر کے صاف پانی کی تعریف کر کے مجھے گمراہ نہ کر کیونکہ میں شاہ کے جام سے

حوضِ کوثر کے جام پی رہا ہوں۔

آپ حضرت اپنے منصب کے بیان میں فرماتے ہیں۔
 واللہ کہ ہچو کشتی نوح ز کردگار بے دولت آنکہ دُور بماند ز لنگرم
 ترجمہ: بخدا میں اپنے پروردگار کی طرف سے نوح کی کشتی کی مانند ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو میرے
 لنگر سے دُور رہتا ہے
 ایں آتشے کہ دامن آخر زماں بسوخت از بہر چارہ اش بخدا نہر کوثرم
 یہ آگ جس نے اس آخری زمانہ کا دامن جلادیا ہے۔ خدا کی قسم میں اس کے علاج کے لیے نہر کوثر ہوں
 اور آخر پر محبت الہی اور عشق رسول کے بیان کا مشادہ کریں۔
 حافظ کہتا ہے۔

حافظ ز جاں محبت رسول است و آل آں
 بر ایں سخن گواہ ست خداوند اکبرم
 ترجمہ: حافظ اپنی جان سے رسول اور اُس کی آل سے محبت کرتا ہے۔ میرے اس قول پر
 خداوند اکبر گواہ ہے
 اور آپ حضرت فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشق محمد محترم

گر کفر ایں بود بخدا سخت کافر م

ترجمہ: خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت
 کافر ہوں۔

حافظ نے ایک زمینی بادشاہ کی مدح میں قصیدہ کہا ہے اور حضرت اقدس نے ایک آسمانی بادشاہ کی
 عظمت و شان میں (ابلاغ رسالت کی غرض سے) مدح سرائی کی ہے۔ مدیحہ قصائد ہونے کے اعتبار سے ان میں
 مکمل اتحاد ہے اور فنی اعتبار سے بحر و قافیہ کے ہم صفت ہونے کا ذکر ہو چکا ہے۔ مگر حافظ کے اشعار کے مقابلہ پر
 حضرت اقدس کے اشعار کا تقابلی موازنہ کریں تو صاف واضح ہو جائے گا کہ جس شعری نزاکت اور زبان اور
 بندش کا حسن و جمال حضرت کے کلام میں ہے۔ وہ عناصر شعر حافظ کے کلام میں دستیاب نہیں۔ اور مدوح کا
 اختلاف تو ایسا ہے کہ جیسے حضرت اقدس حافظ کی تادیب فرما رہے ہوں کہ اگر مدح و توصیف ہی کرنی ہے تو پھر
 بادشاہوں کی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے مرسلین کی کرو کہ اس کے حقیقی حقدار تو وہی ہیں۔

یہ تقابل قدرے طویل ہو گیا ہے مگر اس طوالت کا یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ فارسی شعر میں فردوسی۔ سعدی اور حافظ کے سے منصب کے اساتذہ شعر کا آپ حضرت کے کلام سے موازنہ ہو گیا۔ اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ آپ حضرت فارسی اسالیب ادب میں ان سب سے ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور ان میں وہ ”چیز“ نہیں جس کو خدا تعالیٰ نے ”چیزے است“ کہا ہے

ادبی اعتبار سے فارسی قصائد میں آپ حضرت نے جو معرکہ آرا اور عدیم المثال قصیدہ ”در معرفت انسان کامل مظہر حق تعالیٰ“ کے عنوان سے رقم فرمایا ہے۔ اس کی مثال فارسی ادب میں نہیں مل سکتی موضوع اور مدوح کے اعتبار سے بھی کسی صاحب شعر نے انسان کامل اور مرسلین باری تعالیٰ کے مناصب اور ان کی اوصاف کے بیان میں اس شان اور عظمت سے مدح سرائی نہیں کی۔ اس نایابی کی حقیقی وجہ تو روحانی ہے۔ یعنی یہ کہ مدوح کی روحانی عظمت و شان کا عرفان اور شعور اسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ جس نے خدا تعالیٰ کا قرب پا کر وہ تمام صفات حاصل کی ہوں جو مقربین اور مرسلین کو عطا کی جاتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مدحیہ قصائد کی خوبی اس میں ہے کہ جو کچھ کہا جائے وہ سچ ہو مگر قرب الہی اور محبت الہی کا صدق تو صرف مرسلین باری تعالیٰ ہی بیان کر سکتے ہیں۔ جن کا بیان مشاہدات ذاتی اور واردات قلبی کا اظہار ہوتا ہے اور برحق ہوتا ہے۔

اسلوب بیان کے اعتبار سے قصیدے کی ایک خاص زبان ہے۔ علامہ شبلی کے الفاظ میں ”بندش میں چُستی الفاظ متین اور پُر شان۔ خیالات میں بلندی اور رفعت“ اس کی خصوصیات ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ سنجیدہ اور متین خیالات کے ادا کرنے کے لیے قصیدے کا ہی اسلوب بیان موزوں ہوتا ہے۔ ان تمام صفات لفظی اور معنوی کا خلاصہ یہ ہے کہ قصیدہ کا حسن و خوبی اور اس کی حقیقی شان۔ الفاظ کے اعتبار سے ان کا پُر شوکت ہونا اور تراکیب میں حُسن بیان ہونا ہے۔ اور مواد کے اعتبار سے اگر قصیدہ مدحیہ ہے تو مدح و منقبت کا سچائی پر مبنی ہونا ہوتا ہے۔

زیر نظر قصیدے میں تمام صفات بدرجہ اتم موجود ہیں اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ عدیم المثال ہیں۔ اس حقیقت کو مزید روشن کرنے کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہیئت کے اعتبار سے بھی اس کی عظمت و شان کو اقدار قصیدہ نگاری کے دستور کی روشنی میں اجاگر کریں۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ قصیدہ کی صنف ادب کے چار ارکان ہیں اول رکن تشبیب ہے جو کہ محبوب کی صفات اور اس کے حسن و جمال کے بیان میں ہوتی ہے۔

حضرت اقدس محبوب الہی اور مقربین باری تعالیٰ میں سے تھے اس لیے ان کا حسن و جمال روحانی ہی ہو سکتا ہے اس بیان میں حضرت اقدس کے پچاس سے زائد اشعار ہیں۔ اور ایسے ہیں کہ اس مضمون میں کوئی شاعر یا

نثر نگار آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ اس بیان کی عظمت اور شوکت اور شعری زبان پر مقدرت اور حسن بیان کے اظہار کیلئے چند اشعار پیش ہیں۔
فرماتے ہیں۔

ہماں ز نوع بشر کامل از خدا باشد کہ بانسان نمایاں خدا نما باشد
انسانوں میں وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے جو روشن نشانوں کے ساتھ خدا نما ہوتا ہے
بتابد از رُخ اُو نورِ عشق و صدق و وفا ز حُلُق اُو کرم و غربت و حیا باشد
اس کے چہرہ سے عشق اور صدق و صفا کا نور چمکتا ہے۔ کرم۔ انکسار اور حیا اس کے اخلاق ہوتے ہیں
صفاتِ او ہمہ ظلِ صفاتِ حق باشند ہم استقامت اُو ہچو انبیاء باشد
اس کی ساری صفات خدا کی صفات کا پرتو ہوتی ہیں اور اُس کا استقلال بھی انبیاء کے استقلال کی مانند ہوتا ہے
رواں بچشمہ اُو بحرِ سردی باشد عیاں در آئینہ اش روئے کبریا باشد
اس کے سرچشمہ سے ابدی فیضان کا سمندر جاری ہوتا ہے اور اُس کے چہرہ میں خدائے بزرگ کا
چہرہ نظر آتا ہے

صعودِ اُو ہمہ سوائے فلک بود ہر دم وجودِ او ہمہ رحمت چو مصطفیٰ باشد
اس کی پرواز ہر وقت آسمان کی طرف ہی ہوتی ہے۔ اور اُس کا وجود مصطفیٰ کی طرح سراسر رحمت ہوتا ہے
خبر دہد بقدمش خدا بہ مصحفِ پاک ہم از رسولِ سلامے بصد ثنا باشد
خدا اس کی تشریف آوری کی خبر قرآن مجید میں دیتا ہے اور رسول کی طرف سے بھی سینکڑوں ثنا اور
سلام بھیجے جاتے ہیں

اس شعر میں حضرت اپنا ذکر فرما رہے ہیں کیونکہ آپ ہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچانے کا کہا گیا
تھا اور آپ ہی کا ذکر خدا تعالیٰ نے وَآخِرِينَ مِنْهُمْ کے فرمان میں کیا ہے۔ دراصل یہ عقیدہ آپ ہی کے روحانی
منصب کے بیان میں ہے۔

نہ تا بد از رہِ جانانِ خود سرِ اخلاص اگرچہ سیلِ مصیبت بزورِ ہا باشد
وہ اپنے محبوب کی راہ میں کبھی اخلاص میں کمی نہیں آنے دیتا۔ خواہ مصیبتوں کا سیلاب کتنے ہی زوروں پر ہو
قصیدے کا دوسرا رکن گریزا کہلاتا ہے۔ یعنی اصل مقصد اور موضوع کی طرف رخ پھیرنا۔ اس کے حسن و خوبی
کو بھی ملاحظہ کریں۔

فرماتے ہیں۔

نہیبِ حادثہ بنیادِ دین زجا بہرہ
اگر زملتِ ما ظلِ شاں جدا باشد
حادثات کی غارتگری دین کی بنیاد کو ہلا دے اگر ہمارے مذہب سے ان لوگوں کا سایہ الگ ہو جائے
اور فرماتے ہیں:

ازیں بود کہ چو سالِ صدی تمام شود
بر آید آنکہ بدیں نایبِ خدا باشد
یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں تو ایسا مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کے لیے خدا کا قائم مقام ہوتا ہے
اور پھر اس وضاحت کے بعد فرماتے ہیں:

رسید مژدہ ز غییم کہ من ہماں مردم
کہ او مجدّو این دین و رہنما باشد
مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں جو اس دین کا مجدّد اور راہ نما ہے
لوائے ما پنے ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد
ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ ہوگا۔ اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا۔

اس گریز میں کمال فن کے بعد حضورِ قصیدہ کا تیسرا رکن اختیار فرماتے ہیں اور اپنے مقصد اور مدعا کے اظہار کے طور پر اپنے دعاوی بیان فرماتے ہیں۔ آپ حضرت اپنے دعاوی کے صدق کے بیان میں تقریباً ایک صد اشعار میں اپنا روحانی منصب بیان کر کے اپنی سماوی تعلیم کو قبول کرنے کی تلقین فرماتے ہیں اور کس قدر خوبصورتی اور وقار اور تمکنت سے فرماتے ہیں۔ اول آپ کے دعاوی کو ایک مقام پر مشاہدہ کریں۔
فرماتے ہیں:

ازیں بود کہ چو سالِ صدی تمام شود
بر آید آنکہ بدیں نایبِ خدا باشد
یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں تو ایسا مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کیلئے خدا کا قائم مقام ہوتا ہے
رسید مژدہ ز غییم کہ من ہماں مردم
کہ او مجدّو این دین و رہنما باشد
مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں جو اس دین کا مجدّد اور راہ نما ہے۔
منم مسیح بباگِ بلند مے گویم
منم خلیفہ شاپے کہ برسا باشد
میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں ہی مسیح ہوں اور میں ہی اُس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے
مویدے کہ مسیحا دمست و مہدی وقت
بشان او دگرے گے ز اتقیا باشد
وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحا دم اور مہدی وقت ہے اُسکی شان کو اتقیا میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا منم محمد و احمد کہ مجتہبی باشد
 میں ہی مسیح وقت ہوں اور میں ہی کلیم خدا ہوں۔ میں ہی وہ محمد اور احمد ہوں جو مجتہبی ہے
 مرنج از خنم ایکہ سخت بے خبری کہ اینکہ گفتہ ام از وحی کبریا باشد
 اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو۔ کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی
 سے کہا ہے

کسیکہ گم شدہ از خود بنور حق پیوست ہر آنچه از دانش بشنوی بجا باشد
 ایسا شخص جو اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جا ملا۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔
 اور پھر آپ اپنی تعلیم اور امامت کو قبول کرنے کی تلقین میں فرماتے ہیں۔

چو غنچہ بود جہانے نموش و سربستہ من آمدم بقدومے کہ از صبا باشد
 یہ جہاں ایک غنچہ کی طرح بند تھا میں (اس کے لیے) ان برکتوں کو لے کر آیا ہوں جو باد صبا لایا کرتی ہے
 چہ فتنہ ہا کہ بزادست اندریں ایام کدام راہ بدی کو در اختفا باشد
 اس زمانہ میں کس قدر فتنے پیدا ہو گئے ہیں اور کونسا راستہ بدی کا ہے جو مخفی ہے
 محال ہست کزین فتنہ ہا شوی محفوظ مگر ترا چونبمن گام اقتدا باشد
 ناممکن ہے کہ تو ان فتنوں سے بچ سکے سوائے اس کے کہ تو میری پیروی کرے
 کسیکہ سایہ بال ہماش سؤد نداد بیایدش کہ دو روزے بظل ما باشد
 وہ شخص جسے بال ہمانے بھی فائدہ نہ دیا ہو اُسے چاہیے کہ دو دن ہمارے زیر سایہ رہے
 مُسلم است مرا از خدا حکومت عام کہ من مسیح خدایم کہ بر سما باشد
 خدا کی طرف سے میری حکومت ثابت ہو چکی ہے کیونکہ میں اُس خدا کا مسیح ہوں جو آسمان پر ہے

قصیدے کا تیسرا رکن جس کو 'دعا' کہتے ہیں اس کا بھی مشاہدہ کر لیں کیونکہ حضرت اقدس نے یہ قصیدہ اپنی
 بعثت کے اعلان کے لئے رقم فرمایا ہے۔ اس لئے دعا بھی اس طور سے فرمائی ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف
 بلانے والے دعا گو ہیں اور بجز اعانت اسلام آپ کا دیگر مقصد نہیں ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ سے دعا کر کے میری
 صداقت کا ثبوت حاصل کرو اور آپ سے دشمنی اور عناد نہ رکھو۔

فرماتے ہیں۔

چہ حاجت کہ رنجے کشی بتالیفات کہ امتحان دُعا گوہم از دُعا باشد
 کیا ضرورت ہے کہ تو کتابیں تصنیف کرنے کی تکلیف اٹھائے کیونکہ دعا گو کا امتحان بھی دعا ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے

بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبتے خواہم مگر اعانتِ اسلام مدعا باشد
 خدا کی قسم میں ہرگز کوئی عزت اور مرتبہ نہیں چاہتا میرا مطلب تو صرف تائیدِ اسلام ہے
 سیاہ بادِ رُخِ بختِ من اگر بہ دلم دگر غرض بجز از یار آشنا باشد
 میری قسمت کا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں سوائے خدا کے اور کوئی غرض ہو
 رہِ خلاص کجا باشد آں سیہ دل را کہ باچنیں دلِ من در پئے جفا باشد
 اُس سیاہ دل انسان کو نجات کیونکر مل سکتی ہے جو میرے جیسے دل والے پر ظلم کرنے کے درپے ہو
 اور فرماتے ہیں

چو سیلِ دیدہ مایچ سیل و طوفاں نیست بترس زیں کہ چنیں سیل پیش پا باشد
 ہماری آنکھ کے سیلاب کی طرح کا اور کوئی سیلاب نہیں اس بات سے ڈر کہ کہیں یہ سیلاب تیرے
 سامنے ہی نہ ہو

زِ آہِ زمرہ ابدال بایدت ترسید علی الخصوص اگر آہِ میرزا باشد
 تجھے ابدالوں کی جماعت کی آہوں سے ڈرنا چاہیے۔ خصوصاً اگر مرزا (غلام احمد) کی آہ ہو



غزل

ہم نے فارسی ادب میں حضرت اقدس کی عظمت کے اظہار کے لئے ایک قدیمی فارسی قطعہ کے بیان کے مطابق تین بنیادی اصناف شعر کے مسلمہ اساتذہ کے مقابل پر ان اصناف میں حضرت اقدس کے کلام کو پیش کرنے کا دستور اختیار کیا ہے۔ یہ اصناف۔ ابیات و قصیدہ اور غزل ہیں۔

ابیات اور قصیدہ کا تقابلی موازنہ گذشتہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس مقام پر فارسی غزل پر ایک مختصر اور طائرانہ نظر کی جائیگی۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اردو اور فارسی شعر و ادب کا باوا آدم عربی قصیدہ ہے اور اس امر پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ غزل کی جداگانہ صنف کی تخلیق اُن عشقیہ اشعار کی مرہون منت ہے جو عربی قصیدہ کی ابتدا یا تمہید میں مرتب کئے جاتے ہیں جن کو تشبیب یا تنسیب کہتے ہیں۔ ایرانی شعراء نے قصیدے کی تشبیب کو ایک مستقل صنف شعر کے طور پر اختیار کر لیا اور اس کو موضوع کی پاسداری میں غزل کا نام دیا اور اس صنف میں عظیم الشان ادبی شاہکار پیدا کئے۔ معنوی اعتبار سے غزل کا موضوع محبوب مجازی کے حسن و جمال اور اس سے واردات عشق و محبت کا بیان ہے۔ اس کے برعکس حضرت اقدس کا شعری موضوع تمام تر محبوب حقیقی کی عظمت و شان اور باری تعالیٰ کی محبت کے بیان میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی شعر کی اس صنف کو حضرت اقدس نے درخور اعتنا نہیں سمجھا اور غزل کے انداز میں آپ کی صرف چند ایک غزلیں ہیں اور وہ بھی برملا اور واضح طور پر عشق الہی کے بیان میں ہیں۔

غزل کے عام طور پر اختیار نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرت نے ان مضامین کو جو غزل میں بیان ہوتے ہیں۔ دیگر اصناف شعر میں اس قدر حسن و خوبی سے بیان کیا ہے کہ آپ کو غزل کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ حضرت نے ابیات و قصیدہ اور نظم کی اصناف میں کمال حسن و جمال کیساتھ عشق الہی اور محبت الہی کے مضامین کو باندھا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ حضور کے اشعار کا عنوان کوئی بھی ہو آپ کی بات عشق الہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ختم ہوتی ہے۔

آپ ہی کا تو یہ فرمان ہے۔

عاشق زار در ہمہ گفتار سخن خود کشد بجانب یار
حقیقی عاشق اپنی تمام گفتگو میں اپنے کلام کو محبوب کی طرف پھیر لیتا ہے

اسی مضمون میں کسی استاد کا شعر ہے۔

درِ دِلے ماغمِ دنیا غمِ معشوق شود

بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

ترجمہ: میرے دل میں دنیا کا غم بھی محبوب کا غم ہو جاتا ہے اگر شراب خام بھی ہو تو بھی

میرے دل کی صراحی اُسے پختہ کر دیتی ہے۔ یعنی تمام غم محبوب کے غم میں ڈوب جاتے ہیں۔

غزل کی لغوی تعریف کے تعلق میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے عملی طور پر فارسی ادب میں اس صنف شعری کو صرف مجازی عشق و محبت کے بیان میں محدود نہیں کیا گیا۔ چنانچہ رودکی سے لے کر آج کے شعراء تک غزل کے مضامین میں بہت وسعت پیدا ہو چکی ہے اور اخلاق اور دین اور محبتِ الہی اس صنف کے تسلیم شدہ موضوعات بن چکے ہیں۔

فارسی ادب میں ابوسعید ابوالخیر۔ سعدی۔ سنائی۔ عطار اور رودکی نے فارسی غزل کو تصوف اور محبتِ الہی کے بیان سے آشنا کیا ہے۔ اور پھر سعدی کی شستہ اور سلیم زبان اور حافظ کے والہانہ پُر درد کلام نے فارسی ادب کے روحانی مزاج کو متعین کیا ہے۔ اور اس میں سلوک کے مضامین کے اسلوبِ بیان کو تخلیق کیا ہے۔

شاید فارسی زبان کا یہ ارتقائی سفر ہی اس اعزاز کا باعث ہوا ہو کہ ہمارے آقا اور مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی زبان کے سوا صرف فارسی زبان ہی میں الہام ہوا ہے۔

”ایں مشتِ خاک را گر نہ بخشم چه کنم“

(اس مٹھی بھر خاک کو اگر معاف نہ کروں۔ تو کیا کروں)

باری تعالیٰ کا یہ فرمان فارسی محاسن کلام کا معراج ہے اور ہر انسان کے لیے ایک مژدہ جانفرا ہے۔ اس تسلسل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فارسی شاعروں کی خوش نصیبی ہے کہ ان میں سے سعدی کے آٹھ اور حافظ کے تین اشعار اور مصرعے حضرت اقدس کو الہام ہوئے ہیں اس خوش نصیبی کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شاعر آپ حضرت کے دل پسند شاعر تھے اور آپ کی پسند کی پاسداری میں اللہ تعالیٰ نے مختلف پیش آمدہ حالات کے مطابق آئندہ کی اخبار دینے کی غرض سے اُن کے کلام میں آپ سے خطاب کیا اور آپ کی دل پسندی کو اپنی پسند بھی بنا لیا۔

مثال کے طور پر ایک موقع پر مخالفین کی طرف سے ایک اشتہار میں آپ کے خلاف بدکلامی پر آپ کو بہت رنج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دلجوئی کے طور پر حافظ شیرازی کا یہ مصرعہ الہام کیا:

”حالیہ مصلحتِ وقتِ درامی پیئم“

ترجمہ: ابھی میں اس میں مصلحتِ وقت سمجھتا ہوں۔ (تذکرہ صفحہ 212۔ مطبوعہ 2004ء)

مکمل شعر اس طور سے ہے اور یقیناً حضرت کو اس کا علم ہوگا۔

حالیہ مصلحتِ وقتِ درامی پیئم

کہ کشمِ رخت بہ میخانہ و خوش بنیشم

ترجمہ: فی الحال مصلحتِ وقتِ اسی میں ہے کہ۔ اپنا سامان میخانہ میں لے جاؤں اور آرام

کروں۔ یعنی خدا کا ارادہ یہی ہے کہ مخالفین کی سخت زبانی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اللہ کی

محبت میں محو ہو جاؤ۔

دل آزاری کے موقع پر اس طور سے سکینت نازل فرمانا ایک دل فریب اندازِ تربیت ہے یعنی یہ کہ جب میں تمہیں اپنی محبت کے جامِ پلار باہوں تو دنیا کی سخت کلامی کا کیا غم ہے۔ ادبی اعتبار سے صاحبِ نظر ہی ایسی بر محل بات کہہ سکتا ہے اور ایک صاحبِ نظر ہی اس کا صحیح لطف اٹھا سکتا ہے۔ اور محبوبِ حقیقی اور محبتِ صادق سے بڑھ کر اور کون صاحبِ نظر ہو سکتا ہے۔ ایک اور مثال بھی سن لیں۔

حضرت اقدس کو آپ کے وصال کی خبر دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سعدی کا شعر انتخاب کیا

مباش ایمن از بازی روزگار

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار (تذکرہ صفحہ 640 مطبوعہ 2004ء)

ترجمہ: زمانے کے کھیل سے بے خوف نہ رہو۔ ناپائیدار عمر پر بھروسہ نہ کرو۔

اس شعر کا دوسرا مصرع تو وفات سے چند روز قبل الہام ہوا تھا۔

یہاں پر بھی بے انتہا محبت اور ادبی شان کے ساتھ آپ کو سفرِ آخرت کی خبر دی ہے۔

گذشتہ میں قصیدہ کے عنوان کے تحت سعدی اور حافظ کے قصائد سے حضرت کے قصائد کا موازنہ کر کے ہم یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ آپ حضرت کا اسلوبِ شعر ان دونوں اساتذہ شعر فارسی کے اسلوب سے صرف قریب ہی نہیں بلکہ محاسنِ کلام کے اعتبار سے ان سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

اس لئے اگر اسلوبِ شعری کی بات ہوگی یہ کہنا درست ہوگا کہ آپ حضرت کا اسلوبِ شعر خصوصاً قصائد اور

غزل میں ان دو عظیم المرتبت شاعروں کے ہم پلہ ہے۔ البتہ ابیات اور مثنوی میں آپ حضرت کا طرزِ بیان مولانا رومی کے اسلوب پر ہے اور یہی تین سخن ور آپ حضرت کے دل پسند شاعر بھی ہیں۔

اس بات کے ثبوت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت نے اپنی تحریر اور تقریر میں بہت سے مقامات پر ان شاعروں کے اشعار کو قبول کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ محترم عبدالحق صاحب رامہ مرحوم کی تلاش کے مطابق آپ حضرت نے شیخ سعدی کے نوٹوں سے بھی زائد شعر اور ان کے بعد مولانا روم اور حافظ شیرازی کے پچیس پچیس اشعار اختیار کئے ہیں۔

فارسی ادب میں غزل کی صنف کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ بقول علامہ شبلی ”غزل کا اصل خمیر عشق و محبت کا اظہار ہے“ اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اساتذہ ادب نے اس صنف شعر کو صرف مجازی عشق کے بیان سے مخصوص نہیں کیا بلکہ محبوب حقیقی کی محبت اور عشق کا اظہار اس صنف کا مقبول موضوع ہے۔

عشق و محبت کے طرز بیان میں جو عناصر ادب غزل کے اجزائے اعظم ہیں وہ علامہ شبلی کے کہنے کے مطابق ”حسن بیان، خوبی ادا اور زبان کی شستگی ہے۔“ اور ان تمام عناصر کا اجتماع حافظ شیرازی کے کلام میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس کی فارسی میں جو بھی چند ایک غزلیں ہیں وہ حافظ شیرازی کے اسلوب بیان کی حسن و خوبی رکھتی ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ حافظ کا کلام مجازی معانی اور تعبیر کی راہ سے محبوب حقیقی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور حضرت کا خطاب برملا اور ظاہراً محبوب حقیقی اور اس کی واردات عشق و محبت کو بیان کرتا ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم آپ حضرت کے کلام کو ایک منفرد اور جداگانہ مکتب شعر کہیں۔

حافظ شیرازی کے اسلوب کے نتیجے میں اول تو آپ حضرت کی ایک غزل مسلسل ہے جو آپ نے ردیف اور قافیہ کی تبدیلی کے ساتھ تخلیق کی ہے۔ حافظ کی یہ ایک مشہور عالم اور مقبول عام غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے

آلَا يَا أَيُّهَا السَّاقِي أَدِرْ كَأَسَا وَ نَاوِلْهَا

کہ عشق آساں بود اول ولے افتاد مشکل ہا

ترجمہ: اے ساقی پیالہ دے اور اس کا دور چلا کیونکہ اول اول عشق آسان لگتا ہے مگر پھر

مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

حضرت اقدس اس کے جواب میں کہتے ہیں:

بدہ از چشم خود آ بے درختان محبت را

مگر روزے دہندت میوہ ہائے پُر حلاوت را

ترجمہ: محبت کے درختوں کو اپنی آنکھوں کے پانی سے سیراب کرتا کہ ایک دن وہ تجھے شیریں پھل دیں۔

یہ ایک طور سے حافظ کے شعر کا جواب ہے کہ اگر عشق حقیقی ہو تو اس میں مصیبت نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام ہوتا ہے۔

حافظ کی اسی غزل کا ایک شعر تو لفظاً آپ نے اختیار فرمایا۔ گو موضوع کی تبدیلی کے ساتھ حافظ کہتا ہے۔

شبِ تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل

کجا دانند حالِ ما سبسسا را ن ساحلِ ہا

ترجمہ: تاریک رات ہے اور سیلاب کا خوف اور خوفناک بھنور۔ ساحلوں پر بے فکری سے

سیر کرنے والے ہمارا حال کیا سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت اقدس اس بے بسی کی کیفیت کو دین اسلام اور قوم کی غفلت کے غم میں بیان کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

دریں ہنگام پُر آتش بخواب خوش چساں چُشم

زماں فریاد میدارد کہ بشنا بید نصرت را

ترجمہ: اس آتشیں زمانے میں آرام کی نیند کیونکر سوسکتا ہوں جبکہ زمانہ فریاد کر رہا ہے کہ

جلدی مدد کو پہنچو۔

شبِ تاریک و بیم دُزد و قوم ما چنیں غافل

کجا زیں غم روم یارب نما خود دستِ قدرت را

ترجمہ: اندھیری رات ہے، چور کا خوف ہے اور قوم غافل ہے۔ اس غم سے کہاں جاؤں؟

یارب خود دستِ قدرت دکھا۔

مشاہدہ کریں کہ موضوع کے اختلاف کے باوجود حضرت اور حافظ کا کس قدر اتحاد لفظی و معنوی ہے۔ ایک اصلاح بھی ہے کہ تاریک رات میں موج و گرداب کا خوف نہیں ہوتا چور کا ضرور ہوتا ہے۔ گو غافل کی رعایت سے چور درست ہے اور ساحل کی رعایت سے موج و گرداب درست ہے۔ مگر اس بحری طوفان میں ساحل پر سیر و تفریح کرنے والے کیسے پہنچ گئے۔ یہ ایک رعایت لفظی ہے اور حضرت کا کلام ایک حقیقت پر مبنی حادثہ ہے جس کے بیان کیلئے صنائع بدائع کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ دشمن اسلام کا حقیقی مال و متاع لوٹ رہے ہیں مگر قوم غافل ہے اور یہ کہ آپ کو اس غم سے خدا تعالیٰ کی نصرت ہی نجات دلا سکتی ہے۔ یہ ایک واقعاتی صدق پر مبنی مشاہدہ ہے۔ حافظ کی طرح سے تجلّیل اور لفظی ہنرمندی نہیں ہے۔ تاہم ترکیب الفاظ اور

جذبے کے اظہار میں مکمل اتحاد ہے۔

حافظ کے اسلوب بیان کے مطابق حضرت کے کلام میں بہت سے نمونے پیش نظر ہیں۔ ان میں سے چند ایک پیش کرتا ہوں۔

حافظ کی مشہور غزل جس کا مطلع یہ ہے۔

بنال بلبل اگر بامنت سرے یاریست

کہ مادو عاشق زاریم و کار مازاریست

ترجمہ: اے بلبل! اگر تو مجھے دوست رکھتی ہے تو آہ و نالہ کر کیونکہ ہم دونوں عاشق زار ہیں

اور ہمارا کام گریہ وزاری کرنا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

محبت تو دوائے ہزار بیماری است

بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است

ترجمہ: تیری محبت ہزار بیماریوں کی دوا ہے۔ تیرے منہ کی قسم ہے کہ ایسی گرفتاری ہی میں

اصل رہائی ہے۔

حافظ کہتے ہیں:

خیال زلف تو پختن نہ کار خا مانیست

کہ زیر سلسلہ رفتن کمال عیار یست

ترجمہ: تیری زلف کا خیال پختہ کرنا خام کاروں کا کام نہیں اس لئے کہ زلف کی زنجیر میں آنا

ہی اصل عیاری ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

پناہ روئے تو جستن نہ طور مستان است

کہ آمدن بہ پناہت کمال ہشیاری است

ترجمہ: تیرے چہرے کی پناہ ڈھونڈھنا بے ہوش لوگوں کا کام نہیں کیونکہ تیری پناہ میں آ جانا

کمال ہشیاری کا کام ہے

آپ دیکھ لیں حافظ بلبل کیساتھ گریہ وزاری پر مجبور ہے مگر حضرت اقدس اس عشق و محبت کے مضمون کو کتنا

خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ تیری محبت میری مشکلوں کا علاج ہے اور گو میں محبت میں گرفتار ہوں مگر سچ یہ ہے اسی میں میری رہائی ہے اور یہی میری دلی تمنا ہے۔

دوسرے شعر میں تو مکمل اتحاد لفظ و معانی ہے مگر جو سلاست اور حسن بیان حضرت کے شعر میں ہے اور جس طور سے ”مست“ اور ”ہشیار“ کا تقابل کیا ہے وہ دیدنی ہے۔ حافظ عشق و محبت کے بیان کے مسلمہ طور پر مقبول شاعر ہیں شاید اسی مناسبت سے حضرت اقدس کا عشق الہی کا اسلوب حافظ کے طرز بیان پر ہے اور شاید اسی مناسبت کے تحت محبوب حقیقی نے حافظ کے شعر میں الہام کیا کہ جن لوگوں (یعنی حضرت اقدس) کے دل عشق الہی سے زندہ کئے جاتے ہیں ان کو زندگی دوام ملتی ہے اور زمانہ ان کو معدوم نہیں کر سکتا۔

حافظ کہتا ہے:

ہرگز نمیرداں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

ترجمہ: جن کا دل عشق کی وجہ سے زندہ کیا جاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتے ہماری ہمیشگی دنیا کی

تاریخ میں درج ہو چکی ہے۔

دراصل یہ محبوب حقیقی کی طرف سے ایک محبت کا پیغام تھا کہ تم میرے مہمان میں شامل ہو چکے ہو۔ اس لئے جس طور سے میری ذات جاودانی ہے میرے عشاق بھی معدوم نہیں ہوا کرتے۔ مگر قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس محبت کے پیغام کو پہچاننے کے لئے محبوب لم یزل نے حافظ کے شعر کا انتخاب کیا ہے اور آپ حضرت کی طرف یہ پیغام بھیجا ہے۔

کیا اس عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشق و محبت کا سب سے بہتر اظہار حافظ ہی کر سکتا ہے اور یہ کہ اس شعر کے اصل مخاطب اور حقدار آپ حضرت اقدس ہی تھے۔ شاید آپ حضرت نے انہیں مناسبتوں کی پاسداری میں اس شعر کو اپنے دو شعروں میں اس کے حقیقی معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محفوظ کر لیا ہے۔

فرماتے ہیں:

آں ناں کہ گشت کوچہ جاناں مقام شاں

ثبت است بر جریدہ عالم دوام شاں

ترجمہ: وہ لوگ جن کا مسکن محبوب کا کوچہ ہو گیا ہے۔ دنیا کے دفتر میں ان کا نام ہمیشہ زندہ

رہے گا۔

ہرگز نمیر دآنکہ دلش زندہ شد بعشق

میر دکے کہ نیست مراسم مرامِ شاں
ترجمہ: جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا ہو۔ وہ کبھی نہیں مرتا۔ مرتا وہی ہے جس کا مقصد
عاشقوں کی طرح سے نہ ہو۔

غزل کے اسلوب میں حافظ شیرازی کا منصب اور حضرت اقدس کا اس کی پاسداری میں غزل کہنا کافی
تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ ایک بات کہنی رہ گئی ہے یہ کہ باری تعالیٰ جلّ شانہ اور حضرت اقدس کی جناب
میں شمس الدین حافظ کی یہ مقبولیت یقیناً اس کے لئے عین سعادت اور جائے افتخار ہوگی۔
ہم نے دستور بنایا ہے کہ اسلوب شعری کو ہم ”ابلاغ رسالت“ کے عنوان کے تحت پیش کریں گے اور اساتذہ
شعر سے آپ کے شعری منصب کا تقابل کریں گے آپ حضرت کے اردو اور فارسی اشعار کا اساتذہ شاعری کے
ہم پلہ بلکہ ان سے بہتر ہونے کا ثبوت تو گزشتہ میں وضاحت سے بیان ہو چکا ہے اور ”ابلاغ رسالت“ کی
امثال بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ مگر غزل کی صنف میں ایک مشکل درپیش ہے کہ غزل کی صنف کا موضوع سخن
واردات عشق و محبت کا بیان ہے۔ اس لئے اس صنف شعر میں منطقی استدلال اور تبشیر و انذار کے مضامین بیان
نہیں ہو سکتے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت نے غزل کے اسلوب کی پاسداری میں اس صنف میں عمومی طور پر
”ابلاغ رسالت“ کے موضوع کو اختیار نہیں کیا اور یہی آپ کا ادبی منصب تھا۔ مگر غزل کے اسلوب میں لقاء باری
تعالیٰ اور محبت محبوب ازل ضرور بیان ہو سکتی ہے۔ اور عاشق الہی ہونا ہی منصب رسالت کا جزو اعظم ہے۔ اس
لئے محبت الہی کے بیان میں ابلاغ رسالت فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے ہم چند ایک نہایت درجہ خوبصورت امثال
پیش کرتے ہیں۔ بہت خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں۔

دعویٰ رسالت

بدہ از چشم خود آ بے درختانِ محبت را
مگر روزے دہندت میوہ ہائے پر حلاوت را
محبت کے درختوں کو اپنی آنکھوں کے پانی سے سیراب کر۔ تاکہ ایک دن وہ تجھے شیریں پھل دیں
من از یار آدم تا خلق را این ماہ بنمایم
گر امر و زمن نے بینی بہ بینی روزِ حسرت را
میں اُس یار کی طرف سے آیا ہوں کہ مخلوق کو یہ چاند دکھاؤں اگر آج تو مجھے نہیں دیکھے گا تو ایک روز
حسرت کا دن دیکھے گا۔

اگر از روضهٔ جان و دل من پرده بردارند بہ بنی اندراں آں دلبر پاکیزہ طلعت را
اگر میرے جان و دل کے چمن سے پردہ اٹھایا جائے تو تو اُس میں اُس پاکیزہ طلعت معشوق کا چہرہ دیکھ لے گا۔
فروغِ نورِ عشقِ اُو زِ بامِ وقصرِ مارِ روشن مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را
اُس کے نورِ عشق کی تجلی سے ہمارے بامِ وقصرِ روشن ہیں لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو

دعویٰ مسیحیت

مشاہدہ کریں محبتِ الہی اور اس کے عشق میں وارفتگی کو اپنے مسیح ہونے کے ثبوت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔
بہت ہی دل فریب انداز تغزل ہے۔ غزل کی تعریف کو یکسر تبدیل کرنے والا اور اس کو محبوب حقیقی کے قدموں میں
ڈالنے والا کلام ہے۔ فرماتے ہیں:

مرانہ زہد و عبادت نہ خدمت و کارے است ہمیں مرا است کہ جانم ربین دلدارے است
میرے پاس نہ زُہد ہے نہ عبادت نہ خدمت نہ اور کوئی کام۔ صرف ایک بات ہے کہ میری جان اس
دلدار کے پاس رہن پڑی ہوئی ہے

چہ لذتے است برویش کہ جاں فدائیش باد چہ راحتے است بکولیش اگر چہ خوں بارے است
اُس کے چہرہ میں ایسی لذت ہے کہ اُس پر جان قربان ہے اس کی گلی میں عجیب لطف ہے اگرچہ
وہاں خون کی بارش ہوتی ہے

مسحِ وقت مرا کرد آنکہ دید ایں حال بہ میں دلائلِ دعویٰ اگرچہ بیکارے است
خدا نے جب میرا یہ حال دیکھا تو مجھے مسحِ الزمان بنا دیا اب تو میرے دعوے کے دلائل دیکھو گو
(تیرے نزدیک) یہ بیکار ہے

دوائے عشقِ نحوایم کہ آں ہلاکت ماست شفاے ماہہ میں رنج و درد و آزارے است
میں عشق کا علاج نہیں چاہتا کیونکہ اس میں ہماری ہلاکت ہے ہماری شفا تو اسی رنج و درد اور بیماری میں ہے
اسی انداز میں فرماتے ہیں۔

اے محبتِ عجب آثار نمایاں کردی زخم و مرہم برہ یار تو یکساں کردی
اے محبت تو نے عجیب آثار دکھائے ہیں دوست کی محبت میں زخم اور مرہم کو ایک ہی کر دیا ہے
تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احسان کردی
میں بھی جب تک دیوانہ نہیں ہو گیا میرے ہوش ٹھکانے نہ ہوئے۔ اے جنونِ عشق تجھ پر قربان! تو نے
کتنا احسان کیا۔

ہمہ جاشور تو پیغم چہ حقیقت چہ مجاز
سینہ مشرک و مسلم ہمہ بریاں کردی
میں سب جگہ تیرا ہی شور دیکھتا ہوں خواہ حقیقت ہو یا مجاز۔ تُو نے تو مشرک اور مومن سب کے سینے جلا
ڈالے ہیں۔

آں مسیحا کہ برا فلاک مقاش گویند
لطف کردی کہ ازیں خاک مرا آں کردی
وہ مسیح جس کا مقام آسمان پر بیان کرتے ہیں تو نے مہربانی فرمائی کہ اسی زمین میں سے مجھے وہی مسیح بنا دیا

دعویٰ مجددیت

عجب دارید اے نا آشنا یاں غافلاں از دیں
کہ از حق چشمہ حیواں دریں ظلمت شود پیدا
اے دین سے غافل اور ناواقف انسانو۔ کیا تمہیں تعجب آتا ہے کہ اس اندھیرے میں خدا کی طرف
سے ایک چشمہ حیات پیدا ہو گیا ہے۔

چرا انساں تعجب ہا کند در فکرِ ایں معنی
کہ خواب آلودگاں را رافعِ غفلت شود پیدا
آدمی یہ بات سوچ کر کیوں حیران ہو کہ نیند کے متوالوں کے لیے ایک غفلت کا دور کرنے والا پیدا ہو گیا
فراموش شد اے قوم احادیثِ نبی اللہ
کہ نزد ہر صدی یک مصلح امت شود پیدا
اے میری قوم تو رسول اللہ کی حدیثوں کو بھی بھول گئی کہ ہر صدی کے سر پر امت کے لیے ایک مصلح
پیدا ہوا کرتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام نائٹل مطبوعہ 1893ء)

نذیر اور بشیر ہونے کے اعتبار سے

ایک ہی مقام پر کس قدر خوبصورت اور باوقار انداز میں انذار اور بشیر ہے۔
نشاں اگرچہ نہ در اختیار کس بودست
مگر نشاں بدہم از نشاں ز دادارم
اگرچہ نشان کسی کے اختیار میں نہیں ہوتے مگر میں خدا کی طرف سے ایک نشان کا پتہ بتاتا ہوں
کہ آں سعید ز طاعوں نجات خواہد یافت
کہ بخت و بخت پناہے بچار دیوارم
یعنی وہی خوش قسمت شخص طاعون سے نجات پائے گا جو جھپٹ کر میری چار دیواری کے اندر پناہ لے گا
مراقم بخدا وید خویش و عظمت او
کہ ہست ایں ہمہ از وحی پاک گفتارم
مجھے اپنے مالک کی اور اس کی بزرگی کی قسم ہے کہ میری یہ سب باتیں خدا پاک کی وحی سے ہیں

چہ حاجتست بہ بحثِ دگر ہمیں کا فیتہ برائے آنکہ سیہ شد دلش ز انکارم
 کسی اور بحث کی کیا ضرورت ایسے شخص کے لیے جس کا دل میرے انکار کی وجہ سے تاریک ہو چکا ہو
 یہی بات کافی ہے۔

اگر دروغ بر آید ہر آنچہ وعدہ من رواست گر ہمہ خیزند بہر پیکارم
 جو وعدہ میں کرتا ہوں اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو بے شک جائز ہے کہ سب مجھ سے لڑنے کے لیے اٹھ
 کھڑے ہوں۔



عربی زبان میں ابلاغ

حضرت اقدس کی تینوں زبانوں میں منفرد شان کے بیان میں ہم یہ حقیقت پیش کر رہے ہیں کہ ان تینوں زبانوں میں آپ حضرت کا اسلوب بیان ان کی کلاسیکی ادب کی پاسداری میں اور ان کے اقدار فن کے مطابق ہی نہیں بلکہ ان ہی کے اسالیب بیان میں ان سے بھی ارفع اور اعلیٰ ہے۔

اردو اور فارسی اساتذہ کے کلام سے آپ کے کلام کا ایک مختصر تقابل اور موازنہ پیش کیا جا چکا ہے۔

اس مقام پر ہم عربی کلاسیکی ادب پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے اور یہ جائزہ لیں گے کہ آپ حضرت کا عربی کلام کس حد تک عربی زبان کے مسلمہ شعری اسلوب اور طرز بیان سے مطابقت رکھتا ہے۔

دستور کے مطابق اول عربی زبان کی تخلیق اور اس کی عظمت و شان کے بارے میں چند اشارے ضروری ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام زبانوں کی ابتدا اور تدریجی ترقی کے بارے میں تاریخی شواہد دستیاب ہیں کہ کیسے ابتدا ہوئی اور کن زبانوں سے اختلاط و تعاون کے بعد اور کس دور زمانہ میں ایک مستقل اور منفرد زبان بن گئی۔

صرف عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس زمینی تو نہیں مگر قوی روحانی شواہد ہیں کہ یہ زبان الہامی زبان ہے بلکہ انسان کو جب اول مقام پر نطق و بیان سے نوازا گیا تھا تو وہ یہی زبان تھی اور دیگر تمام زبانیں اسی زبان کی مشتقات ہیں یا بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ ہمارے لیے تو اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے آقا اور امام آخر الزمان نے قرآن کریم کی آیت وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ.... اَلِی الْاٰخِرِ (الشُّورٰی: 8) کی تفسیر میں اس صداقت کو واضح کر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

واما تفصیل آیات تؤید ایه ام القرى و تبیین ان العربیة ام الالسنه و الھام اللہ

الاعلیٰ فمنھا آیه من اللہ المنان فی سورة الرحمن. اعنی قوله خلق الانسان علمه

السیان. فالمراد من البیان اللّغة العربیة. كما تشير الیه الاية الثانية اعنی قوله تعالیٰ

عربی مبین. فجعل لفظ المبین وصفًا خاصًا للعربیة و اشار الی انه من صفاته

الذاتیة. ولا یشترک فیہ احد (من الرحمن۔ ر۔ خ۔ جلد 9 صفحہ 188)

ترجمہ: اور ان آیتوں کی تفصیل جو آیت اُمّ القریٰ کی مؤید ہیں اور جو ظاہر کرتی ہیں جو عربی

اُمّ الالسنہ اور الھام الہی ہے سو یہ تفصیل ذیل ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک وہ آیت ہے جو

سورة رحمان میں ہے یعنی خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے

انسان کو پیدا کیا اور اُس کو بولنا سکھایا۔ سو بیان سے مراد جس کے معنی بولنا ہے عربی زبان ہے

جیسا کہ دوسری آیت اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی عَرَبِيٌّ مُبِينٌ سو خدا نے مبین کے لفظ کو عربی کے لیے ایک خاص صفت ٹھہرایا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ لفظ بیان کا عربی کی صفات خاصہ میں سے ہے۔

عربی زبان کی قدامت کے بارے میں ہمارے لیے تو یہی کافی ہے (تاہم آپ حضرت نے اس فرمان کے اثبات میں جو آسمانی اور لسانی شواہد پیش کیے ہیں ان کے علم کے لیے آپ کی معرکہ آراء کتاب من الرحمن کا مطالعہ از بس ضروری ہے)

ایک الہامی زبان ہونے کے ناطے سے یہ امر تو بدیہی ہے کہ ایسی زبان اور اس کا اسلوب اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی دیگر زبانوں سے ارفع و اعلیٰ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اپنے کلام کو ”احسن الحدیث“ اور ”احسن القصص“ اور عربی زبان کو ”عَرَبِيٌّ مُبِينٌ“ کی صفات کا حامل قرار دیا ہے چنانچہ عربی زبان کا اُمّ اللسنہ ہونا اور فصاحت و بلاغت میں سب زبانوں سے اعلیٰ ہونا بھی حضرت اقدس کی زبان میں سن لیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

واقتضت حکم ارادات الالهية ان ينزل كتابه الكامل الخاتم في
 اللهجة. النسي هي اصل الالسنة. و امّ كلّ لغة من لغات البرية. و هي عربي
 مبين. وقد سمعت ان الله جعل لفظ البيان. صفة للعربية في القران. و وصف
 العربية بعربي مبين. فهذه اشارة الى فصاحة هذا اللسان. و علو مقامها عند
 الرحمن و اما الالسنة الاخرى فما وصفها بهذا الشان.

(من الرحمن روحانی خزائن 9 صفحہ 203)

ترجمہ: اور الہی ارادوں کی حکمتوں نے تقاضا کیا کہ اس کی کامل کتاب جو خاتم الکتب ہے اس زبان میں نازل ہو جو جڑ زبانوں کی ہے اور تمام مخلوقات کی زبانوں کی ماں ہے اور وہ عربی ہے اور تو سن چکا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بلاغت فصاحت کو عربی کی صفت ٹھہرایا ہے اور عربی کو عربی مبین کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ پس یہ بیان اس زبان کی فصاحت کی طرف اشارہ ہے اور نیز اس کے مرتبہ عالیہ کی طرف ایما ہے مگر اللہ تعالیٰ نے دوسری زبانوں کو اس وصف سے موصوف نہیں فرمایا۔

عربی زبان کی قدامت اور اس کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی اس زبان کی تمام خصوصیات کو نہایت درجہ مختصر اور جامع فرمان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔
 أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِنِثَلَاتِ فَانِي عَرَبِيٌّ وَ الْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ وَ لِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ (رواہ حاکم)
 یعنی عرب قوم سے تین خصوصیات کی بنا پر محبت کرنی چاہیے اول یہ کہ میں عربی ہوں۔ دوم یہ کہ قرآن
 عربی میں نازل ہوا اور سوم یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

مؤرخین کی تحقیق کے مطابق عرب سامی اقوام میں سے ایک قوم ہے اور سام حضرت نوح کا بیٹا تھا۔ اس
 لیے یہ اقوام ایک ہی جڑ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس جڑ کے مقام پیدائش کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔
 بعض عراق اور حبشہ کہتے ہیں اور بعض اس مقام کو جزیرہ عرب کہتے ہیں۔

ان تین مقامات میں ہمارے نزدیک (جو کہ حضرت محمد مصطفیٰ نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں)
 جزیرہ عرب ہی عرب قوم اور اس کی زبان کی جائے پیدائش ہے کیونکہ اسی سر زمین اور اسی زبان میں اللہ تعالیٰ نے
 ایسی کامل اور آخری کتاب نازل فرمائی ہے اور عربی زبان کو مختلف اور متنوع ادوار میں تربیت دے کر اس مقام تک
 پہنچایا کہ ہستی باری تعالیٰ کا عرفان اور اس کا حسن و جمال بیان کرنے کے قابل ہو جائے۔ عربی زبان کا یہ نقطہ ارتقاء
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مکہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد ہوا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ نے حدیث نبویؐ
 میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے آیت ”قُرْآنًا عَرَبِيًّا“ کی تلاوت فرما کر ارشاد کیا کہ یہ خالص زبان
 عربی جس میں قرآن نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے الہاماً حضرت اسماعیلؑ کو تعلیم دی تھا۔ (متدرک حاکم)
 یہی وجہ ہے کہ عرب اقوام میں قبیلہ قریش کی زبان مسلمہ طور پر مستند اور فصیح عربی زبان سمجھی جاتی ہے
 عربی زبان کی بلوغت کے اس سفر میں دو ہی سنگ میل ہیں۔

اول۔ ادب جاہلیہ

دوم۔ قرآن کریم اور رسول اکرم کی فصاحت لسانی کہ آپؐ ”افصح العرب“ تھے۔

ہم نے ادب جاہلیہ کو صرف تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے اول قرار نہیں دیا بلکہ قرآن کریم کے ادبی دعوت
 مقابلہ کے اعتبار سے بھی اس کا اول ہونا اس طور سے لازم ہے کہ اسی شعری ادب کے مقابل پر اس نے فرمایا ہے
 ”وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ“ (البقرہ: 24)
 اگر ”فِی رَیْبٍ“ کے معانی ”قرآن کی ادبی عظمت سے انکار“ کیا جائے تو اس آیت کے معانی ایسے
 ہونگے اُن (ادباء عرب) سے کہہ دے کہ اگر تم قرآن کریم کو ادب عالیہ نہیں سمجھتے تو (ان موضوعات میں) مقابل
 پر کوئی کلام پیش کرو۔

یہ امر تو بدیہی ہے کہ اگر ادب جاہلیہ کی کوئی لسانی خوبی اور ادبی حُسن و جمال نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ قرآن کریم اپنی تمام ادبی عظمت و شان کے ہوتے ہوئے ایک ادنیٰ اسلوب ادب کو دعوت مقابلہ دیتا۔ موازنہ اور باہم تقابل ہم مرتبہ اور ہم اسلوب ادب کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ جہاں پر زبان ایک ہوگی وہاں پر اس کی لغت اور بیان کا اسلوب بھی ایک ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس نے عربی زبان کے فہم اور ادراک کو معارف قرآن کے سمجھنے کے لیے لازم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

”اسی زبان پر فہم معارف قرآنیہ کا مدار ہے اور جو کہ ماہر علم ادب نہیں اور نابغہ شعراء میں سے نہیں۔ ممکن نہیں کہ اس کو فقیہ کہا جاسکے۔“ (ترجمہ از مرتب) (انجام آتھم، ر۔خ۔ جلد 11 صفحہ 265)

ایک اور مقام میں تو بالکل وضاحت سے فرماتے ہیں:

”ائمہ راشدین نے جاہلیت کے ہزار ہا اشعار کو حفظ کر رکھا تھا اور قرآن شریف کی بلاغت فصاحت کے لیے انکو بطور سند لاتے تھے“ (نزول المسیح، ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 434)

یہاں تک تو عربی زبان کی تخلیق اور اس کی عظمت و شان کا ذکر ہوا ہے۔ اب ہم اس زبان کے شعری اسلوب اور اس کے مخصوص موضوعات کو بہت اختصار سے پیش کرتے ہیں یہ بات تو بیان ہو چکی ہے کہ ہر قومی ادب کی تخلیق اور تشکیل میں اس قوم کے تمدنی اور سیاسی عوامل ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس قوم کی ذہنی ترجیحات اور قلبی پسند و ناپسند کی تعیین کرتے ہیں اور اپنی ترجیحات ذہنی اور جذبات قلبی کا شعری بیان ہی ان کا ادبی سرمایہ ہوتا ہے۔

عرب ایک جزیرہ نما ہے جس کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ زیر زمین پانی بہت کم یاب ہے اور بارش نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لیے وہ زمین زراعت کے قابل نہیں اور نہ ہی شہری زندگی کے لیے موزوں ہے۔ ان جغرافیائی تقاضوں کے تحت اس زمین کے باسی خانہ بدوش زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ چراگاہ اور پانی کی تلاش میں اپنے جانوروں کو اور اپنے خاندانوں کو صحرا بصرہ لیے پھرتے تھے اور جب کبھی قحط پڑتا تو آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کر کے لوٹ مار کرنے لگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادب اور شعری محرکات میں بہادری اور مبارزت (باہم جنگی مقابلے کی دعوت) اور قحط سالی میں سخاوت بنیادی موضوعات شعر تھے۔ اور انہی اخلاق و اطوار میں باہم تقاضا اور تقابل اہم موضوع کلام تھا۔ اگر ان سب محرکات شعری کو ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ لفظ ”مبارزت“ ہے یعنی جنگ و جدال۔ اگر تلوار سے ہے تو بھی اور اگر باہم مباحثات میں ہے تو بھی۔ اس شعری تجزیہ کے اثبات میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

اول جاہلیہ کے شاعر ابوالغول کا شوق جنگ و جدال اور تفاخر کا مشاہدہ کریں

فَدَثْ نَفْسِي وَ مَا مَلَكَتْ يَمِينِي فَوَارِسَ صَدَقْتُ فِيهِمْ ظُنُونِي

میری جان اور میرا سارا مال ان شہسواروں پر قربان ہو جنہوں نے اپنے متعلق میرے خیالات کو سچ کر دکھایا۔ (شہسواروں کے متعلق جیسے میرے نظریات تھے وہ ویسے ہی بیباک اور بہادر ثابت ہوئے۔)

فَوَارِسَ لَا يَمَلُّونَ الْمَنَايَا إِذَا دَارَتْ رَحَى الْحَرْبِ الزُّبُونِ

وہ ایسے شہسوار ہیں جو موتوں کی سختیوں سے تنگ دل نہیں ہوتے۔ جب فنا کرنے والی جنگ کی چلکی گھومنے لگتی ہے۔

وَلَا يَجْزُونَ مِنْ حَسَنِ بَسَىءٍ وَلَا يَجْزُونَ مِنْ غِلْظِ بَلِينِ

وہ نیکی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے اور نہ سختی کے بدلے نرمی کرتے ہیں۔ بلکہ سختی کا سختی اور نرمی کا نرمی سے بدلہ دیتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام موضوعات شعر جاہلیہ جن کا گذشتہ میں ذکر ہوا اسی ایک نمونہ شعر میں یکجا دستیاب ہیں۔ جنگی شاہسواروں کا بھی ذکر ہے۔ دلیری اور بہادری میں فخر و مباہات بھی ہے اور تیسرے شعر میں اپنے اخلاقی دستور کو بھی ایک باغیرت اور احسان کا بہتر بدلہ دینے والی قوم کے طور پر بیان کر دیا ہے۔ گواس مثال میں خالص میدان جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جہاں اس کے قبیلے کے سوار موت و حیات سے بے پرواہ ہو کر اپنی اپنی جنگی شجاعت اور آداب جنگ و جدال کا نظارہ دکھا رہے ہیں۔ تاہم اخلاقی خوبی بھی بیان ہے مگر مبارزت کے ساتھ۔

اب ایک ایسی مثال بھی دیکھ لیں جس میں تفاخر اور مباہات بھی ہے مگر تغزل بھی۔ جو کہ عربی شاعری کے اجزائے اعظم میں سے ہے۔

أَنَا مَحْيُوكَ يَا سَلْمَىٰ فَحِينَا وَإِنْ سَقَيْتَ كِرَامَ النَّاسِ فَاسْقِينَا

اے سلمیٰ ہم تجھ کو سلام کرتے ہیں تو تو بھی ہمیں سلام کر اور اگر تو صرف شرفاء کو شراب پلاتی ہے تو ہمیں پلا۔

وَإِنْ دَعَوْتَ إِلَيَّ جُلُوسِي وَمَكْرُمِي يَوْمًا سَرَاةَ كِرَامِ النَّاسِ فَادْعِينَا

اگر تو کسی دن لڑائی یا سخاوت کے لیے شریف زادوں کو بلائے تو ہمیں بھی بلا ہم بھی اس کے اہل ہیں۔

إِنْ تُبَدِّدْ رُغَايَةَ يَوْمًا لِمَكْرُمِي تَلَقَّ السَّوَابِقَ مِنَّا وَالْمُصَلِّينَا

اگر کسی دن عزت کے کسی کام کے لیے مقابلہ ہو اور لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی

کوشش کریں تو اول اور دوم نمبر پر ہمارے گھوڑے ہوں گے اور پیچھے دوسروں کے۔

اب دیکھ لیں نفس مضمون میں اپنی طرف التفات اور توجہ کی التجا ہے۔ مگر اس کا جواز عشق و محبت نہیں بلکہ

خالص قومی تقاضا اور شجاعت کی بنا پر ہے شعر جاہلیہ کے اس اسلوب اور ترجیحات کلام کے ثبوت میں ابوتمام کا حماسہ اور معلقات کے قصائد کا ہر شعر گواہ ہے اور جاہلیہ کی شاعری کی یہی پختہ اسناد ہیں اور حضرت اقدس کے فرمان کے مطابق آئمہ راشدین انہی کو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے ثبوت میں بطور سند لاتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن کریم نے عربی اسلوب کو قائم رکھتے ہوئے عربی ادب کی ترجیحات اور مقاصد کا رخ موڑ دیا۔ دنیا کی محبت کو خدا کی محبت میں تبدیل کر دیا اور باہم جنگ و جدال کے شوق کو خدا کے منشا کے مطابق جہاد میں اور سخاوت اور اکرام ضیف کو صدقہ اور خیرات کی تلقین میں بدل دیا۔

ہمارے آقا حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کریم کے کامل اتباع میں اپنے کلام میں اسی دستور کو قائم رکھا ہے اور کمال ادبی شان اور صنعت گری کے ساتھ اشعار کی تخلیق کی ہے اور عربی کلاسیکل اسلوب کی پاسداری فرمائی ہے۔ ادب جاہلیہ میں اول مقام توسبغہ معلقات کا ہے اور دوسرے درجے پر وہ اشعار ہیں جو بعثت نبی اکرمؐ سے قبل مقبول عام تھے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ حماسہ کی صرف دو مثالیں پیش کی ہیں۔ تقابل اور موازنہ کے لیے حضرت اقدسؑ کے چند اشعار بھی ملاحظہ کر لیں۔ ابلاغ رسالت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

وَنَحْنُ كَمَا هَا اللَّهُ جِئْنَا بِأَمْرِهِ حَلَلْنَا بِلَادَ الشِّرْكِ وَاللَّهُ يَخْفُرُ

ہم خدا کے سوار ہیں۔ اُس کے حکم سے آئے ہیں۔ اور شرک کے شہروں میں ہم داخل ہوئے ہیں اور خدا رہنمائی کر رہا ہے۔

أَقُولُ وَلَا أَخْشَى فَإِنِّي مَسِيحُهُ وَلَوْ عِنْدَ هَذَا الْقَوْلِ بِالسَّيْفِ أَنْحَرُ

میں بے دھڑک کہتا ہوں کہ میں خدا کا مسیح موعود ہوں۔ اگرچہ میں اس قول پر تلوار سے قتل بھی کیا جاؤں

وَقَدْ جَاءَ فِي الْقُرْآنِ ذِكْرُ فَصَائِلِي وَذِكْرُ ظُهُورِي عِنْدَ فَنِي تَشَوَّرُ

اور میرے فضائل کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور میرے ظہور کا ذکر بھی پُر آشوب زمانہ میں ہونا لکھا ہے

وَمَا أَنَا إِلَّا مُرْسَلٌ عِنْدَ فِتْنَةٍ فَرْدٌ قَضَاءَ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ تَقْدِرُ

اور میں خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ پس خدا کے حکم کو تو بدل دے اگر تجھے قدرت ہے

تَخَيَّرَنِي الرَّحْمَانُ مِنْ بَيْنِ خَلْقِهِ لَهُ الْحُكْمُ يَقْضِي مَا يَشَاءُ وَيَأْمُرُ

خدا نے مجھے اپنی مخلوقات میں سے چُن لیا ہے۔ حکم اسی کا حکم ہے جو چاہے کرے

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں۔

وَإِنِّي مِنَ الْمَوْلَى الْكَرِيمِ وَإِنَّهُ يُحَافِظُنِي فِي كُلِّ دَشْتٍ وَيَخْفُرُ

اور میں خدا کی طرف سے ہوں۔ اور خدا ہر ایک جنگل میں میری محافظت اور رہنمائی کرتا ہے

فَكَيْدُهَا جَمِيعَ الْكَيْدِ يَا أَيُّهَا الْعَدَا فَيَعْصِمُنِي رَبِّي وَهَذَا مُقَدَّرُ

پس ہر ایک قسم کا مکر مجھ سے کرواے دشمنو! پس میرا خدا مجھے بچائے گا اور یہی مقدر ہے
 مَضَى وَقْتُ ضَرْبِ الْمُرْهَفَاتِ وَ دَفُّوْهَا وَ اَنَا بِبُرْهَانَ مِّنَ اللّٰهِ نَنْحَرُ
 وہ وقت گزر گیا جب کہ تلواریں چلائی جاتی تھیں۔ اور ہم خدا کی برہان سے منکروں کو ذبح کرتے ہیں
 وَ لِلّٰهِ سُلْطٰنٌ وَ حُكْمٌ وَ شَوْكَةٌ وَ نَحْنُ كَمَاةٌ بِالْاِشَارَةِ نَحْضُرُ
 اور خدا کے لیے تسلط اور حکم اور شوکت ہے۔ اور ہم وہ سوار ہیں جو اشارہ پر حاضر ہوتے ہیں
 اور اس مثال کو دیکھیں کہ خالص عربی اسلوب اور کامل اتباع اساتذہ ادب ہے۔ فرماتے ہیں۔

بِمُطَّلَعٍ عَلٰى اَسْرَارِ بَالِىٍّ بَعَالِمِ غَيْبِيٍّ فِى كُلِّ حَالِىٍّ
 قسم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور قسم اس ذات کی جو ہر حال میں میرے
 سینے کے راز سے واقف ہے

بِوَجْهِهِ قَدْ رَأَى اَغْشَارَ قَلْبِيٍّ بِمُسْتَمْعٍ لِّصَرَخِىٍّ فِى اللِّيَالِىٍّ
 قسم ہے اس ذات کی جو میرے دل کے تمام گوشوں سے واقف ہے اور قسم اس ذات کی جو راتوں کو
 میری آہ و زاری کو سننے والا ہے

لَقَدْ اُرْسِلْتُ مِنْ رَبِّ كَرِيْمٍ رَجِيْمٍ عِنْدَ طُوفَانِ الضَّلَالِ
 بے شک میں رب کریم کریم کی طرف سے طوفان ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں
 اور فرماتے ہیں:

تَعَالَى اِلَى الْهُدٰى ذُلًّا خُضُوْعًا اِلٰى مَا تَكْتَسِيْ ثُوبَ الدَّلٰلِ
 فروتنی اور خاکساری سے ہدایت کی طرف آ۔ کب تک تو غرور کا لباس پہنے رکھے گا
 وَ اِنْ نَاصَلْتَنِىْ فَتَرٰى سِهَامِىَّ وَ مِثْلِىَّ لَا يَفِرُّ مِنَ النَّصَالِ
 اگر تو تیرا اندازی میں میرا مقابلہ کرے تو میرے تیروں کا تجھے پتہ لگ جائے گا اور میرے جیسا آدمی
 تیرا اندازی کے مقابلہ میں بھاگا نہیں کرتا

سِهَامِىَّ لَا تَطِيْشُ بَوَقْتِ حَرْبٍ وَ سَيْفِىَّ لَا يُغَادِرُ فِى الْقِتَالِ
 لڑائی کے وقت میرے تیر خطا نہیں جاتے اور میری تلوار لڑائی میں (کسی کو) نہیں چھوڑتی
 فَاِنْ قَاتَلْتَنِىْ فَاَرِيْكَ اَنِّىَّ مُقِيْمٌ فِى مَيَادِيْنِ الْقِتَالِ
 اگر تو مجھ سے جنگ کرے تو میں تجھے دکھا دوں گا کہ بیشک میں لڑائی کے میدانوں میں ثابت قدم ہوں
 اِبًا لِاِيْنْدَاءِ اَتْرُكُ اَمْرَ رَبِّىَّ وَ مِثْلِىَّ حِيْنَ يُؤَدِّىَّ لَا يُسَالِىَّ
 ابا! اپنے انداز سے ترک کر دوں گا میرے رب کی طرف سے میرے جیسا آدمی جب کہ میرے جیسا آدمی

کیا دکھ دیے جانے سے میں اپنے رب کے کام کو چھوڑ دوں گا؟ جبکہ میرے جیسا آدمی ایذا دیے جانے کی پروا نہیں کیا کرتا
 وَ كَيْفَ أَخَافُ تَهْدِيدَ الْخُنَاثِيْ وَ قَدْ أُعْطِيتُ حَالَاتِ الرَّجَالِ
 میں مخنثوں کی دھمکی سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ مجھے مردوں کے حالات مردانگی دیے گئے ہیں
 أَلَا اِنِّيْ اُقَامُوْمُ كَمَلِّ سَهْمٍ وَ اَقْلِسِي الْاَكْمِسَانَ عَنِ النَّبَالِ
 آگاہ رہو کہ میں ہر تیر کا سامنا کر سکتا ہوں اور میں تیروں کے خوف سے مورچہ بند ہونے کو پسند نہیں کرتا
 مشاہدہ کریں کہ مضمون البلاغ رسالت کا ہے مگر اسلوب مبارزت کا ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان اور حکم ہے اور
 مقابلہ براہین اور دعا اور تائید الہی سے ہے مگر حکم الہی کی بجا آوری کے اظہار میں دلیر شاہ سوار ہیں اور دعا کے اظہار میں
 تیر ہیں اور حکم خداوندی کی بجا آوری میں تلوار بُت شکن ہیں۔ اور شجاعت اور دلیری ایسی ہے کہ مبارزت اور مقابلہ کی
 دعوت عام ہے۔

اختصار کے پیش نظر جاہلیہ کے متعدد شعراء سے صرف دو شاعروں کی مثال دی ہے اور ان کے مقابل پر
 حضرت اقدس کے اشعار پیش کیے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اسلوب ادب جاہلیہ اور حضرت کے طرز بیان کا
 اتحاد و یک رنگی واضح ہو جائے۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس کا اسلوب بیان دراصل معلقات کے قصائد
 تخلیق کرنے والے اساتذہ ادب سے صرف مطابقت ہی نہیں رکھتا بلکہ بہت مقامات میں حضور نے ان کے
 اشعار کے جملے اور ان کے طرز بیان کو اختیار فرمایا ہے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خالص عربی زبان کا مولد و مسکن جزیرہ عرب تھا۔ اور ملک عرب میں اس زبان
 کا مکتب لسانی وہی مکہ مکرمہ تھا جہاں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس زبان کی الہامی تائید کیساتھ
 تہذیب و تعدیل کی اور نسیجۃ حقیقی فصیح زبان عربی قریش کی زبان مانی گئی۔

اسی لسانی عظمت کے تحت اقوام عرب کا یہ دستور تھا کہ جب تک کوئی شاعر مکہ جا کر قبیلہ قریش سے اپنے
 کلام کی داد سخن حاصل نہیں کرتا تھا۔ اس وقت تک اس کا کلام مستند اور مقبول نہیں ہوتا تھا۔ اسی دستور کے مطابق
 قریش اُدبا کی نظر میں جو قصیدہ ان کے معیار فصاحت و بلاغت کے مطابق ہوتا اُس کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا جاتا
 تھا۔ چنانچہ اشعار جاہلیہ میں سات قصائد ایسے منتخب ہوئے تھے اور ان کو خانہ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیا گیا
 تھا۔ تاکہ یہ اعلان عام ہو کہ یہ عربی ادب کی شاہکار امثال ہیں۔

ان قصائد میں جن کو صف اول کا شاہکار کلام کہا جاسکتا ہے وہ لبید بن ربیعہ کی شعر غمبی اور ذوق سلیم کے
 مطابق اول امر اذ القیس اور دوم طرفہ اور سوم لبید کا اپنا قصیدہ ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ ادب جاہلیہ عربی زبان کا ایسا ارتقا علوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اسی

اسلوب پر نازل کرنا پسند فرمایا اور اس سے بہتر کلام نازل کیا اور اُدباً عرب کو ”فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ“ کی دعوت مقابلہ دی مگر ”مِثْلِهِ“ کی شرط لگا کر واضح کر دیا کہ موضوعات شعر بھی وہی ہوں جو کہ قرآن کریم کے ہیں۔ قرآن کریم کے واضح فرمان کے تحت ہی ہمارے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ”جوامع الکلم“ عطا کیے گئے اور آپ کو ”فصح العرب“ کا منصب عطا فرمایا گیا۔

ہمارے پیارے امام حضرت مسیح موعودؑ کا کلام عربی بھی اسی فرمان قرآن کریم کے اتباع میں ہے یعنی اس طور سے کہ اسلوب ادب کو قائم رکھا گیا مگر جاہلیہ کے شعر کے موضوعات اور محظوظ نظر کو بدل کر ان کا رخ تبدیل کر دیا اور ان کی شاہ سواری اور شجاعت کو اخلاق حسنہ میں مبارزت کو محبوب حقیقی کے قرب اور اس کی لقا میں اور اس کے لیے جان فدا کرنے کو اپنے شعر کی ترجیحات بنا لیا۔ جیسا کہ آپ اپنے پیارے خدا کو مخاطب کر کے عرض کر رہے ہیں۔

أَنْتَ الَّذِي قَدْ كَانَ مَقْصِدَ مُهْجَتِي فِي كَلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْإِمْلَاءِ

ترجمہ: تو ہی تو میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور لکھائی ہوئی تحریر میں۔

بیان یہ ہو رہا تھا ادب عربیہ میں لبید کے کہنے کے مطابق تین اصحاب معلقات فصیح العرب ہیں۔ حضرت اقدس نے بھی عمومی طور پر ان تین شعراء کے اسلوب میں شعر تخلیق فرمائے ہیں۔ ان شعراء میں جیسا کہ اوّل امرأۃ القیس کا قصیدہ ہے۔ حضرت کے کلام میں بھی اس کے قصیدہ لامیہ کی جا بجا جملکیاں نظر آتی ہیں۔ ان کی امثال کو ملاحظہ کریں:

۱۔ امرأۃ القیس اپنے گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے۔

مِكَرٍ مَّفَرٍّ مُّقْبِلٍ مُّذْبِرٍ مَّعًا كَجَلْمُودٍ صَخْرٍ حَطَّةُ السَّيْلِ مِنْ عَلِي

ترجمہ: وہ گھوڑا بہت حملہ کرنے والا اور بہت بھاگنے والا اور آگے بڑھنے والا اور پیچھے ہٹنے

والا ہے اور یہ سب ایک وقت میں کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بھاری پتھر جسے

رود (سیلاب) نے اوپر سے نیچے کو گرا دیا ہو۔

حضرت اقدس اپنے پیارے محبوب اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور شان میں فرماتے ہیں۔

رءُوقٌ رَّحِيمٌ أَمْرٌ مَّانِعٌ مَّعًا بِشِيرٍ نَّذِيرٌ فِي الْكَرُوبِ مُبَشِّرٌ

ترجمہ: وہ بیک وقت مہربان ہے۔ رحیم ہے اور امر و نہی کرنے والا ہے۔ بشارت دینے

والا۔ انداز کرنے والا اور تکالیف میں خوشخبری دینے والا ہے۔

آپ حضرت اپنے قلم کی شان کو بیان کرتے ہوئے امر اَوّ القیس کے ایک مکمل مصرع کو اختیار فرماتے ہیں۔
 وَأَعْطَيْتُ قَلَمًا مِثْلَ مَنْجَرِدِ الْوَعْيِ فَيُسْعِرُ نِيرَانًا وَ كَالْبَرْقِ يَخْفِقُ
 اور میں قلم لڑائی کے گھوڑے کی طرح دیا گیا ہوں پس آگ کو سلگاتی اور برق کی طرح ہلتی ہے
 مِغْرٌ مَفْرٌ مُقْبِلٌ مُذْبِرٌ مَعَا كَذَابٌ أَجَارِدٌ عِنْدَ مَوْقِدِ مَأْزِقِ
 حملہ کرنے والے، بھاگنے والے، آگے ہونے والے، پیچھے ہونے والے جیسا کہ لڑائی کے میدان
 میں عمدہ گھوڑوں کی عادت ہے۔

شعر عربی میں امر اَوّ القیس کا ایک زندہ جاوید شعر اپنے محبوب کے حسن و جمال کے بیان میں ہے۔
 کہتا ہے:

تَضِيءُ الظَّلَامِ بِالْعَشِيِّ كَانَهَا مَنَارَةٌ مُسَارَاهِبٍ مُتَيَّلِ
 وہ اپنے حسن سے رات کی تاریکی اس طرح روشن کر دیتی ہے جیسا کہ ایک تارک الدنیا
 راہب کا چراغ ہو۔

حضرت اقدس قرآن کریم کے نور کی ضیاء پاشی اور برکات کے بیان میں فرماتے ہیں۔

يُضِيءُ الْقُلُوبَ وَيَدْفَعَنَّ ظَلَامَهَا وَيَشْفِي الصُّدُورَ سَوَادَهُ وَيُهْدِبُ
 وہ دلوں کو روشن کرتا اور ان کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے اور اس کی تحریر سینوں کو شفا دیتی ہے اور مہذب کرتی ہے۔
 فَقُلْتُ لَهُ لَمَّا شَرِبْتُ زَلَالَهُ فِدَى لَكَ رُوحِي أَنْتَ عَيْنِي وَمَشْرَبُ
 پس میں نے قرآن سے کہا جب میں نے اس کا صاف پانی پیا۔ تجھ پر میری جان قربان ہو کہ تو میرا چشمہ اور گھاٹ ہے۔
 اور فرماتے ہیں:

تَضِيءُ الظَّلَامِ مَعَارِفِي عِنْدَ مَنْطِقِي وَقَوْلِي بِفَضْلِ اللَّهِ ذُرٌّ مُنَوَّرُ
 میری گفتگو کے وقت میرے معارفِ ظلمت کو روشنی سے بدل دیتے ہیں اور میرا قول اللہ
 کے فضل سے روشن ہوتی ہے۔

ایک مثال اور دیتا ہوں۔ عبداللہ اَھتم سے مباحثہ کے لیے امرت سر کی طرف روانہ ہونے کے ذکر میں فرماتے ہیں۔
 وَبَشَّرَنِي قَبْلَ الْجِدَالِ بِلُطْفِهِ فَقَالَ لَكَ الْبُشْرَى وَ أَنْتَ الْمُظَفَّرُ
 اور مقابلہ سے پہلے ہی اس نے اپنی مہربانی سے مجھے بشارت دے دی۔ سو کہا: تجھے بشارت ہو تو ہی
 کامیاب ہونے والا ہے۔

فَفَاصَتْ دُمُوعُ الْعَيْنِ مِنِّي تَذَلُّلاً وَ قَصَدَتْ عَنَبٌ سَرَ وَ قَطْرِي يَمَطُرُ

تب میری آنکھوں سے عاجزی سے آنسو جاری ہو گئے اور میں نے اس حال میں امرتسر کا ارادہ کیا کہ میرے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی۔

امراؤ القیس اپنے محبوب سے جدا ہونے پر کہتا ہے

فَفَاصَتْ دُمُوعُ الْعَيْنِ مِنِّي صَبَابَةً عَلَى النَّخْرِ حَتَّى بَلَّوْا مَعِيَ مَحْمَلِي

اس کی محبت میں آنسو میری آنکھوں سے میرے سینے پر گرے یہاں تک کہ انہوں نے

میری تلوار کی میان کو بھگو دیا۔

ایک شعر اور سن لیں۔

امراؤ القیس رات کی تاریکی اور خوف و خطر کے بیان میں کہتا ہے۔

وَلَيْلٌ كَمَوْجِ الْبَحْرِ أَرَحَى سُذُولَهُ عَلَى بَانَوَاعِ الْهُمُومِ لَيْتِلُ

اور بہت تاریک راتوں نے سمندر کی امواج کی طرح سے مصائب کے پردے مجھ پر ڈالے

حضرت اقدس عام گمراہی اور بے دینی کے عالم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تَرَائَتْ غَوَايَا تَكْرِيبِ عَاصِفٍ وَ أَرَحَى سُذُولَ الْغَيِّ لَيْلٌ مُكَدَّرُ

گمراہیاں ٹنڈ ہوا کی طرح نظر آ رہی ہیں اور تاریکی پیدا کرنے والی رات نے گمراہی کے

پردے لٹکا دیے ہیں۔

حضرت اقدس کے اشعار سے امراؤ القیس کے اشعار کا تقابل قدرے طویل ہو گیا ہے۔ اس کی ایک

وجہ تو یہ ہے کہ امراؤ القیس جاہلیہ کے شعراء کا سردار اور استاد ہے۔ اس شاعر کے قصیدے کو عربی ادب کا شاہکار

گردانتے ہوئے قریش نے اول مقام پر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیا تھا اور جاہلیت کے ہر شاعر نے کوشش کی

ہے کہ وہ کسی نہ کسی حد تک اس کے اسلوب بیان اور لفظی محاسن کو حاصل کرے اس لیے اگر حضرت اقدس اور

امراؤ القیس کے اسالیب شعر کے اتحاد و یک رنگی کو قدرے تفصیل سے بیان کر دیا جائے تو گویا ہم نے تمام عربی

کلاسیکی ادب کا موازنہ حضرت اقدس کے ادب سے کر دیا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حقیقت میں حضرت اقدس کے اشعار میں بے شمار مثال اسی شاعر کے اسلوب

شعری اور انتخاب لفظی سے اتحاد کھتی ہیں۔

تاہم صرف امراؤ القیس پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ اساتذہ شعر عربی میں حضرت اقدس نے طر فدا اور لیبید

کو بھی قابل اعتنا سمجھا ہے کچھ مثال ان کی بھی ملاحظہ کر لیں۔

طَرْفَ اِپْنِ نَاقَةِ كِى خَوْبِى كِى بِيَانِ مِىں كِهْتَا هِے

وَصَادِقَتَا سَمْعِ التَّوَجُّسِ لِلشَّرَائِى لِهَجَسِ خَفِيٍّ اَوْ لَصَوْتِ مُنَدِّدٍ

ترجمہ: اُس کے دونوں کان رات میں چلتے وقت کا نا پھوسى كى طرف بہت ٹھيك اور سچے
ہیں اُس کا کان لگانا خواہ پست آواز كى طرف ہو یا بلند آواز كى طرف۔

حضرت اقدس وحى الہى كى آواز كے بيان ميں فرماتے ہیں۔

وَمَا قُلْتُ اِلَّا مَا اُمِرْتُ بِوَحْيِهِ وَمَا كَانَ هَجَسٌ بَلْ سَمِعْتُ مُنَدِّدًا

ترجمہ: اور ميں نے وہى بات كہى جس كا مجھے خدا كى وحى سے حكم ديا گيا اور وہ كوئى نا قابل فہم
دھيمى آواز نہ تھی بلکہ ميں نے تو ايك پُر شوكت آواز سنى ہے۔

ايك اور مثال بهى سُن لیں۔

طَرْفَ اِپْنِ نَاقَةِ كِى چُسْتِ رِفْئَارِى كِى بِيَانِ مِىں كِهْتَا هِے۔

اَحَلَّتْ عَلَيَّهَا بِالْقَطِيعِ فَاجْذَمَتْ وَقَدْ خَبَّ اِلِىَّ الْاَمْعَزِ الْمَتَوَقِّدِ

ميں نے اِپْنِ نَاقَةِ پَر سوار ہو كر كوڑا اٹھايَا چنانچہ وہ چٹيل زمين ميں موج مارتى ہوئى گرم ريت پَر خوب دوڑى
حضرت اقدس مكَفَرين پَر رحمت پورى كرنے كے بيان ميں فرماتے ہیں۔

رَأَيْتُ تَغْيِظُكُمْ فَلَمْ اِلْ حُجَّةً وَ وَطِئْتُ ذَوْقًا اَمْعَزًا مُتَوَقِّدًا

ترجمہ: ميں نے تمہارا غصہ ديكھا سو ميں نے جُت پورى كرنے ميں كو تاہى نہيں كى اور ميں
نے پتھر يلى اور بھرتى ہوئى زمين كو ذوق و شوق سے پامال كيا۔

جيسا كہ بيان ہوا ہے كہ سبع معلقات كے شاعروں ميں لبید نے اپنا منصب تيسرے نمبر پَر ركھا ہے۔ يعنى
اَوَّلِ اِمْرَاؤِ الْقَيْسِ دَوْمِ طَرْفِہِ اَوْ رِسْمِ لَبِيدِ بْنِ رَبِيعَةَ شَعْرَى اَوْ رَادِى عِظْمَتِ كِى اَعْتَبَارِ سِے اس كے فيصلے سے
اِخْتِلَافِ كَرْنَا مُمْكِنِ نَهِيں۔ وہ ايك جليل القدر شاعر اور صاحب ذوقِ سَلِيمِ هستى تھا۔ مگر روحانى اَعْتَبَارِ سِے دل يہ چاہتا
ہے كہ لبید كو اَوَّلِ مَقَامِ دِیں۔

كيونكہ معلقات كے شعراء ميں لبید ہی ايك ايسے خوش نصيب شاعر ہيں جنہوں نے اسلام قبول كيا۔ جن
كو رسول اكرم صلى اللہ عليہ وسلم كى زيارت نصيب ہوئى اور جن كے نام كے ساتھ ’رَضِىَ اللہ عَنْہُ‘ كا خطاب
مُتَّصِلِ ہوا۔ معلقات كے شعراء ميں يہ ايك ايسا افتخار ہے جو كسى اور كو نصيب نہيں ہوا۔

اور پھر حضرت لبید ہی ايك ايسے شاعر ہيں جن كے دَوْمِ مَصْرَعِ اللہ تَعَالَى نے اِپْنِ كَلَامِ كِى

طور پر اختیار فرمائے۔

حضرت اقدس کو نشان کے طور پر زلزلوں کی تباہ کاریوں کی اطلاع دینے کی غرض سے الہام ہوا

عفت الدیار محلہا و مقامہا

(تذکرہ صفحہ 556-مطبوعہ 2004ء)

یہ حضرت لبیدؓ کے معلقے کا اوّل مصرع ہے۔

آپ حضرت اس مصرع کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

عَفَّتِ الدِّيَارُ مَحِلَّهَا وَ مَقَامَهَا بِمَنَى تَابَدَ غَوْلَهَا فَرَجَامَهَا

”اس کے معنی ہیں کہ میرے پیاروں کے گھر منہدم ہو گئے۔ ان عمارتوں کا نام و نشان نہ رہا جو عارضی سکونت کی عمارتیں تھیں اور نہ وہ عمارتیں رہیں جو مستقل سکونت کی عمارتیں تھیں۔ دونوں قسم کی عمارتیں نابود ہو گئیں“

اور دوسرا الہامی مصرع بھی اسی قصیدے کا ہے

انَّ الْمَنَائِيَا لَا تَطْيِشُ سِهَامَهَا

ترجمہ: موتوں کے تیر خطا نہیں جاتے (تذکرہ صفحہ 573-مطبوعہ 2004ء)

فرماتے ہیں۔ ”تب میں نے کشفی حالت میں ہی یہ دعا کی کہ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تب الہام

ہوا ”انَّ الْمَنَائِيَا قَدْ تَطْيِشُ سِهَامَهَا“ یعنی موتوں کے تیر خطا بھی جاتے ہیں۔

مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے لبید کے مصرعے میں ایک خبر دی اور اسی کے مصرعے کی اصلاح کر کے مندر واقعہ کو معدوم کر دیا یہ اصلاح اس اعتبار سے بھی معتبر ہے کہ لبید کو خدا تعالیٰ کے قادر ہونے پر وہ یقین نہیں تھا جو حضرت اقدس کو تھا۔ یعنی یہ کہ تیر اسی صورت میں نشانے پر لگتا ہے جب خدا کا منشا ہو۔

معلقات کے شعراء میں اس افتخار کے بارے میں حضرت اقدس کے فرمان کو سن لیں۔ فرماتے ہیں۔

اب یاد رہے کہ وحی الہی یعنی عفت الدیار محلہا و مقامہا یہ وہ کلام ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے خدا تعالیٰ نے لبید بن ربیعہ العامری کے دل میں ڈالا تھا جو اُس کے اس قصیدہ کا اوّل مصرع ہے جو سب سے پہلے معلقہ کا چوتھا قصیدہ ہے اور لبید نے زمانہ اسلام کا پایا تھا اور مشرف باسلام ہو گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے اس کے کلام کو یہ عزت دی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ ایسی ایسی تباہیاں ہوں گی جن سے ایک ملک تباہ ہوگا وہ اسی کے مصرع کے الفاظ میں بطور وحی فرمائی گئی جو اس کے منہ سے نکلی تھی۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 162)

اور پھر لبید کے کلام کی تعریف میں فرمایا:

”اس سے کیوں تعجب کرنا چاہئے کہ لبید جیسے صحابی بزرگوار کے کلام سے اس کے کلام کا توارد ہو جائے۔ خدا تعالیٰ جیسے ہر ایک چیز کا وارث ہے ہر ایک پاک کلام کا بھی وارث ہے اور ہر ایک پاک کلام اُسی کی توفیق سے مُنہ سے نکلتا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 162)

اس لیے اگر ہم یہ فیصلہ کر لیں کہ معلقات میں اول درجہ اور مقام حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے تو ہم ہر اعتبار سے حق بجانب ہوں گے۔

حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی اور شعری قرب و مناسبت کو دونوں حضرات کے ایک شعر کی مثال پر ختم کرتا ہوں۔

لبید اپنے محبوب قبیلے کے غیر آباد اور تباہ شدہ قیام گاہ کے نشانوں کو (جن کو سیلاب نے دوبارہ اجاگر کر دیا ہے) دیکھ کر کہتا ہے۔

وَجَلَّالِ السُّيُوفِ عَنِ الطُّلُوبِ كَانَهَا زُبُرٌ تَجِدُ مُتُونَهَا أَقْلَامَهَا

ترجمہ: سیلابوں کے بہنے نے کھنڈروں سے یہ ظاہر کر دیا ہے گویا وہ کھنڈر کتابیں ہیں جن کے مٹے ہوئے متنوں کو اُن کے قلموں نے نیا اور چمکا دیا ہے۔

حضرت اقدس بعینہ لبید کی طرح سے ایک رمضان کے ماہ میں سورج اور چاند کے گرہن کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کا ٹکڑے ہو جانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو تازہ اور اجاگر کرتا ہے۔

قَطَعَاتُهَا تَهْدِي الْقُلُوبَ كَانَهَا زُبُرٌ تَجِدُ نُقُوشَ شَمْسٍ مُقْتَدَا

ترجمہ: اس کے ٹکڑے دلوں کو ہدایت کرتے ہیں گویا وہ کتابیں ہیں جو ہمارے آفتاب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش کو تازہ کرتی ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شعری محاسن کے اعتبار سے آثار میں ہے کہ جب فرزدق جیسے عظیم الشان شاعر نے لبید کا یہ شعر سنا تو سجدہ ریز ہو گیا۔ استفسار پر اس نے جواب دیا کہ تم لوگ قرآن کریم کے مقامات سجدہ کو پہچانتے ہو اور میں شعر کے مقام سجدہ کو جانتا ہوں۔ اگر لبید کے شعر پر سجدہ ہو سکتا ہے تو آنحضرت کی پیشگوئی ثابت ہونے کے اعتبار سے تو حضرت کا شعر ہزار سجدوں کے لائق ہے۔

ہم نے ادب جاہلیہ اور حضرت اقدس کے اتحاد اسلوب بیان میں بہت ہی کم مثالیں پیش کی ہیں کیونکہ

مقصد اس اتحاد کو ثابت کرنا تھا جو بہت حد تک حاصل ہو گیا ہے وگرنہ جو احباب ادب جاہلیہ اور حضرت کے کلام کا تفصیلی علم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اتحاد اسلوب ادبی کے اثبات میں ایسی ایسی اُن گنت امثال پیش کی جاسکتی ہیں۔

اس مضمون کی ابتدا میں عرض کیا گیا تھا کہ عربی زبان کے سفر بلوغت کے دو ہی سنگ میل ہیں۔

اول: ادب جاہلیہ

دوم: قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحتِ لسانی کہ آپ ”فصح العرب“ تھے

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب جاہلیہ کو اول اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہی وہ ادب ہے جس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے برتر اور اعلیٰ ہونے کا دعویٰ فرماتا ہے۔ اس لیے اس کا اول بیان ہونا لازم تھا۔ ان دو حقائق کے پیش نظر لازم تھا کہ ہم حضرت اقدس کے عربی شعر کے محاسن کو ان دونوں ادب ہائے عالیہ کے حُسن کلام کے سامنے پیش کرتے اور یہ جائزہ لیتے کہ آپ حضرت کا کلام کس حد تک ان کے قائم کردہ اقدار ادب کی مطابقت میں ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلوب ادب علمی بھی ہوتا ہے اور ادبی بھی۔ ادبی اسلوب کا تعلق زبان اور اس کے محاورے اور تشبیہی دلائلوں سے ہوتا ہے مگر علمی اسلوب موضوعات کے انتخاب اور ترجیحات قلبی اور مشاہداتِ نظری سے قائم ہوتا ہے اس لیے باوجود اس حقیقت کے کہ قرآن کریم اور حضرت اقدس کا ادب عربی زبان اور اس کے محاورے کے اعتبار سے ادب جاہلیہ کے اسلوب پر ہے اور اسی اسلوب میں اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے مگر علمی اسلوب کے اعتبار سے جس کو اعتقاد میں ”مواد ادب“ کہتے ہیں۔ ان دونوں ادبی شاہکاروں کا ادب جاہلیہ سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے۔

قرآن کریم اور اس کے اتباع میں حضرت اقدس کے مواد ادب اول طور پر ثبوت ہستی باری تعالیٰ اور صداقت انبیاء اور فرمودات قرآن کریم ہیں اور دوسرے درجے پر خدا کی محبت۔ اس کی عبادت اور اخلاقِ حسنہ میں اس کی تعلیم ہے۔

اس کے برعکس مادی دنیا کے انسان کے مواد ادب انسان کے باہم عشق و محبت میں ہجر و وصال کا ذکر اور مادی آسائشوں کا حصول یا فقدان کا نوحہ ہے۔

مواد اور موضوعات کے اس تفاوت اور اختلاف کی بناء پر حضرت مسیح موعودؑ کا عربی کلام اُسی کلام کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے جس کی ترجیحات آپ کے کلام سے مکمل متحد اور ہم رنگ ہوں۔

اس وضاحت کے بعد ہم اس مقام پر پہنچے ہیں کہ یہ جائزہ لیں کہ حضرت اقدس کا کلام کس قدر عاشقانہ انداز میں قرآن کریم کے اسلوب بیان کا اتباع کر رہا ہے۔ یہ حقیقت تو واضح ہے کہ حضرت اقدس کا عربی ادب پیش سے پیش تر نثر میں تخلیق ہوا ہے اور آپ کی عربی نثر ہی حقیقت میں اس کا مل اتباع کو پیش کر سکتی ہے جو آپ حضرت نے قرآن کریم کا کیا ہے۔ خاکسار کے مشاہدے کے مطابق آپ کی نثر میں کوئی فقرہ ایسا نہ ہوگا جس میں لسانی یا علمی اعتبار سے کوئی نہ کوئی جھلک قرآنی نور کی قلب و نظر کو بے تاب نہ کر رہی ہو مگر کیونکہ ہم آپ حضرت کے ادب کی اس خدمت میں صرف آپ کا شعری کلام پیش کر رہے ہیں اس لیے آپ کے شعری کلام کی ان گنت امثال میں سے چند ایک اتباع قرآن کریم کے اثبات میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے:

وَإِنَّ مِنَ الْجِبَارَةِ لِمَا يُتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ..... إِلَى الْآخِرِ (البقرة: 75)

ترجمہ: اور بعض پتھرا ایسے ہیں کہ جن سے نہریں بہتی ہیں۔

آپ حضرت انقطاع الی اللہ کے بعد اپنے قلب کا عرفان الہی سے لبریز ہونے کو بیان کرتے ہیں۔

حَفَرْتُ جِبَالَ النَّفْسِ مِنْ قُوَّةِ الْعُلَى فَصَارَ فُؤَادِي مِثْلَ نَهْرٍ يُفَجَّرُ

ترجمہ: میں نے خداداد طاقت سے نفس کے پہاڑوں کو کھودا ہے پس میرا دل نہر کی طرح

ہو گیا ہے جو جاری کی جاتی ہے۔

(۲) قرآن کریم فرماتا ہے:-

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ

(الانعام: 6)

ترجمہ: انہوں نے تکذیب کی حق کی جب وہ ان کے پاس آیا عنقریب انکو خبریں ملیں گی جسکی

وہ تکذیب کرتے تھے۔

حضرت فرماتے ہیں:

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يُرِيهِمْ رَبُّنَا مَا كَذَّبُوا

ترجمہ: انہوں نے سچ کو جھٹلایا ہے جب وہ ان کے پاس آیا سو ضرور انہیں دکھا دے گا ہمارا

رب کہ انہوں نے کس چیز کو جھٹلایا ہے۔

(۳) قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے انکار میں فرماتا ہے

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَلَىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً

..... إلى الآخر (الانعام: 102)

ترجمہ: اللہ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے لیے اولاد کیونکر ہو حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔
آپ حضرت قرآن ہی کے الفاظ میں فرماتے ہیں۔

وَمِنْ آيِنَ طِفْلٌ لِّلَّذِي هُوَ أَظْهَرُ أَلِلَّهِ زَوْجٌ؟ أَيُّهَا الْمَتَمَدِّرُ!

ترجمہ: اور کہاں لڑکا ہو سکتا ہے اس ہستی کا جو سب سے پاک ہے؟ اے خراب آدمی! کیا اللہ کی کوئی بیوی ہو سکتی ہے؟

(۴) قرآن کریم حضرت نوح کی زبان سے ان کی تکفیر پر فرماتا ہے

وَإِنَّا عَلَيْهِمْ بِبَأْسٍ نَّوْجٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي

وَتَذَكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ..... إلى الآخر (يونس: 72)

ترجمہ: ان پر نوح کی خبر پڑھ کر سنا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم پر
میرا مقام اور نصیحت شاق گذرتی ہے تو میں نے اللہ پر توکل کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

جَلَّتْ وَصَايَانَا هُدًى لِّكِنَّهَا كَبُرَتْ عَلَيْكَ وَآيَتَهَا لَمْ تَكْبُرْ

ہماری نصیحتیں ہدایت کے لحاظ سے شاندار ہیں لیکن وہ تجھ پر شاق ہیں۔ کاش کہ وہ شاق نہ گذرتیں

(۵) قرآن کریم قیامت کے دن کی کیفیت کے بیان میں فرماتا ہے۔

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَرْزَاقِ إِذْ يَقُولُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُذِّبُوا (المؤمن: 19)

ترجمہ: اور ان کو اچانک آنے والے دن سے ڈرا۔ جبکہ دل حلق کے نزدیک غم سے بھرے ہوئے ہونگے

آپ حضرت عشق رسول اکرم کی کیفیت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

وَ أَرَى الْقُلُوبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ قُرْبَةً وَ أَرَى الْغُرُوبَ تُسِيلُهَا الْعَيْنَانِ

ترجمہ: اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بیقراری سے گلے تک آگئے ہیں اور میں دیکھتا ہوں

آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

(۶) قرآن کریم حضرت موسیٰ کی تکذیب کے بیان میں فرماتا ہے:

وَإِن يَلِكُ كَازِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَلِكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي

يَعِدُّكُمْ..... إلى الآخر (المومن: 29)

ترجمہ: اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اس کا وبال ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو تم پر اس کی وعید کا کچھ حصہ پڑیگا۔

آپ حضرت اپنے صدق دعویٰ کے بیان میں فرماتے ہیں۔

فَإِنْ أَكُ صِدِّيقًا فَرَبِّي يُعْزِنِي وَإِنْ أَكُ كَذَّابًا فَسَوْفَ أُحَقَّرُ

ترجمہ: سواگر میں سچا ہوں تو میرا رب مجھے عزت دے گا اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ضرور

بے عزت کیا جاؤں گا۔

(۷) قرآن کریم مومنوں کی مدد کے بیان میں فرماتا ہے:

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكُفْرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ (محمد: 12)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ اللہ مومنوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

آپ حضرت قرآن ہی کے الفاظ میں اس مضمون کا بیان کرتے ہیں۔

وَإِنَّ لَنَا الْمَوْلَىٰ وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ فَتَنْظُرْنَا نَعْلِبَنَّ وَنُنْصِرُ

ترجمہ: اور ہمارا تو ایک مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ سو تو دیکھ لے گا کہ ہم ضرور غالب

آئیں گے اور مدد دیئے جائیں گے۔

(۸) قرآن کریم انسان کی عذرخواہی کے بیان میں فرماتا ہے:

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ. وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَاذِيرَهُ (القيامة: 15-16)

ترجمہ: انسان اپنے نفس کو خوب جانتا ہے خواہ وہ اپنے عذر پیش کرے۔

آپ حضرت عیسائیوں کی فریب کاریوں کے بیان میں فرماتے ہیں:

وَمِنْ تَلْبِيسِهِمْ قَدْ حَرَّفُوا الْأَلْفَاظَ تَفْسِيرًا وَقَدْ بَانَتْ ضَلَالَتُهُمْ وَ لَوْ أَلْفُوا الْمَعَاذِيرَا

ترجمہ: اور ان کی ایک تلبیس یہ ہے کہ تفسیر میں الفاظ کی تحریف کرتے ہیں اور ان کی گمراہی

ظاہر ہو چکی اگرچہ اب عذر پیش کریں۔

(۹) قرآن کریم انسان سے مواخذہ کرنے کے بیان میں فرماتا ہے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (المدثر: 12)

ترجمہ: مجھے اور میں نے جس کو پیدا کیا ہے اکیلا چھوڑ دے۔

آپ حضرت کنڈین کو کہتے ہیں کہ آپ کا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ فرماتے ہیں:

فَذَرْنِي وَ خَلَاقِي وَ لَسْتُ مُصَيِّرًا عَلَسِي وَ لَا حَكْمٌ وَ قَاضٍ فَتَأْمُرُ

ترجمہ: مجھ کو چھوڑ دے میرے رب کے حوالہ کر تو مجھ پر داروغہ نہیں کہ حکم چلاتا ہے فیصلے کرتا

ہے نہ ثالث عادل ہے۔

اس مضمون کے آخر پر ہم آپ حضرت کے ایسے چار اشعار پیش کرتے ہیں جو یک جا بیان ہوئے ہیں اور جن میں ادب عربی کے دونوں سنگ میل یعنی ادب جاہلیہ اور ادب قرآن یکے بعد دیگرے بیان ہوا ہے۔

ادب جاہلیہ کے حوالہ سے حضرت لبید بن ربیعہؓ کا مشہور عالم شعر ہے۔

(۱) اَلَا كَلَّ شَيْءٌ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَ كَلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

ترجمہ: سُن لو کہ خدا کے سوا سب باطل ہے اور تمام نعمتیں ختم ہونے والی ہیں۔

اور اسی صاحب ادب صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا مصرعہ ہے جو آپ حضرت کو الہام ہوا ہے۔

(۲) اِنَّ الْمَنَآيَا لَا تَطِيْشُ سَهَامُهَا

ترجمہ: موتوں کے تیز کبھی خطا نہیں جاتے۔

ہمارے پیارے امام آخر زمان جاہلیہ کے اسلوب میں فرماتے ہیں۔

اَلَا لَيْسَ غَيْرَ اللّٰهِ شَيْءٌ مُّدْوَمٌ وَ كُلُّ جَلِيْسٍ مَا خَلَا اللّٰهَ يَهْجُرُ

سُو! اللہ کے سوا کوئی شے ہمیشہ رہنے والی نہیں اور ہر ہم نشین سوائے اللہ کے جدا ہونے والا ہے

وَ اِنَّ الْمَنَآيَا سَابِحَاتٌ قَوِيَّةٌ اَثَرْنَ غُبَارًا عِنْدَ حُكْمٍ يَّصْدِرُ

اور یقیناً موتیں تو تیز رو گھوڑے ہیں جو غبار اڑاتے ہیں حکم صادر ہونے کے وقت

قرآن کریم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) اَلْمُؤْمِنَاتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحديد: 17)

ترجمہ: اب ہم مومنوں سے کہتے ہیں کہ کیا اب تک ان کے دل اللہ کے ذکر کیلئے جھکتے نہیں۔

(۲) وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (يونس: 11)

ترجمہ: اور ان کی آخری پکاریہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے۔

(۱) تَدَّكَّرَ دِمَاءَ الْعَارِفِيْنَ بِسَبِيْلِهِ اَلَمْ يَسْأَلْ اَنْ تَخْشِيَ اَنْتَ مُحَرَّرٌ

خدا کی راہ میں عارفین کے بہنے والے خون کو یاد کر۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو ڈرے؟ یا کیا تو آزاد ہے؟

(۲) وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ هَدَانَا مَنَاصِحَ دِيْنٍ حِزْبٍ طَهَّرُوْا

اور ہماری آخری بات یہی ہے کہ تمام حمد اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں پاک گروہ کے دین کی

راہوں کی راہنمائی کی۔

اتباع قرآن اور اسالیب ادب عربی کے مقابل پر حضرت اقدس کے کلام کو مقدم و پھر پیش کر دیا گیا ہے۔

اس مرحلے پر اس مضمون کے دستور کے مطابق ہم چند اشعار ابلاغ رسالت کے عنوان کے تحت پیش کرتے ہیں۔
عربی میں ابلاغ رسالت کے عنوان سے ذیل کے اشعار گذشتہ میں پیش کیے جا چکے ہیں مگر دل چاہتا ہے
کہ اس عنوان کے تحت اول مقام پر ان کو دوبارہ پیش کروں بہت ہی مؤثر اور پُر شوکت کلام ہے۔

بِمُطَلِّعٍ عَلَيَّ أَسْرَارِ بَالِيٍّ بِعَالِمٍ عَيْبَتِي فِي كُلِّ حَالِيٍّ
قسم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور قسم اس ذات کی جو ہر حال میں
میرے سینے کے راز سے واقف ہے۔

بِوَجْهِ قَدْ رَأَى أَغْشَارَ قَلْبِيٍّ بِمُسْتَمِعٍ لِّصَرَخِي فِي اللَّيَالِيٍّ
قسم ہے اس ذات کی جو میرے دل کے تمام گوشوں سے واقف ہے اور قسم اس ذات کی جو راتوں
کو میری آہ وزاری کو سننے والا ہے۔

لَقَدْ أُرْسِلْتُ مِنْ رَبِّ كَرِيمٍ رَجِيمٍ عِنْدَ طُوفَانِ الضَّلَالِ
بے شک میں رب کریم کی طرف سے طوفانِ ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں
وَقَدْ أُعْطِيتُ بُرْهَانًا كَرْمِجٍ وَتَقَفْنَا هُتَّافِيفَ الْعَوَالِيٍّ
اور مجھ کو نیزے جیسی (تیز) برہان دی گئی ہے اور برہان کو ہم نے ہر کجی سے پاک کر دیا ہے جس
طرح کہ نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے۔

فَلَا تَقْفُ الظُّنُونُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَخَفَ أَخَذَ الْمُحَاسِبِ ذِي الْجَلَالِ
پس تو نادانی سے بے بنیاد باتوں کے پیچھے نہ لگ اور صاحبِ جلال، حساب لینے والے کی گرفت سے ڈر

آپ حضرت کے مصلحِ ربانی ہونے کے اعتبار سے آپ کے روحانی حسن و جمال کا بیان بھی سن لیں:

إِنِّي صَادِقٌ أَوْ مُصَلِّحٌ مُتَرَدِّمٌ سَمَّ مُعَادَاتِي وَسَلْمِي أَسْلَمٌ
میں صادق اور مصلح ہوں اور میری دشمنی زہر اور میری صلح سلامتی ہے
إِنِّي أَنَا الْبُؤْسَتَانُ بُسْتَانُ الْهُدَى تَأْتِي أَلْسِي الْعَيْنُ لَا تَصْرَمُ
میں باغِ ہدایت ہوں۔ میری طرف وہ چشمہ آتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا
رُوحِي لِتَقْدِيسِ الْعَلِيِّ حَمَامَةٌ أَوْ عِنْدَ لَيْبِ عَارِدٍ مُتَرَنِّمٌ
میری روح خدا کی تقدیس کے لیے ایک کبوتر ہے یا بلبل ہے جو خوش آوازی سے بول رہی ہے
مَا جِئْتُكُمْ فِي غَيْرِ وَقْتٍ عَابِثًا قَدْ جِئْتُكُمْ وَالْوَقْتُ لَيْلٌ مُظْلِمٌ
میں تمہارے پاس بے وقت نہیں آیا۔ میں اس وقت آیا کہ ایک اندھیری رات تھی

صَارَتْ بِلَادَ الدِّينِ مِنْ جَدْبٍ عَنَّا أَقْسَوَىٰ وَ أَقْفَرُ بَعْدَ رَوْضِ تَعْلَمَ
دین کی ولایت باعثِ قحط کے، جو غالب آگیا، خالی ہوگئی بعد اس کے جو وہ ایک باغ کی طرح تھی۔

هَلْ بَقِيَ قَوْمٌ خَادِمُونَ لِدِينِنَا أَمْ هَلْ رَأَيْتَ الدِّينَ كَيْفَ يُحْطَمُ
کیا کوئی قوم باقی ہے جو ہمارے دین کی خدمت کرے اور کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دین کو کس طرح مسمار کیا جاتا ہے۔

فَاللَّهُ أَرْسَلَنِي لِأُحْيِيَ دِينَهُ حَقَّ فَهَلْ مِنْ رَأْشِدٍ يَسْتَسْلِمُ
سو خدا نے مجھے بھیجا تاکہ میں اس کے دین کو زندہ کروں یہ سچ ہے۔ پس کیا کوئی ہے جو اطاعت کرے۔

حضرت کے دعویٰ مجددیت اور جو علم قرآن آپ کو عطا ہوا ہے اس کو مشاہدہ کریں۔

وَ طُوبَىٰ لِمَنْ لَانْسَانَ تَيْقُظُ وَ انْتَهَىٰ وَ خَافَ يَدَ الْمَوْلَىٰ وَ سَيْفًا يُنْعَجِرُ
اور خوشی ہے اس انسان کے لیے جو بیدار ہو اور رک گیا اور مولیٰ کے ہاتھ سے ڈرا اور اس تلوار سے بھی جو خون بہاتی ہے۔

وَ وَاللَّهِ إِنِّي جِئْتُ مِنْهُ مُجَدِّدًا بِوَقْتِ أَضَلَّ النَّاسُ غَوْلٌ مُسَخَّرُ
اور خدا کی قسم! یقیناً میں اس کی طرف سے مجدد ہو کر آیا ہوں ایسے وقت میں کہ قابو کر لینے والے

دیونے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔

وَ عَلَّمَنِي رَبِّي عُلُومَ كِتَابِهِ وَ أُعْطِيتُ مِمَّا كَانَ يُخْفَىٰ وَ يُسْتَرُ
مجھے میرے رب نے اپنی کتاب کے علوم سکھائے اور مجھے وہ علم دیا گیا جو مخفی اور مستور تھا۔

وَ أَسْرَارَ قُرْآنٍ مَّجِيدٍ تَبَيَّنَتْ عَلَيَّ وَ يَسَّرَ لِي عَالِمٌ مُبَسَّرُ
اور قرآن مجید کے بھید مجھ پر ظاہر ہو گئے۔ آسانی پیدا کرنے والے خدائے علیم نے میرے لیے آسانی پیدا کر دی۔

كَأَنَّ الْعَدَارَىٰ بِالْوُجُوهِ الْمُنِيرَةِ خَرَجَنَ مِنَ الْكُهْفِ الَّذِي هُوَ مُقْعَرُ
گویا کہ کنواری عورتیں چمکتے ہوئے چہروں کے ساتھ نکل پڑیں اس غار سے جو گہری تھی

آپ جناب دعویٰ مہدیت کو بیان کرتے ہیں۔

يَا مُكْفِرِي أَهْلِ السَّعَادَةِ وَ الْهَدَىٰ الْيَوْمَ أَنْزَلْتُمْ بِدَارِ هَوَانِ
اے وے لوگو جو اہل سعادت کو کافر ٹھہراتے ہو! آج تم ذلت کے گھر میں اتارے گئے

تُؤَبُّوْا مِنَ الْهَفَوَاتِ يُعْفَرُ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ بَرٌّ وَ أَسْعُ الْعُفْرَانِ
اپنی لغزشوں سے توبہ کرو تا تمہارے گناہ بخشے جاویں۔ اور خدا تعالیٰ نکوکار، وسیع المغفرت ہے

قَدْ جَاءَ مَهْدِينُكُمْ وَظَهَرَتْ آيَةٌ فَاسْمَعُوا بِصَدَقِ الْقَلْبِ يَا فِتْيَانِي

تمہارا مہدی آگیا اور نشان ظاہر ہو گیا۔ سوائے میرے جوانو! دلی صدق سے کوشش کرو۔ اور آخر پر ابلاغ رسالت کے حکم کی بجا آوری کے ثبوت میں فرماتے ہیں:

وَإِنَّ هِدَايَةَ الْفَرَقَانِ دِينِي وَأَدْعُوكُمْ إِلَيَّ نَهْجِ السَّدَادِ

اور بے شک قرآن کی ہدایت ہی میرا دین ہے اور میں تمہیں بھی درست راستے کی طرف بلاتا ہوں۔

فَقُمْ إِنْ نَشِئْتَ كَأَلَا حَبَابِ طَوْعًا وَإِنَّمَا نَشِئْتَ فَاجْلِسْ فِي الْأَعَادِي

اگر تو چاہے تو دوستوں کی طرح (اپنی) خوشی سے اٹھ اور اگر چاہے تو تو دشمنوں میں بیٹھا رہ۔

وَقَدْ بَارَى الْعَدُوَّ بِعِزِّ حَرْبٍ وَبَارَزْنَا، فَيَا قَوْمِي بَدَادِ

اور بے شک دشمن لڑائی کے ارادے سے سامنے آگیا اور ہم بھی مقابلے میں نکل کھڑے ہیں۔ پس

اے میری قوم! میرے مدد مقابل کو سامنے لا۔

وَكَانَ نَصِيحَةً لِّلَّهِ فَرَضِي فَقَدْ بَلَّغْتُ فَرَضِي بِالْوَدَادِ

اور خدا کے لیے نصیحت کرنا میرا فرض تھا اور میں نے اپنا فرض دوستانہ جذبات کے ساتھ پورا کر دیا ہے۔

میری خواہش ہے کہ اس مضمون کے اختتام پر اس موضوع کو مزید تقویت دینے کے لیے چند دیگر عنوانات کے تحت بھی امثال پیش کروں جہاں پر آپ حضرت نے تینوں زبانوں کے مختلف اور متنوع اسالیب کی پاسداری کرتے ہوئے کلام تخلیق کیا ہے۔ تاکہ ایسا ہو کہ ایک ہی مقام پر مختصر آپ حضرت کی قدرت کلام کا نمونہ پیش ہو جائے۔ اسی غرض کے لیے ہم نے آپ حضرت کے محرکات تخلیق ادب کے موضوع کے تحت دو عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔

اول: محبت الہی

دوم: محبت قرآن کریم

اول عنوان کے تحت اردو میں بہت دلفریب انداز میں فرماتے ہیں۔

جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہو گیا آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہو گیا

شکر اللہ! مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل کیا ہوا اگر قوم کا دل سنگِ خارا ہو گیا

فارسی زبان میں آپ کا حسن کلام مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں:

خاکساریم و سخن از رہ غربت گویم یَعْلَمُ اللَّهُ كَيْسَ نَمِيسَتِ غَبَارِے مارا

ہم خاکسار ہیں۔ غریبانہ طور پر کلام کرتے ہیں اللہ جانتا ہے کہ ہمیں کسی سے عناد نہیں۔

مانہ بیہودہ پئے ایں سروکارے برویم
جلوہ حسن کشد جانبِ یارے مارا
ہم یہ کام بے کار طور پر نہیں کر رہے حسن کا جلوہ ہمیں اپنے دوست کی طرف کھینچ رہا ہے۔
عربی میں قلبی محبت الہی کا بیان دیکھیں۔

أَنْتَ الْمُرَادُ وَأَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِي
وَعَلَيْكَ كُلُّ تَوَكُّلِي وَرَجَائِي
تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

أَعْطَيْتَنِي كَأْسَ الْمَحَبَّةِ رَيْقَهَا
فَشَرِبْتُ رَوْحَاءَ عَلِيٍّ رَوْحَاءِ
تو نے مجھے محبت کی بہترین نئے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

إِنِّي أُمُوتُ وَلَا يَمُوتُ مَحَبَّتِي
يُذْرِي بَدْرُكَ فِي التُّرَابِ نِدَائِي
میں تو مرجاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

أَنْتَ الَّذِي قَدْ كَانَ مَقْصِدَ مُهْجَتِي
فِي كُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْإِنْمَاءِ
تو ہی میری جان کا مقصود تھا۔ قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور تحریر میں۔

اردو میں قرآن کریم سے محبت کا انداز مشاہدہ کریں۔ فرماتے ہیں

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
شکر خدائے رحماں! جس نے دیا ہے قرآن
غنچے تھے سارے پہلے اب گل کھلا یہی ہے
کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اس کا کہنا
دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے
فارسی زبان میں اس محبت کے اظہار پر نظر کریں۔

الغرض فرقاں مدارِ دین ماست
أُو ائیس خاطر غمگین ماست
الغرض قرآن ہمارے دین کی بنیاد ہے وہ ہمارے غمگین دل کو تسلی دینے والا ہے
نورِ فرقاں مے کشد سوائے خدا
مے توں دیدن ازو رُوے خدا
فُرْقَانِ کا نور خدا کی طرف کھینچتا ہے۔ اس سے خدا کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں
ما چہ ساں بندیم زان دلبر نظر!
ہچو رُوئے اُو کجا رُوئے دگر!
ہم اس معشوق سے اپنی آنکھیں کیونکر بند کر سکتے ہیں۔ اُس کے چہرہ جیسا خوبصورت اور کوئی چہرہ کہاں ہے
رُوئے من از نورِ رُوئے اُو بتافت
یافت از فیضِ دلِ من ہر چہ یافت
میرا منہ اُس کے منہ کے نور کی وجہ سے چمک اٹھا میرے دل نے جو کچھ بھی پایا اسی کے فیض سے پایا

اور عربی زبان میں قرآن کریم کی محبت کا دور جام دیکھیں۔

طَرِيٌّ طَلَاوُتُهُ وَ لَمْ تَعْفُ نُقْطَةً لِمَا صَانَهُ اللَّهُ الْقَدِيرُ الْمُوقِّرُ

اس کی تروتازگی ہمیشہ ہی شاداب ہے اور اس کا ایک نقطہ بھی نہ مٹ سکا کیونکہ عزت بخش اور قدیر خدا نے اس کی حفاظت فرمائی ہے

فِيَا عَجَبًا مِّنْ حُسْنِهِ وَ جَمَالِهِ أَرَى أَنَّهُ ذُرٌّ وَ مِسْكٌ وَ عَنَبُرٌ

پس اس کا حسن اور جمال کیا ہی عجیب ہے۔ میں تو اس کو موتی۔ کستوری اور عنبر ہی پاتا ہوں

وَ إِنَّ سُورَتِي فِي إِذَارَةٍ كَأَسِيهِ فَهَلْ فِي النَّدَامِي حَاضِرٌ مِّنْ يُكْرَرُ

اور میری خوشی تو اس کے پیالہ کو گردش میں لانے میں رہی ہے۔ کیا ہم مجلسوں میں کوئی ہے جو بار بار لے؟

اس سے قبل میں بھی عرض کیا گیا ہے کہ آپ حضرت کا اسلوب شعری کا تین زبانوں کے اقدار ادب اور

اساتذہ شعر کے مطابق ہونے کا موضوع قدرے طویل اور مفصل ہو گیا ہے۔ مگر حضرت اقدس کے کلام کے

محاسن پیش کرنے کے لیے یہ تقابلی تفصیل از بس ضروری تھی۔ مگر اس تفصیل کا حقیقی اور محترم فائدہ تو یہ ہے کہ ایک

حد تک یہ حقیقت بھی روشن ہوگئی کہ حضرت کا عربی کلام دراصل قرآن کریم کے اسلوب بیان اور انتخاب الفاظ کا

اتباع ہے۔ اور اس حقیقت کو روشن کرنا ہی ہمارا اولین مقصد تھا یہ مقصد صرف موضوعات شعر کے اتحاد کو بیان

کر کے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ عربی ہی ایسی زبان تھی جس میں آپ حضرت کا اتباع قرآن تمام ادبی اقدار کی

روشنی میں ثابت کیا جاسکتا تھا۔ یعنی

۱۔ ترجیحات قلبی اور موضوعات شعر میں اتباع۔

۲۔ اسلوب بیان میں اتباع۔

۳۔ انتخاب الفاظ اور محاورہ زبان میں اتباع۔

ہمیں اُمید ہے کہ اس کوشش سے ایک حد تک تینوں مقاصد تحریر حاصل ہو گئے ہیں۔ فالحمد لله علی ذلک



حضرت اقدسؑ کے ادب کے علامت ورموز

قبل میں بہت اختصار سے عرض کیا گیا تھا کہ لفظ کے دو معانی کیے جاسکتے ہیں۔ ایک وضعی یا حقیقی اور ایک مجازی یعنی غیر حقیقی۔ اگر بہت اختصار سے اس امر کی وضاحت کی جائے تو وہ ایسے ہے کہ ”لفظ“ کے وہ معانی بھی کیے جاسکتے ہیں جن کے لیے وہ اول مقام پر وضع کیا گیا ہے اور ان معانی میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جن کے لیے وہ حقیقی طور پر بنایا نہیں گیا، ان معنوں کو مجازی معانی کہتے ہیں۔

”لفظ“ کا یہ مفہوم دراصل علامتی مفہوم ہے۔ گویا کہ ”مجاز“ لفظ کے معانی میں تجاوز کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ شعری ادب کی دنیا میں لفظ کی دلاتوں اور معانی کو وسعت دینے کے لیے شعر میں اکثر و بیشتر لفظ کو مجازی یا معانی مستعار کے اظہار کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

اس عمل کو ادبی انتقاد میں شعر کے علامت اور رموز کہتے ہیں۔ ”رموز“ رمز کی جمع ہے جو کہ پوشیدہ اشارے اور کنائے سے تعبیر ہے اور ”علامت“ علامت کی جمع ہے جس سے ادب میں معانی مستعار مراد ہوتے ہیں۔

”لفظ“ کی اس دورنگی کو غالب نے بہت ہی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

مقصود ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام

چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

یعنی محبوب کے ناز و ادا سے جو کیفیت دل کی ہوتی ہے اس کو تیر اور خنجر لگنے کی کیفیت کے سوا کیسے بیان کیا جاسکتا ہے اور جب سالک راہ کو وصالِ باری تعالیٰ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہ اس وجدانی کیفیت کو اس طور ہی سے کہے گا کہ محبوب حقیقی نے مجھے جام وصالِ پلا کر مدہوش کر دیا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے بھی اس شعری ضرورت کی پاسداری کرتے ہوئے ”لفظ“ کے مجازی معانی کو اختیار فرمایا ہے۔ کس قدر خوبصورت فرمان ہے۔

احمدِ آخرِ زماں نامِ من است آخریں جامے ہمیں جامِ من است

ترجمہ: احمدِ آخرِ زمان میرا نام ہے (اور بادہ معرفت کا) آخری جام میرا ہی جام ہے۔

اور قرآن کریم سے حصول عرفان باری تعالیٰ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِس كِتَابِ حَقِّ كَقْرَآنِ نَامِ اُوسْتِ بادۂ عرفانِ ما از جامِ اُوست

ترجمہ: یہ خدا کی کتاب جس کا نام قرآن ہے میرے عرفان کی ہے اسی جام سے ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عشق کے بیان میں فرماتے ہیں:

رَبَطَ هَے جَانِ مُحَمَّدٍ سَے مِیرِی جَاں كُومُدَامِ

دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

فارسی اور اردو کے اشعار پیش ہوئے ہیں تو عربی کا فرمان بھی سن لیں۔

فرماتے ہیں:

اَنْتَ الْمُرَادُ وَ اَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِي وَ عَلَيكَ كُلُّ تَوَكُّلِي وَ رَجَائِي

ترجمہ: تو ہی میری مراد ہے اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے

اَعْطَيْتَنِي كَسَاسَ الْمَحَبَّةِ رَبَّقَهَا فَشَرِبْتُ رُوحَاءَ عَلِيٍّ رُوحَاءِ

ترجمہ: تو نے مجھے محبت کی مے کا بہترین ساغر عطا کیا ہے تو پھر میں نے جام پر جام پیا ہے۔

دیکھ لیں غالب نے کتنی درست بات کہی ہے

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کے بغیر

بات یہ ہو رہی تھی کہ شعری ادب میں ”لفظ“ کی مجازی علامتوں اور اشاروں سے مدد نہ لی جائے تو کیفیات قلبی کا حسین اور دلنشین انداز میں اظہار ممکن نہیں ہوتا اور اسی ادبی عنصر کا نام مجاز ہے اس لیے ہر قابل ذکر شاعر نے اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کامل کے لیے لفظی دلائل اور اشارے مقرر کیے ہیں تاکہ شعر کو سن کر یہ کہا جاسکے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ہماری خواہش ہے کہ حضرت اقدس کے ادب عالیہ میں آپ حضور نے جو الفاظ معانی مستعار یا علامات کے طور پر اختیار کیے ہیں ان کا ایک مختصر سا تصور پیش کریں۔ مشکل یہ ہے کہ ایسے رموز و علامت تو بہت ہیں مگر زیر نظر

کوشش ان تمام الفاظ کا جائزہ لینے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غالب کی طرح سے آپ کے علامتی الفاظ کے دو شعبے بنا دیے جائیں ایک روحانی اور دینی علامات کا اور دوسرا خالص ادبی علامات کا۔ اور پھر ان دونوں شعبوں میں چند ایک پیش خدمت کیے جائیں اور نہایت اختصار سے بیان کیا جائے کہ حضرت اقدس نے ان الفاظ کو کن معانی اور مطلب کے اظہار میں اختیار کیا ہے۔ مگر اس کوشش سے یہ مراد نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ ان الفاظ کی وہی دلائل ہیں جو ہم نے پیش کی ہیں۔ کیونکہ ہر صاحب نظر ادیب ادب عالیہ کے رموز کو ذاتی شعور ادبی کے مطابق سمجھنے اور لطف اٹھانے میں آزاد ہوتا ہے۔ تاہم ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم آپ حضرت کے علامتی معانی کو آپ ہی کے اشعار کی روشنی میں ثابت کریں اور یہ بھی کہ جس مقام پر حضرت اقدس قرآن کریم کے اتباع میں معانی کر رہے ہیں۔ وہاں پر قرآن کریم کا حوالہ بھی دے دیا جائے۔

روحانی رموز اور علامت کے تحت ہم نے دو الفاظ انتخاب کیے ہیں۔

اول ”لفظ ثور“ اور

دوم ”لفظ صدق“

ادبی رموز و علامت کے تحت بھی دو الفاظ انتخاب کیے گئے ہیں۔

اول۔ بہار اور

دوم کربلا، گریبان اور جیب

روحانی علائم و رموز

نور

نور ایک عربی لفظ ہے جس کے مشہور عام معانی روشنی کے ہیں۔ حضرت اقدس نے اس لفظ کو بہت سے معنوں میں اختیار کیا ہے اور ان تمام معانی اور دلائلوں کی خوبی یہ ہے کہ یہ سب قرآن کریم سے ماخوذ ہیں۔

اول قدم پر آپ حضور نے قرآن کریم کے فرمان **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** (النور: 36) کے اتباع میں خدا تعالیٰ کو اس نام سے پکارا ہے۔

فارسی میں اللہ تعالیٰ کو نہایت درجہ محبت سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

اے دلبرو دلستان و دلدار و اے جانِ جہان و نورِ انوار
ترجمہ: اے دلبر دلستان اور دل دار۔ اے جہان کی جان اور نوروں کے نور
از یاد تو نور ہا بہ بینم در حلقہ عاشقانِ خوں بار
ترجمہ: تیرے ذکر کی برکت سے میں انوار دیکھتا ہوں آہ و ذاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں۔
اردو میں فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ البصا کا

اور فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلی نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

عربی میں فرماتے ہیں:

وَمَا غَيْرُ بَابِ الرَّبِّ إِلَّا مَدَلَّةٌ
وَمَا غَيْرُ نُورِ الرَّبِّ إِلَّا تَكْدُرُ

ترجمہ: رب کے دروازہ کے سوا باقی سب ذلت ہے اور رب کے نور کے سوا باقی سب ظلمت ہے۔

مشاہدہ کریں ”اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ اور ”نور انوار“ اور ”مبداء الانوار“ میں باہم کس قدر اتحاد لفظی اور معنوی ہے۔ ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کو ”نور“ کا نام دیا ہے۔ حضرت اقدس اس آیت کے معانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”خدا اصل نور ہے۔ ہر ایک نور زمین اور آسمان کا اُسی سے نکلا ہے“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

چنانچہ حضرت اقدس نے اوّل قدم پر ”نور“ کا لفظ خدا تعالیٰ کی ہستی کے لیے اختیار کیا اور پھر اس ہستی سے جو انوار کا دریا نکلا ہے اس میں اوّل نام اور اشارہ ہمارے پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کے سردار اور دیگر تمام انبیاء کا ہے اور پھر قرآن کریم کے عرفان کے دریا کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (المائدة: 16)

اور فرمایا:

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (الاحزاب: 47)

حضرت اقدس ”نور“ و ”كِتَابٌ مُبِينٌ“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ظلمانی زمانے کے تدارک کے لیے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نور آتا ہے وہ نور اس کا

رسول اور اُس کی کتاب ہے۔“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت المائدة: 16)

اور سراجاً منیراً کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”انبیاء سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو کثرت اور کمال سے نُور باطنی عطا ہوا ہے۔“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت الاحزاب: 47)

قرآن کریم کے فرمودات ہی کے اتباع میں حضرت اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

فرماتے ہیں:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا

نام اُس کا ہے مُحَمَّدٌ دَلِیْمٌ رَاہِیْہِیْ

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر

لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک تمر ہے

اس پر ہر اک نظر ہے۔ بددُ اللّٰجی یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مُرسلین ہے

وہ طیب و امین ہے اُس کی ثناء یہی ہے

اُس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

اور فرماتے ہیں:

نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے

قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار

اور دیگر تمام انبیاء کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ بھی حامل نور تھے“۔

بچپن میں سے داں مقامِ انبیاء واصلان و فاصلان از ما سواء

ترجمہ: انبیاء کے مقام کی یہی مثال ہے واصل باللہ ہیں خدا کے غیر سے لا تعلق ہیں

فانی اند و آلہ ربانی اند نور حق در جامہ ربانی اند!

ترجمہ: وہ فانی فی اللہ ہیں اور خدا کا ہتھیار ہیں انسانی لباس میں خدا کا نور ہیں

کس ز قدر نورِ شاں آگاہ نیست زآنکہ ادنیٰ را بہ اعلیٰ راہ نیست

ترجمہ: کوئی ان کے نور کی قدر سے آگاہ نہیں کیونکہ ادنیٰ کو اعلیٰ تک رسائی نہیں

اور فرماتے ہیں:

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مہر انورے

ترجمہ: ہر رسول سچائی کا سورج تھا ہر رسول منور سورج تھا

آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند متحد در ذات و اصل و گوہرے

ترجمہ: یہ سب ایک سپی کے سوموتی ہیں جو ذات اور اصل اور چمک میں یکساں ہیں۔

انبیاء روشن گہر ہستند لیک ہست احمد زان ہمہ روشن ترے

ترجمہ: تمام انبیاء روشن فطرت رکھنے والے ہیں مگر احمد ان سب سے زیادہ روشن ہے

اس مضمون میں اس حدیث کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری سب سے محترم اور محبوب ماں یعنی حضرت آمنہ بی بی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کشفاً دیکھا تھا کہ ایک نور ان کے بطن سے نکلا ہے جس نے شام کے محلات روشن کر دیے ہیں۔

(مشکوٰۃ باب فضائل رسول صلعم)

اور ایک عظیم الشان شعر یہ بھی تو ہے۔

فرماتے ہیں:

محمدؐ مہیں نقشِ نورِ خداست کہ ہرگز چنوائے بکیتی نخواست

محمدؐ خدا کے نور کا سب سے بڑا نقش ہیں ان جیسا انسان دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا

اس شعر کے مضمون میں بہت ہی خوبصورت کلام ہے فرماتے ہیں:

تانه نور احمد آید چارہ گر! کس نئے گیرد ز تاریکی بدرا
ترجمہ: جب تک احمد کا نور چارہ گر نہ ہو تب تک کوئی تاریکی کے لیے چاند نہیں نکل سکتا۔
از طفیل اوست نور ہر نبی نام ہر مُرسل بنام او جلی
ترجمہ: ہر نبی کا نور آپ کے طفیل ہے ہر رسول کا نام اس کے نام سے روشن ہے۔

عربی میں فرماتے ہیں:

نُورٌ مِّنَ اللَّهِ الَّذِي أَحْيَى الْعُلُومَ تَجَدُّدًا

الْمُصْطَفَى وَالْمُجْتَبَى وَالْمُقْتَدَى وَالْمُجْتَدَا

ترجمہ: وہ اللہ کا نور ہے جس نے علوم کو نئے سرے سے زندہ کیا۔ وہ برگزیدہ اور چنیدہ ہے

اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اس سے فیض طلب کیا جاتا ہے۔

لفظ نور کے علامتی اشاروں میں تیسرا اہم اشارہ قرآن کریم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (النساء: 175)

حضرت اقدس اس آیت کے معانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اے لوگو قرآن ایک بُرہان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو ملی ہے اور کھلا کھلا نور ہے۔

جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔“ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کے ہی اتباع میں فرماتے ہیں:

خَفِيرٌ جَالِبٌ نَحْوَ الْجَنَانِ

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقُرْآنُ فَيُضَا

ترجمہ: اور تو کیا جانتا ہے کہ قرآن فیض کے اعتبار سے کیا ہے؟ وہ ایک راہبر ہے جو بہشت کی طرف کھینچتا ہے۔

وَنُورٌ مِّن بَيَانِ كَالْجَمَانِ

لَهُ نُورَانِ نُورٌ مِّنْ عُلُومِ

ترجمہ: اس میں دو نور ہیں ایک علوم کا نور اور دوسرا فصاحت اور بلاغت کا نور جو چاندی کی

طرح چمکتا ہے۔

اور نُورًا مُّبِينًا کے مطابق فرماتے ہیں:

يَمِيلُ الْهَالِكُونَ إِلَى الدُّخَانِ

وَ كُحْلِ النُّورِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ

ترجمہ: تمام اور ہر ایک قسم کے نور قرآن میں ہیں مگر مرنے والے دھوئیں کی طرف دوڑتے ہیں۔

بِه نَلْنَا تُرَاتِ الْكَامِلِينَا بِه سِرْنَا إِلَى أَقْصَى الْمَعَانِي
ہم نے اس کے ذریعہ سے کاملوں کی وراثت پائی۔ ہم نے اس وسیلہ سے حقائق کے اخیر تک سیر کیا۔
اور اردو میں فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلی نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں کیتا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد تیر بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعلیٰ نکلا

اور فرماتے ہیں:

اے عزیزو! سنو کہ بے قرآن حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں
اور پھر اس نور کا حقیقی منصب مشاہدہ کریں
فرماتے ہیں:

ہے شکر ربِّ عزّوجلّ خارج از بیان
جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشان
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
پر یہ کلام نورِ خدا کو دکھاتا ہے
اس کی طرف نشانوں کے جلوہ سے لاتا ہے
قرآن خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

فارسی زبان میں دیکھیں کس قدر شان سے اور کیسے والہانہ انداز میں فرماتے ہیں:

از نورِ پاکِ قرآنِ صبحِ صفا دمیدہ بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ترجمہ: قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہوئی اور دلوں کے غنچوں پر بادِ صبا چلنے لگی۔
این روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد و این دلبری و خوبی کس در قمر نہ دیدہ
ترجمہ: ایسی روشنی اور چمک تو دو پہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندی میں بھی نہیں۔
اے کانِ دلربائیِ دائم کہ از کجائی تو نورِ آں خدائی کیں علقِ آفریدہ
ترجمہ: اے کانِ حسن میں جانتا ہوں کہ تو کہاں سے آئی ہے تو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی ہیں۔
میلیم نمائد باکس محبوبِ من توئی بس زیرا کہ زانِ فغاں رسِ نورت بما رسیدہ
ترجمہ: مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس فریاد سننے والے خدا کی طرف سے
تیرا نور ہم کو پہنچا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

از وحیِ خدا صبحِ صداقت بدمیدہ چشمے کہ ندید آں صُحفِ پاکِ چہ دیدہ
ترجمہ: خدا کی وحی سے صبحِ صداقت روشن ہوگئی جس آنکھ نے یہ صحفِ پاک نہیں دیکھے اُس نے کچھ
بھی نہیں دیکھا۔

آں دیدہ کہ نُورے گرفت است زِ فرقاں ہٹا کہ ہمہ عمر زِ کوری نہ رہیدہ
جس آنکھ نے قرآن سے نور اخذ نہیں کیا خدا کی قسم کہ وہ ساری عمر اندھے پن سے رہائی نہیں پائے گا
اور فارسی میں قرآن کریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامت ”نور“ کے چند اور معانی بھی مشاہدہ کر لیں۔
آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کے نور سے مراد اول صداقت کا چراغ ہے دوم رہبر و رہنما ہے۔ نعمت اور رحمتِ
خداوندی ہے اور خدا کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں نہ تافت است چنان کہ بماندے نہاں زِ دیدہ وراں
ترجمہ: قرآن کا نور اس طور سے نہیں چمکتا کہ دیکھنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔
آں چراغِ ہدایت دُنیا را رہبر و رہنماست دُنیا را
ترجمہ: وہ تمام دنیا کے لیے ہدایت کا چراغ ہے وہ جہان بھر کے لیے رہبر و راہنما ہے۔

مخزونِ راز ہائے ربّانی از خدا آله خدا دانی
ترجمہ: وہ خدا کے اسرار کا خزانہ ہے خدا کی طرف سے خدا شناسی کا آلہ ہے
اس مقام تک ہم نے حضرت اقدس کے کلام کی علامت نور کو اس ترتیب سے پیش کیا ہے کہ اول نور سے مراد
ہستی باری تعالیٰ ہے اور دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء و مرسلین ہیں۔ اور سوم قرآن کریم ہے۔
اور ان تمام علامتی استعاروں کو اختیار کرنے کی تصدیق اور توثیق کے لیے قرآن کریم کے فرمودات کو پیش کیا گیا
ہے تاکہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ حضرت اقدس نے اس علامت کو از خود انتخاب نہیں کیا بلکہ یہ انتخاب قرآن کریم
سے ماخوذ ہے اور کامل اتباع قرآن ہے۔

اس تسلسل بیان میں یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ یہ نور جو کہ نور کے حقیقی منبع یعنی باری تعالیٰ عزّ شانہ کی ہستی
سے نکلا ہے دراصل عرفان باری تعالیٰ اور اس کی محبت کا نور تھا جو ہمارے آقا اور پیشوا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت کے ذریعہ سے انسان کے قلب و نظر کو منور کرنے کے لیے ایک دریاے نور کی طرح جاری ہوا اور
اپنی نورانی امواج میں تمام انبیاء اور صلحاء کو منور کرتا ہوا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و روح
پر تکمیل پذیر ہوا۔

جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ

الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدة: 4)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے فائدہ کے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو مکمل کر دیا ہے اور
تمہارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

اس نور کے سفر کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”كُنْتُ نَبِيًّا وَالْأَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالنَّيْنِ“

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ جسم اور روح کے درمیان تھا۔

اس فرمان نبویؐ کے معنوں میں حضرت فرماتے ہیں:

روح او درگفتن قولِ بلسیِ اول کے آدمِ توحید و پیش از آدش پیوید یار

ترجمہ: قولِ بلسی کہنے میں آپ کی روح سب سے اول ہے۔ آپ توحید کے آدم ہیں اور

آدم سے پہلے آپ کا خدا سے پیوند تھا۔

اور فرماتے ہیں:

آں شہ عالم کہ نامش مصطفیٰ سید عشاقِ حق شمسِ لُحْمٰی
ترجمہ: وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفیٰ ہے جو عاشقانِ الہی کا سردار اور چمکتا ہوا سورج ہے
آنکہ ہر نُورے طفیلِ نورِ اوست آنکہ منظورِ خدا منظورِ اوست
ترجمہ: وہ وہ ہے کہ ہر نور اسی کے طفیل سے ہے اور وہ وہ ہے کہ جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے۔
آنکہ جملہ انبیاء و راستاں خادمانش ہچو خاکِ آستاں
ترجمہ: وہ کہ تمام انبیاء اور راست باز لوگ خاکِ در کی طرح سے اس کے خادم ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس دریائے نور کا آخری قیام وہی تھا جہاں پر اس نے ہمارے آقا اور پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ صافی کے سمندر میں گرنا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس نور کے سمندر کا آخری تموج ایک اور بھی تھا جس کو اس نے۔

وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (الجمعة: 4)

کے فرمان میں بیان کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہی کی ایک تجلی عظیم ہوگی۔ اور آپ ہی کے طفیل آپ کے نور کی صوفشانی ہوگی اور ایسی ہوگی کہ گویا کوئی اور نہیں بلکہ آپ ہی تشریف لے آئے ہیں۔

یہ تجلی مہدی آخر زمان اور مسیح دوران کی ہے جیسا کہ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

ہست او خیر الرسل خیر الانام ہر نبوت را برو شد اختتام
ترجمہ: وہ خیر الرسل اور خیر الانام ہے اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اس پر ہو چکی ہے۔
آنچہ مارا وجی و ایمائے بود آں نہ از خود از ہماں جائے بود
ترجمہ: جو وجی اور الہام ہم پر نازل ہوتا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں وہیں سے آتا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بے من بعرفاں نہ کمترم ز کے
ترجمہ: انبیاء اگرچہ بہت سے ہوئے ہیں مگر میں معرفتِ الہی میں کسی سے کم نہیں ہوں۔

وارثِ مصطفیٰ شدم بہ یقین شدہ رنگیں بہ رنگِ یارِ حسین
ترجمہ: میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں۔

لیکن آئینہ ام زِ ربّ غنی از پئے صورتِ مہِ مدنی
لیکن میں ربّ غنی کی طرف سے آئینہ کی طرح ہوں۔ اس مدنی چاند کی صورت لوگوں کو دکھانے کے لیے۔
مشاہدہ کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے تمام روحانی منصب آپ کے نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہیں۔ آپ ان کے رخ انور کا آئینہ ہیں اور آپ ان کے انوار کے وارث ہیں۔ یہ اتحاد اور الحاق اللہ تعالیٰ نے
قائم فرمایا ہے اس لیے آپ حضرت کی روحانی تجلیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تجلیات ہیں۔
فرماتے ہیں:

مصطفیٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت

اُس سے یہ نور لیا بارِ خدا یا ہم نے

اور اس حصولِ نُور کے بعد فرماتے ہیں:

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسمان سے وقت پر

میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

اور فرماتے ہیں:

آؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے!!

لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں

دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

اور نثر میں نہایت درجہ یقین اور جلال سے فرماتے ہیں:

”مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب

نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بد قسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔“

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 61)

اور آخر پر آپ حضرت وقت کی بے دینی اور بے راہ روی کو بیان کر کے اپنی بعثت کی غرض و غایت بیان

کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اندریں روز ہائے چوں شبِ تار دست گیرد عنایتِ داوار
ترجمہ: ایسے دنوں میں جو اندھیری رات کی طرح ہوتے ہیں خدائے عادل کی مہربانی لوگوں کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔
مے فرستد مخلوقِ صاحبِ نُور تا شود تیرگی زِ نُورِش دور
ترجمہ: وہ خلقت کی طرف ایک نورانی وجود بھیجتا ہے تاکہ اس کے نور سے اندھیرا دور ہو۔

حضرت اقدس کے کلام میں علامتِ نُور کی نشاندہی قدرے تفصیلی ہو گئی ہے۔ ایسا اس لیے ہوا کہ حضرت اقدس نے اس علامت کو تمام روحانی مناصب اور روحانی تجلیات کے اظہار کیلئے اختیار فرمایا ہے۔ اس لیے تفصیل ناگزیر تھی۔ گزشتہ میں اس علامت کے بنیادی اور اہم اشارے بتا دیے گئے ہیں۔ عمومی طور پر فرمانِ قرآن سن لیں۔

وَيَجْعَلُ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ (الحديد: 29)

اس فرمان سے لفظ نور کی علامتی وسعت کا اندازہ لگالیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اقدس فرماتے ہیں:

”تمہیں ایک پاک نور عطا کیا جائیگا جو تمہارے غیر میں ہرگز نہیں پایا جائے گا۔ یعنی

نورِ الہام اور نورِ اجابتِ دعا اور نورِ کراماتِ اصطفاء“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)



صدق

دوسرا لفظ جو حضور سیدی نے اپنے کلام میں علامت اور استعارے کے طور پر اختیار کیا ہے وہ 'صدق' ہے۔
ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ روحانی نظام میں:

اَوَّلُ مَقَامٍ بِرَأْلِ اللَّهِ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ هُوَ۔

اور دوسرے مقام پر اس نور کی تجلی ہے جو صدق کامل ہے اور خدا کے کلام اور انبیاء کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ (الزمر: 33)

ترجمہ: اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اپنی طرف خدا کی

جناب سے آنے والے صدق کو جھٹلائے۔

اللہ تعالیٰ نے اول اپنی ذات کو صدق کامل کہا اور پھر اپنے کلام کو اور اس کے بعد آنے والی آیت میں قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر تمام مرسلین باری تعالیٰ کو اسی بنا پر ہی صدیق کا لقب دیا کہ وہ باری تعالیٰ کے صدق کامل کی تصدیق کرنے والے ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا (النساء: 123)

ترجمہ: اپنے بیان میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کون سچا ہو سکتا ہے؟

فرمایا:

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الزمر: 34)

ترجمہ: اور وہ جو خدا کی طرف سے سچی تعلیم لے کر آئے یعنی آنحضرت اور جو اس تعلیم کی تصدیق کرے ایسے

لوگ ہی متقی ہوتے ہیں۔

مرسلین باری تعالیٰ حقیقت میں فرمودات باری تعالیٰ کے مصدقین ہی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے مرسلین خدا کو اول متقی قرار دے کر اور ان کی قرار گاہ کو 'مقعد صدق' کہا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ - فِي مَقْعَدِ صَدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر: 55-56)

حضرت اقدس 'فِي مَقْعَدِ صَدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ' کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”صدق کی نشست گاہ میں با اقتدار بادشاہ کے پاس“

(دیکھو حضرت اقدس زیر آیت)

”صدق“ کی نشست گاہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو مجھے یاد آیا کہ خاکسار نے ایک مقالے میں انبیاء کے صدق کے تعلق میں دو اشعار پیش کئے تھے ان کی عظمت کی یاد میں اُس اقتباس کو دوبارہ پیش کرتا ہوں

اوّل شعر تو اُس دہن مبارک سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ”صَدَقِ بِسَه“ کے القاب سے نوازا ہے اور اپنی ہستی اور اپنے نبیوں کے سردار اور اپنی کتاب کے صدق کو ثابت کرنے کے لیے مبعوث کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعر میں حریم قدس کے پردوں کی سرسراہٹ ہے۔ صداقتِ عظمیٰ کا جلال اور جمال ہے اور ایسی شانِ محبوبی ہے کہ اپنے حسن و جمال کی آپ ہی دلیل اور آپ ہی مثال ہے۔

فرماتے ہیں:

من در حریم قدس چراغِ صد اتم

دستش محافظ است ز ہر بادِ صرم

ترجمہ: میں وہ چراغِ صداقت ہوں جو کہ حریم قدس میں روشن کیا گیا ہے میری ضیاءِ پاشی کی بادِ صرم سے حفاظت خود خدا تعالیٰ کا ہاتھ کر رہا ہے۔

ایک شعر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ہے۔ صادق اور مصدق کے عنوان میں ایسا بیان نہ کبھی پہلے ہوا ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ عظیم الشان شعر ہے۔ ہر لفظی اور معنوی خوبی کا حامل اور میری ناقص رائے میں آپ کے اشعار کا حاصلِ کلام۔

فرماتے ہیں:

یا صدقِ محمدِ عربی ہے یا احمدؑ ہندی کی ہے وفا

باقی تو پرانے قصے ہیں زندہ ہیں یہی افسانے دو

حریم قدس کے چشم و چراغ ہونے کے منصبِ عالی کی نسبت سے خاکسار نے بھی ایک شعر آپ حضرت کی نذر کیا ہے۔

اُسی شمعِ حریمِ قدس سے روشن چراغِ اپنا

اُسی سے میرے قلب و جاں کی ہر تنویر کا رشتہ

صدق کے لفظ کا حقیقی شعور ہمیں پیارے مسیحِ دوراں کی جناب ہی سے ملا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

”سب سے بڑا صدق لالہ الا اللہ ہے اور پھر دوسرا صدق محمد رسول اللہ ہے“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 342۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”صدقِ مجسم قرآن شریف ہے اور پیکرِ صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے اور

ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے مامور و مرسَل حق اور صدق ہوتے ہیں“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 243۔ جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اس حقیقت کو بھی ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ حضرت کو صدق کا منصب اللہ کی طرف سے خاص عنایت کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔

آپ حضرت کا الہام ہے:

يَا أَحْمَدُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ. فَفَخُتْ فِيكَ مِنْ لَدُنِّي رُوحَ الصِّدْقِ.

ترجمہ: اے احمد! تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجاتِ حقیقی کے وسائل

میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے۔

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 55۔ مطبوعہ 2004ء)

یہ وہ صدق کی روح ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے احسان بے پایاں سے مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے تبعین کو دی جو کہ قرآنی فرمان کے مطابق وَ آخِرِينَ مِنْهُمْ کی جماعت ہے اور یہی وہ جماعت ہے جن کے ایمان بر رسالتِ نبی اکرم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت محبت سے دیکھا ہے اور ان کو اپنا بھائی کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا اے

لوگو! ایمان کے لحاظ سے سب سے عجیب مخلوق کون سی ہے؟ صحابہؓ نے کہا نبی۔ تو فرمایا وہ کیسے

ایمان نہ لائیں جبکہ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اس پر صحابہؓ نے کہا آپ کے صحابہؓ۔ تو

فرمایا میرے صحابہؓ کیسے ایمان نہ لائیں۔ ایمان کے لحاظ سے عجیب قوم وہ ہے جو میرے بعد

آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے اور میری تصدیق کریں گے۔ حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں

دیکھا ہوگا۔ یہ میرے بھائی ہیں۔

(المعجم الكبير للطبرانی جلد 12 صفحہ 87 حدیث نمبر 12560)

ان معنوں میں حضرت اقدسؐ نے کس قدر خوبصورتی سے فرمایا ہے:

بیامدم کہ رہے صدق رادرخشانم

بدلستاں برم آں راکہ پارسا باشد

ترجمہ: میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور جو بھی نیک

اطوار ہے اس کو اُس کے محبوب تک پہنچا دوں

بیامدم کہ در علم و رشد بکشائتم
بخاک نیز نمایم کہ در سما باشد

میں اس لیے آیا ہوں تاکہ علم اور ہدایت کا دروازہ کھولوں اور اہل زمین کو وہ چیزیں دکھاؤں
جو آسمان میں ہیں۔

اس مقام تک ہم نے قرآن کریم کی سند سے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ صدق کو
اول: اپنی ذات عزوجل

دوم۔ رسول اکرم (فداہ اَبی و اُمی) صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام کے لیے
سوم۔ قرآن کریم کے لیے اختیار فرمایا ہے اور
چہارم۔ تمام مومنوں کو صدیق کے لقب سے نوازا ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّٰدِقُونَ (الحديد: 20)

حضرت اقدس اس آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ”جو لوگ خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لائے وہی ہیں
جو خدا کے نزدیک صدیق ہیں۔“ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

در اصل ”نور اور صدق“ کے الفاظ کو قرآن کریم اور حضرت اقدس نے ہم معنی علامت کے طور پر اختیار کیا ہے۔
کیونکہ صدق کامل ہی کا نام نور ہے اور الہی تجلیات نور ہی ہوتی ہیں۔ تاہم صدق کے لفظ میں ایک اشارہ
دلیری اور وفا اور استقامت کی طرف بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (الاحزاب: 24)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”خدا کے مرسلیں اور مامورین کبھی بزدل نہیں ہوا کرتے بلکہ سچے مومن بھی بزدل نہیں
ہوتے۔ بزدلی ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مصیبتوں نے بار بار حملہ کیے مگر
انہوں نے کبھی بزدلی نہیں دکھائی۔ خدا تعالیٰ اُن کی نسبت فرماتا ہے فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ
نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا یعنی جس ایمان پر انہوں نے
کمر ہمت باندھی تھی اس کو بعض نے تو نبھادیا اور بعض منتظر ہیں کہ کب موقع ملے اور سُرخرو ہوں اور

انہوں نے کبھی کم ہمتی اور بُردلی نہیں دکھائی۔“

(تفسیر حضرت اقدس الاحزاب: 24)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے کلام میں صدق کی علامت کو کامل طور پر صرف قرآن کریم کے اتباع میں اختیار کیا ہے۔ آپ تمام انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتابِ صدق کہتے ہیں۔
فرمایا:

ہر رسول آفتابِ صدق بود ہر رسولے بود مبر انورے
ترجمہ:- ہر رسول سچائی کا سورج تھا۔ ہر رسول نہایت روشن آفتاب تھا
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند متحد در ذات و اصل و گوہرے
ترجمہ:- وہ سب ایک پیلی کے سوموتی ہیں جو ذات اور اصل اور چمک میں یکساں ہیں
انبیاء روشن گہر ہستند لیک ہست احمد زان ہمہ روشن ترے
ترجمہ:- تمام نبی روشن فطرت رکھنے والے ہیں مگر احمد اُن سب سے زیادہ روشن ہے
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدق کا عاشق بھی کہتے ہیں

عاشقِ صدق و سداد و راستی دشمنِ کذب و فساد و ہر شرے
وہ صدق سچائی اور راستی کا عاشق ہے مگر کذب و فساد اور شر کا دشمن ہے
آپ حضرت دوسرے درجے پر اپنی ماموریت کو ”صدق“ کی تجلی کا نام دیتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

کمالِ پاکی و صدق و صفا کہ گم شدہ بود دوبارہ از سخن و وعظ من پیا باشد
پاکیزگی اور صدق کا کمال جو معدوم ہو گیا تھا وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے
مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری کہ اینکہ گفتہ ام از وجی کبریا باشد
اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو کیونکہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وجی سے کہا ہے۔
اور فرماتے ہیں۔

بشنوید اے طالبانِ کز غیب بکنند این ندا مُصلحے باید کہ در ہر جامفاسد زادہ اند
اے طالبو! سنو غیب سے یہ آواز آرہی ہے کہ ایک مصلح درکار ہے کیونکہ ہر جگہ فساد پیدا ہو گئے ہیں۔
صا دم و از طرفِ مولیٰ بان نشانہا آمد صد در علم و ہدیٰ بر روئے من بکشادہ دانند
میں صادق ہوں اور مولیٰ کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں علم و ہدایت کے سینکڑوں درجہ پر کھولے گئے ہیں

آسمان بارد نشان اُلوقت میگوید زمیں
 ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استاده اند
 آسمان سے نشان برس رہے ہیں اور زمین کہہ رہی کہ یہی وقت ہے یہ دو گواہ میری تصدیق کی خاطر کھڑے ہیں
 اور عربی میں فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ اَسْرَارٌ بَعَاثِقٍ وَجُهِّهِ
 فَسَلْ مَنْ يُشَاهِدُ بَعْضَ هَذَا التَّعَلُّقِ
 اور خدا کو اس کے عاشق کے ساتھ بھید ہیں۔ پس اُس شخص سے پوچھ جو اس سے تعلق رکھنے والا ہے۔

لِحَبِيْبِيْ خَوَاصِّ فِي الْوِصَالِ وَفُرْقَةٍ
 فَفِي الْقُرْبِ يُحْيِيْنِيْ وَفِي الْبُعْدِ يُؤَبِّقُ
 میرے دوست کے لیے وصال اور جدائی میں خواص ہیں۔ پس وہ قرب میں زندہ کرتا ہے اور دوری میں ہلاک کرتا ہے
 وَ اَعْطَيْتُ عَلَمَ الْفَتْحِ عَلَمَ مُحَمَّدٍ
 اور میں فتح کا جھنڈا، جو آنحضرتؐ کا جھنڈا ہے، دیا گیا ہوں اور میں وہ تلوار دیا گیا ہوں جس نے جڑ دروغوں کی کاٹ دی

فَتِلْكَ عَلَامَاتٌ عَلٰى صِدْقِ دَعْوَتِيْ
 فَاِنْ كُنْتَ تَطْلُبُهَا فَفَتِّشْ وَعَمِّقْ
 پس میرے صدق دعویٰ پر یہ علامتیں ہیں پس اگر تو ان علامتوں کو طلب کرتا ہے پس تفتیش کر اور سوچ

اور فرماتے ہیں:

اِنِّىْ صَادِقٌ اَوْ مُصْلِحٌ مُّتَرَدِّمٌ
 سَمَّ مُعَادَاتِيْ وَ سِلْمِيْ اَسْلَمٌ

میں صادق اور مصلح ہوں میری دشمنی زہر اور میری صلح سلامتی ہے۔

اِنِّىْ اَنَا الْبُسْتَانُ بُسْتَانُ الْهُدٰى
 تَاْتِيْ اِلٰى الْعَيْنِ لَا تَتَصَرَّمُ

میں باغ ہدایت ہوں میری طرف وہ چشمہ آتا ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔

آپ حضرت قرآن کریم کو صبح صداقت کا لقب دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

اَزْ وِجِيْ خَدَا صِحِّ صِدَاقَتِ بَدْمِيْدِه
 چشمتے کہ ندید آں صحفِ پاک چہ دیدہ

خدا کی وحی سے صبح صداقت روشن ہوگئی ہے جس آنکھ نے یہ صحف پاک نہیں دیکھے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا

اَلْ دِيْدِهْ كِهْ نُورِے نْگَرْفَتْ اَسْتِ زَنْفَرَقَا
 آں دیدہ کہ نورے نگررفت است ز فرقاں

وہ آنکھ جس نے قرآن سے نور اخذ نہیں کیا خدا کی قسم وہ ساری عمر اندھے پن سے خلاصی نہ پائے گی

خدا کی راہ میں صبر و استقامت اور وفادار کھانے کے معنوں میں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ”صدق“ کی علامتی تعریف فرمادی۔ آپ حضرت کے الہام خداوندی میں اس مضمون پر بہت ہی خوبصورت اور دلربا اشعار ہیں۔

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا میگذارد با محبت با وفا
خدا کی نظر میں صادق وہ ہوتا ہے جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گزارتا ہے
گر قضاء را عاشقے گردد اسیر بوسد آں زنجیر را کز آشنا
اگر اتفاقاً کوئی عاشق قید میں پڑ جائے تو اس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہو
(تذکرہ صفحہ 255- مطبوعہ 2004ء)

آپ حضرت صحابہ کرام کی وفا اور استقامت کو صدق کا نام دیتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ كَذُكَاةٍ قَدْ نَوَّرُوا وَجْهَ الْوَرَىٰ بِضِيَاءِ
یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کر دیا
تَرَكَوْا أَقَارِبَهُمْ وَحُبَّ عِيَالِهِمْ جَاءَ وَرَسُولَ اللَّهِ كَالْفُقَرَاءِ
انہوں نے اپنے اقارب کو اور عیال کی محبت کو بھی چھوڑ دیا اور رسول اللہ کے حضور میں فقراء کی طرح حاضر ہو گئے
ذُبْحُوا وَمَا خَافُوا الْوَرَىٰ مِنْ صِدْقِهِمْ بَلْ أَتَرُوا الرَّحْمَنَ عِنْدَ بَلَاءِ
وہ ذبح کیے گئے اور اپنے صدق کی وجہ سے مخلوق سے نڈرے بلکہ مصیبت کے وقت انہوں نے خدائے مہربان کو اختیار کیا
تَحْتَ السُّيُوفِ تَشْهَدُوا لِخُلُوصِهِمْ شَهِدُوا بِصِدْقِ الْقَلْبِ فِي الْأَمَلَاءِ
اپنے خلوص کی وجہ سے وہ تلواروں کے نیچے شہید ہو گئے اور مجالس میں انہوں نے صدق قلب سے گواہی دی
حَضَرُوا الْمَوَاطِنَ كُلَّهَا مِنْ صِدْقِهِمْ حَفَدُوا لَهَا فِي حَرَّةٍ رَجُلًا
اپنے صدق کی وجہ سے وہ تمام میدانوں میں حاضر ہو گئے۔ وہ ان میدانوں کی سنگلاخ سخت زمین میں حج ہو گئے۔

آپ حضرت عاشقانِ الہی کے سلوک کو ”صدق“ کا عمل قرار دیتے ہیں اور دوسرے مصرعے میں خدا تعالیٰ نے صدق کو سلوک سے مشروط فرمادیا کیونکہ یہ مصرعہ الہامی ہے۔

عزیزاں بے خلوص و صدق کشا بند را ہے را ”مصفاً قطره باید کہ تا گو ہر شود پیدا“
ترجمہ: اے عزیزو بغیر خلوص اور سچائی کے کوئی راہ نہیں کھل سکتی مصفہ قطرہ چاہئے تاکہ موتی پیدا ہو۔

حضرت اقدس قرآن سے پیوستگی اور اعتقاد کی درستی اور آخرت کی تیاری کو ”صدق و سداد“ کہتے ہیں صدق و سداد کے ایک ہی معنی ہیں یعنی گفتار اور کردار کا درست ہونا۔

فرماتے ہیں:

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
 فکر معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
 اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
 یہ روز کر مبارک سبحان من یوانی
 اردو زبان میں 'صدق' کے لفظ کو عشق الہی سے تعبیر فرمایا۔ فرماتے ہیں:

جو عشاق اُس ذات کے ہوتے ہیں
 وہ ایسے ہی ڈر ڈر کے جاں کھوتے ہیں
 وہ اُس یار کو صدق دکھلاتے ہیں
 اسی غم میں دیوانہ بن جاتے ہیں
 وہ جاں اُس کی رہ میں فدا کرتے ہیں
 وہ ہر لحظہ سو سو طرح مرتے ہیں
 وہ کھوتے ہیں سب کچھ بصدق و صفا
 مگر اُس کی ہو جائے حاصل رضا
 یہ دیوانگی عشق کا ہے نشان
 نہ سمجھے کوئی اس کو جز عاشقان
 اور آخر پر محبوب حقیقی کے عاشق صادق کی پہچان بھی سن لیں۔

فرماتے ہیں:

صادقاں را صدق پنہانی نے ماند نہاں نورِ پنہاں بر جمین مرد انوار آورد
 ترجمہ: صادقوں کا اندرونی صدق چھپا ہوا نہیں رہ سکتا۔ مخفی نور انسان کی پیشانی پر چمک پیدا کر دیتا ہے
 ہر کہ از دستِ کسے خورد است کاساتِ وصال ہر زماں رویش سرو وِ واصلِ یار آورد
 ترجمہ: وہ شخص جس نے کسی کے ہاتھ سے شراب وصل کے پیالے پیے ہوں اُس کا منہ ہر وقت
 اس یار کے وصل کا سروِ ظاہر کرتا رہتا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

صدق را ہر دم مد آید ز رب العالمین صادقان را دستِ حق باشد نہاں در آستین
 ترجمہ: سچائی کو ہر دم رب العالمین سے مدد پہنچتی ہے صادقوں کی آستین میں خدا کا ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے
 ہر بلا کز آسماں بر صادق آید فرود آخرش گردد نشانے از برائے طالبین
 ترجمہ: ہر وہ بلا جو آسمان سے کسی صادق پر آتی ہے وہ آخر میں طالبانِ حق کے لیے ایک نشان ہو جاتی ہے
 ہم نے لفظ ”صدق“ کے علامتی معانی میں استعمال کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور ہم خود محسوس کرتے ہیں
 کہ جیسے گزشتہ میں ’نور‘ کا مضمون تشبیہ رہ گیا تھا یہ تشنگی اس مقام پر بھی ہے۔
 ان علامات پر سیر حاصل نظر ڈالنے کے لیے ان کو ایک مستقل عنوان کے تحت لاکر تحقیق کرنی ہوگی کیونکہ
 دراصل حضرت اقدس کے کلام کے یہی محور ہیں یعنی باری تعالیٰ کے نور کی تجلّی اور پھر اس صدق کا ابلاغ۔
 ہماری کوشش میں یہ مضمون ذیلی موضوعات کے طور پر آیا ہے اس لیے بہت مختصر بیان ہوا ہے تاہم احساس
 ناتمامی ضرور ہے۔ اس صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے:

سپر دم بتو مایہ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را
 ترجمہ: میں نے اپنا تمام سرمایہ تیری جناب میں پیش کر دیا ہے۔ کم و بیش کا حساب تو ہی جانتا ہے۔



ادبی علامت و رموز

گذشتہ میں بیان ہوا تھا کہ حضرت اقدس کے اشعار میں جو الفاظ مجازاً اور علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ان کا ایک نہایت درجہ مختصر جائزہ پیش کرنا حضرت اقدس کی شعری اور ادبی عظمت کے اظہار کے لیے بہت موزوں ہوگا۔ اس غرض کے لیے ہم نے شعری علامات اور رموز کے دو شعبے بنائے ہیں۔ ایک روحانی مضامین کے اور دوسرے ادبی مضامین کے علامت۔

روحانی مضامین کے اظہار میں ہم لفظ ”نور“ اور ”صدق“ کو بیان کر چکے ہیں۔

ادبی مضامین کے اعتبار سے ہم نے دو لفظ انتخاب کئے ہیں۔

اول: بہار

دوم: کربلا، گریبان اور جیب

دوسرا لفظ بظاہر ایک نہیں مگر ادبی دالاتوں کے اعتبار سے ایک مضمون ہی کے خدو حال رکھتا ہے۔

بہار: حضرت اقدس کے اردو اور فارسی کلام میں بہار کا لفظ بہت مقامات میں استعمال ہوا ہے۔ اور بہت سے مقامات میں لغوی معنوں سے متبائن اور متضاد معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور بہت خوبصورتی سے ہوا ہے لغوی اعتبار سے تو بہار کے معانی ماہ و سال کے ان ایام سے ہے جب کہ سردیوں کے بعد نئی حیات زندہ ہوتی ہے اور پودے پھولتے پھلتے ہیں۔

موسم کی اس نوعیت کے اعتبار سے ادبی اقدار میں بہار زندگی کی اور خزاں افسردگی اور موت کی علامت ہے اس لیے شعری ادب میں یہ مختار موسم باہم مخالف جذبات اور خیالات کے اظہار کی علامتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو اور خصوصاً فارسی ادب میں باغ و بہار اور گل و بلبل ایسے علامتی اشارے ہیں جو جذبات عشق و محبت کے زندہ ہونے اور نئی تہنناؤں اور امیدوں کے نمودار ہونے کے اظہار کے لیے اختیار کئے جاتے ہیں۔

اس لیے علامتی اعتبار سے مشرقی زبانوں میں گل محبوب ہے اور باغ اُس کا حسن و جمال ہے اور بلبل عاشق زار ہے۔ اور ان سب کیفیات اور احساسات کے زندہ اور متحرک ہونے کا باعث موسم بہار ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے مگر اس مضمون میں عظیم الشان شعر ہے۔

روشن کئے چراغِ لعل لاله زار نے

اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

اگر ”خدا“ کو خواہیدہ جذبات اور ناکام تمناؤں کی تمثیل سمجھا جائے۔ تو ایسے ہوا کہ بہار کی آمد نے ایسے لالہ زار پیدا کئے کہ جذبات اور تمناؤں کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں اور اس حالت میں یہ عالم ہوا کہ

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مگیلاں ہونگے
اور جب خزاں آئی تو بہار کی یاد میں کہا:

ہم وحشیوں نے صحنِ گلستان سے اے خزاں
تینکے بھی چُن لیے کہ شریکِ بہار تھے

حضرت اقدس علیہ السلام نے ”بہار“ کی علامت کو تمام ادبی اقدار کی نہایت حسین پاسداری کرتے ہوئے اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے اس لفظ کو وحی الہی کے مطابق حقیقی معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ زلزلے کی پیشگوئی میں فرماتے ہیں

ایک ہی گردش سے گھر ہو جائیں گے مٹی کا ڈھیر
جس قدر جانیں تلف ہوں گی نہیں ان کا شمار
کب یہ ہوگا؟ یہ خدا کو علم ہے پر اس قدر
دی خبر مجھ کو کہ وہ دن ہوں گے ایامِ بہار
”پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی“
یہ خدا کی وحی ہے اب سوچ لو اے ہوشیار
(تذکرہ صفحہ 455-456 مطبوعہ 2004ء)

بہار کے لغوی معنوں میں ایک اور الہام حضرت اقدس کا ہے
”پھر بہار آئی تو آئے تلخ کے آنے کے دن“
(تذکرہ صفحہ 525 مطبوعہ 2004ء)

آپ حضرت نے بہار کے معانی تو موسم بہار کے مطابق کئے ہیں۔ البتہ ”تلخ“ (جس کے لغوی معانی آسمانی برف اور ژالوں یعنی اولوں کے ہیں) کے بہت سے علامتی معانی فرمائے ہیں یعنی آفاتِ سماوی کا نازل ہونا۔ یا اس کے برعکس اطمینانِ قلب (تلخِ قلب) حاصل ہو جانا مزید تحقیق کے لیے تذکرہ صفحہ 520 تا 525 مطالعہ کرنا چاہیے۔

ان الہامات باری تعالیٰ سے ایک علامتی معنی تو ضرور ثابت ہوئے ہیں کہ بہار کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کی صداقت کے نشان کے طور سے اختیار کیا ہے کیونکہ موسم بہار میں زمین اپنی روئیدگی اور انسان اپنی تازگی کیساتھ زندہ ہوتا ہے اسی طور سے حضرت کی صداقت کے نشان ایک نئی زندگی اور شعور پیدا کریں گے اور ایک قہری تجلی ہوگی

مگر ادبی علامت کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت درجہ حسن و خوبی کیساتھ اس علامت کا الہام کیا اور فرمایا

”رسید مژدہ کہ ایام نو بہار آمد“
(تذکرہ صفحہ 437 مطبوعہ 2004ء)

حضرت اقدس نے اسی وحی الہی کو بہت ہی خوبصورت ادبی حُسن و جمال کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ اس بہار سے دنیاوی عشق و محبت کی بہار مراد نہیں بلکہ محبوب حقیقی کی محبت کا زندہ ہونا مراد ہے

رسید مژدہ کہ ایام نو بہار آمد

زمانہ را خبر از برگ و بار خود کنم

ترجمہ: مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آگیا تاکہ میں زمانہ کو اپنے پھولوں اور پتوں کی خبر کر دوں

تعلقاتِ دل آرام خویش بنمایم

ہمائے اوج سعادت شکار خود کنم

ترجمہ: اور اپنے محبوب کے تعلقات کا اظہار کروں اور ہمائے اوج سعادت کو اپنا شکار بناؤں

یہاں پر ”ایام نو بہار“ سے مراد وصال باری تعالیٰ اور قرب محبوب حقیقی ہے اور اس موقع پر آپ کی تمنا ہے کہ آپ اپنے محبوب کی واردات محبت کو بیان کریں اور عاشقانِ الہی میں جو انتہائی مقام سعادت ہے اُس کو شکار کریں (حاصل کریں)۔

دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ”بہار“ کو کس خوبصورت علامت کے طور پر قبول فرماتا ہے اور پھر حضرت اقدس کو دیکھیں کہ کتنی خوبصورتی سے اللہ تعالیٰ کے محبوبانہ التفات کو محسوس کرتے ہوئے کس والہانہ انداز میں اس کی محبت کو بیان کرتے ہیں۔

مشاہدہ کریں کہ آپ حضرت کی ”بہار“ کیا ہے۔ وصال باری تعالیٰ کا حصول اور اس کے حاصل ہونے پر محبتِ الہی کا حیات بخش جوش اور پھر اس نعمتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کی ترغیب۔

فارسی ادب میں محبتِ الہی کے مضامین بہت ہیں مگر ”تعلقاتِ دل آرام خویش“ کا ایسا والہانہ بیان کہیں

دستیاب نہیں ہوگا۔ اور یہ سچ بھی ہے کیونکہ نہ ایسی بہار کسی پر آئی نہ اس نے اس بہار کے مزے لوٹے۔
یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت اقدس اپنی آمد اور اپنے وقت کو بہار کی آمد، اور گل و گلزار کا زمانہ کہتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

غافلاں من ز یار آمدہ ام ہچو باد بہار آمدہ ام

ترجمہ: اے غافلو میں محبوب کے پاس سے آیا ہوں اور باد بہار کی طرح آیا ہوں

ایں زمانم زمانہ گلزار موسم لالہ زار و وقت بہار

ترجمہ: یہ میرا زمانہ گلزار کا زمانہ ہے۔ یعنی لالہ زار کا موسم اور بہار کا وقت ہے

اور پھر محبوب حقیقی کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ تو ہی میری حقیقی بہار ہے۔

فصل بہار و موسم گل نایم بکار کاندرا خیالِ روئے تو ہر دم بگلشتم

ترجمہ: فصل بہار اور پھولوں کا موسم میرے لیے بیکار ہیں کیونکہ میں تو ہر وقت تیرے چہرے

کے خیال کی وجہ سے ایک چمن میں ہوں۔

اپنی ماموریت اور بعثت کو کس شان اور یقین کیساتھ باغ اور اس کے اثمار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

مامورم و مراچہ دریں کار اختیار رو این سخن بگو بخداوند آمرم!

ترجمہ: میں تو مامور ہوں مجھے اس کام میں کیا اختیار ہے جا! یہ بات میرے بھیجنے والے خدا سے پوچھ

اے آنکہ سوئے من بد ویدی بصد تبر از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم

ترجمہ: اے وہ جو میری طرف سینکڑوں کلہاڑے لے کر دوڑا ہے باغبان سے ڈر کیونکہ میں ایک پھلدار شاخ ہوں

اور اسی تشبیہ کے تسلسل میں حیرت سے فرماتے ہیں کہ اب جبکہ میرے باغ میں ہزاروں پھول کھل چکے ہیں

تو پھر بہار کے انتظار میں کسی اور باغ کی طرف کیا دیکھنا۔

چو مہر انور و تاباں ہمے فشاںم نور دگر کجا و چنیں قدرتے کرا باشد

ترجمہ: میں روشن اور چمکدار سورج کی طرح نور پھیلا رہا ہوں۔ دوسرا کہاں ہے؟ اور ایسی قدرت کس میں ہے؟

زکار ہا کہ کم و ز نشاں کہ بنمایم عیاں شود کہ ہمہ کارم از خدا باشد

ترجمہ: وہ کام جو میں کرتا ہوں اور اُن نشانوں سے جو میں دکھاتا ہوں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا سارا کاروبار خدا کی طرف سے ہے۔

گلوں کہ در حین من ہزار گل بگلقت
گرا از طلب بنشین عجب خطا باشد

ترجمہ: اب جبکہ میرے چمن میں ہزاروں پھول کھل چکے ہیں اگر تو طلب نہ کرے تو سخت غلطی ہوگی اور اسی حیرت اور تعجب کے اظہار میں فرماتے ہیں:

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح

خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ باؤ بہار

باغ میں ملت کے ہے کوئی گل رعنا کھلا

آئی ہے باؤ صبا گلزار سے مستانہ دار

قبل میں کہا گیا تھا کہ حضرت اقدس نے ”بہار“ کو متباہن اور متضاد معنوں میں بھی اختیار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ ”بہار“ اور خزاں دو متضاد المعانی الفاظ ہیں۔ مگر آپ نے ان کے علامتی معنی کرتے ہوئے موسم خزاں میں بھی بہار کا نظارہ کر دیا اور بہت ہی خوب کروایا۔ فرماتے ہیں۔

بہار آئی ہے اس وقت خزاں میں لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں

ملاحظت ہے عجب اس دلستاں میں ہوئے بدنام ہم اس سے جہاں میں

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں نہاں ہم ہو گئے یا نہاں میں

ہو اُجھ پرؤہ ظاہر میرا ہادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْأَعْدَى

یعنی ”بہار“ کی آمد آپ کی آمد ہے اور آپ سے غفلت اور دوری خزاں ہے مگر اس کے باوجود اس وقت خزاں میں بھی اللہ نے ہزاروں عاشقانِ الہی پھولوں کی طرح سے آپ کے دامن میں ڈال دیئے ہیں انہی معنوں میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا

آگیا اس قوم پر وقت خزاں اندر بہار

اے سونے والو! جاگو کہ وقتِ بہار ہے

اب دیکھو آ کے ڈر پہ ہمارے وہ یار ہے

ہم بہت معذرت کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت کے کلام میں ”بہار“ کا مضمون بہت اختصار سے بیان کیا ہے۔ اس ادبی علامت کے لئے ایک مفصل تحقیقی مقالہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ کے کلام کا شوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ حضرت نے باغ و بہار اور گل و بلبل کو ان کی مکمل دلاتوں کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اور ادبی شاہکار تخلیق کیے ہیں۔ شاید آخر پر آپ حضرت کے ذیل کے اشعار ہمارے اختصار کی کچھ تلافی کر دیں۔

فرماتے ہیں:

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں ہم نے سو سو طرح سے سمجھایا

اس غرض سے کہ زندہ یہ ہوویں ہم نے مرنا بھی دل میں ٹھہرایا

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے

آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا



کر بلا۔ گریبان اور جیب:

گذشتہ میں کئی مرتبہ کہا گیا ہے کہ شعری زبان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ سراسر استعارہ ہے اور استعارہ لفظ کے معانی غیر لغوی کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے تاہم یہ لازم ہوتا ہے کہ معانی لغوی اور مجازی میں کوئی نہ کوئی تعلق ہو اور کوئی بات ایسی ضرور ہو جس سے ظاہر ہو کہ لفظ مجازی معنوں میں اختیار کئے گئے ہیں۔ اس بات اور عنصر کو قرینہ کہتے ہیں۔

شعر میں ”قرینہ“ کا ثبوت مضمون کے اتحاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور مضمون کی معنوی دلائلوں سے بھی قائم ہوتا ہے تاکہ معنی مستعار کا جواز پیدا کیا جائے ایک مشہور عام مثال ہے کہ جو کہ اغلباً حماسہ کے اس مصرع سے اخذ کی گئی ہے۔

”وَلَا أُحْمَدُ نَارًا لَنَا ذُونَ طَارِقِ“

ترجمہ: اور رات کے آخر وقت میں بھی آنے والے مہمان کے لیے ہمارے مطبخ کی آگ جلتی رہتی ہے۔

گو اس مثال میں لفظی قرینہ تو نہیں ہے تاہم معنوی قرینہ ضرور ہے کہ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم بہت مہمان نواز ہیں اور ان معنوں میں ہی شعر کا حسن و جمال مضمر ہے۔

تاہم یہ بھی درست بات ہے کہ ”قرینہ“ کی پہچان اور اس کی موجودگی کے شعور کے لیے شعر فہمی اور ذوق سلیم ضروری ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر اس کو چے میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہیے۔ کیونکہ شعر میں حُسن و جمال اس کے مجازی دلائلوں سے ہی پیدا ہوتا ہے یہ تمہیدی گذارشات اس لیے کی گئی ہیں کہ ہم آپ حضرت کے ایسے شعر کا ادبی تجزیہ کرنا چاہتے ہیں جس نے گذشتہ ایک صدی سے مخالفین کو شک و شبہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

کر بلائے است سیر ہر آنم

صد حسین است در گر بیانم

یہ شعر غزل کا نہیں۔ نظم اور مثنوی کے اسلوب میں وارد ہوا ہے۔ غزل میں ہر شعر ایک منفرد معانی رکھتا ہے۔ نظم اور مثنوی کے اشعار اپنے مضمون کو اشعار کے تسلسل میں بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اول یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ حضرت کس تسلسل بیان میں اس شعر کو پیش کر رہے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت الہام باری تعالیٰ کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ گو عشق محبوب کے دیدار سے پیدا ہوتا ہے مگر اس کے کلام اور گفتگو سے بھی عشق کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں خاص طور پر محبوب کی راز کی باتیں یہ خصوصیت رکھتی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان راز و نیاز کی باتوں کے فدائی ایک دو یا ہزار نہیں بلکہ ایسے مقتول بے شمار ہیں اور محبوب حقیقی بھی ایسے مقتول پسند کرتا ہے اور محبوب حقیقی کے چہرے کا غازہ ان شہیدوں کا خون ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ سعادت (یعنی مورد الہام باری تعالیٰ ہونا) جب آپ کی قسمت میں لکھی گئی تو آہستہ آہستہ آپ کی باری بھی آگئی

اور پھر خدا تعالیٰ نے اس کثرت اور اس طرز سے الہامات سے نوازا کہ آپ کا ہر روحانی سفر کربلا کی طرح سے جاں نثاری کا نمونہ پیش کرنے لگا اور آپ دم بدم حضرت حسینؑ کی طرح سے شہید ہونے لگے آپ کے اشعار کا مطالعہ کر لیں۔

عشق کو رونماید از دیدار نیز گہ گہ بخیزد از گفتار
وہ عشق جو دیدار سے پیدا ہوا کرتا ہے کبھی کبھی گفتار سے بھی پیدا ہوتا ہے
بالخصوص آل سخن کہ از دلدار خاصیت دارد اندریں اسرار
خاص کردلدار کی وہ باتیں جو اسرار کے طور پر عشق پیدا کرنے والی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہیں
گشتہ او نہ یک نہ دو نہ ہزار این قتیان او بروں ز شمار
ان باتوں کے فدائی صرف ایک دو یا ہزار انسان ہی نہیں ہیں بلکہ اُس کے کشتے بے شمار ہیں
ہر زمانے قتل تازہ بخواست غازہ روئے او دم شہداست
ہر وقت وہ ایک نیا قتل چاہتا ہے اس کے چہرہ کا غازہ شہیدوں کا خون ہوتا ہے
این سعادت چو بود قسمت ما رفتہ رفتہ رسید نوبت ما
یہ سعادت چونکہ ہماری قسمت میں تھی رفتہ رفتہ ہماری نوبت بھی آپہنچی
کربلائے است سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم
کربلا میری ہر آن کی سیر گاہ ہے۔ سینکڑوں حسین میرے گریبان کے اندر ہیں

مشاہدہ کریں کہ مضمون جنگ و جدال کا نہیں ہے۔ الہام باری تعالیٰ کی تاثیرات سے خدا تعالیٰ پر عاشق

ہونے کا ذکر ہے اور فرماتے ہیں کہ ایسے عاشق صرف آپ ہی نہیں بلکہ ہزاروں ہوتے ہیں اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں

اس مقام پر توقف کریں اور جائزہ لیں کہ کیا یہاں پر حضرت حسینؑ کی شہادت کا ذکر ہو رہا اور کیا یہ مقتل حضرت حسین کا میدان کربلا ہے یا عاشقانِ الہی کی شہادت گاہ ہے۔ دونوں روحانی حادثات کی نوعیت بالکل مختلف ہے اس لیے تقابل نہیں کیا جاسکتا

آخری شعر میں کربلا اور حضرت حسینؑ کی شہادت کا ذکر تو مثال کے طور پر آ گیا ہے۔ مقابلہ کی غرض سے نہیں آیا کیونکہ مقابلہ ہمیشہ یکساں حادثات اور ہم نوع کیفیات میں ہوتا ہے۔ حضرت حسینؑ کی خدا کی راہ میں عظیم الشان شہادت ہوئی مگر وہ تلوار سے ہوئی حضرت اقدس کی شہادت عشقِ الہی کے سمندر میں ڈوب کر ہوئی ہے اور ہزار بار ہوئی ہے۔ اس لیے اس شعر سے یہ مراد لینا کہ حضرت اقدس اپنے مقابلہ پر حضرت حسینؑ کو کمتر منصب دے رہے ہیں یکسر غلط خیال ہے کیونکہ تقابل کے لوازمات ناپید ہیں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب کوئی انسان اپنی شان و عظمت کی مثال دیتا ہے تو ایسے شخص سے دیتا ہے جو خود صاحبِ عظمت ہو اور ایسی مثال ہمیشہ مقامِ مدح پر ہوتی ہے نہ کہ مقامِ ذم پر۔ اس لیے آپ حضرت کا امام حسینؑ کی مثال دینا حضرت حسینؑ کی عزت افزائی اور علوم مرتبت کے لئے ہے۔

یہ بات کہ آپ حضرت نے محبتِ الہی کی راہ میں جو صبر اور استقامت دکھائی ہے اس کو کربلا کیوں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کربلا کے لفظ سے حضرت کی مراد میدانِ کربلا نہیں بلکہ وہ کرب و بلا ہے جو آپ نے محبتِ الہی میں برداشت کئے۔ لغت میں اس کے معانی ”رنج اور آفت کا مقام“ کئے گئے ہیں۔ (فرہنگِ آصفیہ)

فارسی ادب میں کربلا کا لفظ اسی علامتی معنوں میں استعمال ہوا ہے

حافظ شیرازی محبوب کے ہجر کے بیان میں کہتا ہے کہ اس مصیبت کی مثال کربلا کے مصائب ہی سے دی جاسکتی ہے کہتا ہے۔

آنچه جانِ عاشقان از دستِ ہجرت می کشد

کس نہ دیدہ این جہاں جز کشتگانِ کربلا

ترجمہ: عاشقوں کی جان جو تیرے فراق میں برداشت کر رہی ہے اسکو کربلا کے شہیدوں کے سوا کسی نے نہیں دیکھا اس بیان میں تو کربلا کیساتھ حضرت حسینؑ کا ذکر بھی آ گیا کیونکہ کشتگانِ کربلا میں آپ صفا اول میں تھے

قرۃ العین طاہرہ کہتی ہے کہ عشق میں اس کا ہر لمحہ ہزاروں وادی کر بلا کے مانند ہے۔

متظار است ز ہر دمے دو ہزار وادی کر بلا

مشاہدہ کریں ایک وادی کر بلا نہیں بے شمار ہیں۔

اب

”صد حسین است در گریبانم“ کے فرمان پر غور کریں۔

فارسی زبان میں اور اردو میں بھی ”گریبان“ قمیص کے اس حصے کو کہتے ہیں جو گردن کے نیچے ہوتا ہے فارسی میں اس لفظ کو مرکب سمجھتے ہیں یعنی ”گرے“ بمعنی گردن اور ”بان“ بمعنی محافظ۔ فارسی میں ”جیب“ کے لفظ کو بھی انہیں معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر اس لفظ کے لغوی معنوں کو ہی اختیار کرنا ہے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ حضرت کی قمیص کے بالائی حصہ میں سو حسین قیام فرما ہیں۔ شاید اس قسم کے معانی کر کے شعری زبان سے نابلد احباب نے گذشتہ ایک صدی سے شور قیامت مچا کر رکھا ہے۔ شعری زبان کا حد درجہ معمولی شعور رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ شعر میں اس لفظ کے معانی ”دل“ ہیں اور گریبان چاک کرنے کے معنی دلی جذبات کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

میر تقی میر کی مثال کو دیکھ لیں۔

کہتا ہے:

اس نے کھینچا ہے میرے ہاتھ سے دامن اپنا

کیا کروں، گرنہ کروں چاک گریباں اپنا

اس شعر میں دامن چھڑانا اور چاک گریبان کے کیا معنی ہونگے؟ یہی کہ محبوب نے بے تعلقی کا اظہار کیا ہے تو میں دلی غم کا اظہار نہ کروں تو کیا کروں۔

فارسی اور اردو شعراء میں ہر شاعر اپنا گریبان چاک کئے ہوئے ہے۔ آپ سوئی دھاگہ لیکر کس کس کی بنیہ گری کریں گے بہتر ہے کہ اس کے علامتی معنوں کو قبول کر لیں۔

علامت اور استعارے کے تعلق میں اس امر کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہر صاحب منصب شاعر اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کے لیے چند الفاظ کو قبول کر کے ان کو علامت کے طور پر کئی معنوں میں بار بار اختیار کرتا ہے۔

حضرت اقدس نے بھی ”گریبان“ کے لفظ کو صرف ایک بار استعمال نہیں کیا اور صرف حضرت حسینؑ کے لیے

ہی استعمال نہیں کیا۔

اڈل مقام پر تو آپ حضرت نے اس لفظ کو باری تعالیٰ کی دلی محبت اور وصال کامل کے معنوں میں بہت ہی خوبصورت اور حسین انداز میں اختیار فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

پُر زِ نُوْرِ دِلْسْتَاں شَد سِيْنَه ام هُد زِ دِسْتِه صَيْقِلِ آئِيْنَه ام
 مَحْبُوْب كِه نُور سِه مِيْرَا سِيْنَه بَهْر گِيَا مِيْرِه آئِيْنَه كَا صَيْقِلِ اِسِي كِه هَاتِه نِه كِيَا
 پِيكْرَم هُد پِيكْرِ يَارِ اَزَل كَارِ مَن هُد كَارِ دِلْدَارِ اَزَل
 مِيْرَا وَجُوْد اُس يَارِ اَزَلِي كَا وَجُوْد بَن گِيَا اور مِيْرَا كَام اُس دِلْدَارِ قَدِيْم كَا كَام هُو گِيَا
 بَسْكَه جَانَم شَد نِهَاں دَر يَارِ مَن بُوئِه يَارِ آءَمْدِ اَزِيں كَلْزَارِ مَن
 چُونَكِه مِيْرِي جَانِ مِيْرِه يَارِ كِه اَنْدَرِ مَخْفِي هُو گِيَا اِس ليِه يَارِ كِي خُوشْبُو مِيْرِه كَلْزَارِ سِه آنِه لُگِي
 نُورِ حَقِّ دَارِيْمِ زِيْرِ چَادَرِه اَزِ گَرِيَا نَمِ بَرِ آءَمْدِ دَلْبَرِه
 هَمَارِي چَادَرِ كِه اَنْدَرِ خُدا كَا نُورِ هِه۔ وَه دَلْبَرِ مِيْرِه گَرِيَا نِ مِيں سِه نَكَلَا
 اءَمْدِ آخِرِ زَمَانِ نَامِ مَن اِسْت آخِرِيں جَامِه مِيں جَامِ مَن اِسْت
 اءَمْدِ آخِرِ زَمَانِ مِيْرَا نَامِ هِه اور مِيْرَا جَامِ هِي (دُنْيَا كِه ليِه) آخِرِي جَامِ هِه
 اِيك اور مقام ميں خُدا تعَالِيٰ كِه عَشَقِ كِه بِيَانِ ميں فرماتے هيں:

عَشَقِي تُو بِه نَقْدِ جَانِ خَرِيْدِيْمِ تَا دَمِ نِه زَنْدِ دِگَرِ خَرِيْدَارِ
 هَم نِه نَقْدِ جَانِ دِه كَر تِيْرَا عَشَقِ خَرِيْدَا هِه۔ تَا كِه پَهْرِ اور كُوْنِي خَرِيْدَارِ دَمِ نِه مَارِ سَكِه
 غِيْرِ اَزِ تُو كِه سَرِزْدِه زِ جِيْمِ! دَرِ مُرْجِ دَلْمِ نَمَانْدِ دِيَارِ
 تِيْرِه سُو اور كُونِ مِيْرِه گَرِيَا نِ مِيں سِه نُمُو دَارِ هُو تَا جَبَكِه مِيْرِه دَلِ مِيں اور كُوْنِي بَسْنِه وَالَا هِي نِهِيں
 عَمْرِيَسْتِ كِه تَرَكِ خُوْلِيَشِ وَ پِيُوْنْدِ كَر دِيْمِ وَ دِه جَزِ اَزِ تُو دَشْوَارِ
 اِيك عَمْرُ گَزِي گِيَا كِه هَم نِه عَزِيْزُوں اور رَشِيْدِ دَارُوں سِه تَعْلُقِ مَنْقَطِعِ كَر لِيَا مَكْرِ تِيْرِه بَغِيْرِ اِيكِ لُحْظِ كَدَارِ نَا بَهِي مَشْكَلِ هِه

رسول اکرمؐ سے کامل اتحاد اور عشق کے بیان میں فرماتے ہیں:

مُحورے اوشداست ایں روئے من
 بوئے او آید زبام و گوئے من
 یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آ رہی ہے
 بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں
 من ہمانم۔ من ہمانم۔ من ہماں
 از بسکہ میں اُس کے عشق میں غائب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں
 جانِ من از جانِ او یابد غذا
 از گریبانم عیاں شد آں ذکا!
 میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے
 احمد اندر جانِ احمد شد پدید
 اسم من گردید آں اسم و جید

احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا اس لیے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لائٹانی انسان کا نام ہے
 اب دیکھ لیں اوّل مقام پر تو حضرت اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل ہم رنگ اور اُن میں محو و فنا
 ہونے کو کس طور سے بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آپ کا آنحضرتؐ سے اس قدر قرب اور تعلق ہے کہ گویا
 آنحضرتؐ اور آپ ایک ہی وجود ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے آپ کے گریبان سے آنحضرتؐ کے نور کا سورج طلوع
 ہوا ہے۔ یہاں پر گریبان کے کیا معنی کریں گے؟ یہی کہ آپ کے دل و جان میں آنحضرتؐ کا نور سرایت کر گیا ہے۔
 یہی مضمون ذیل کے اشعار میں بھی بیان ہوا ہے کہ انبیاء خدا کی محبت اور پرستش میں اس قدر گم ہوتے ہیں کہ
 وہ خدائی صفات کے حامل ہو جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

بچیں مے داں مقامِ انبیاء
 واصلاں و فاصلاں از ماسواء
 انبیاء کے مقام کی بھی یہی مثال سمجھ۔ وہ اصل باللہ ہیں اور اس کے غیر سے بے تعلق
 فانی اند و آلہ ربّانی اند
 نُورِ حق در جامہٴ انسانی اند!
 وہ فنا فی اللہ ہیں اور خدا کا ہتھیار ہیں۔ انسانی جامہ میں خدا کا نور ہیں
 سخت پنہاں در قبابِ حضرت اند
 گم ز خود در رنگ و آبِ حضرت اند
 بارگاہِ الہی کے گنبد میں بالکل مخفی ہیں خودی سے الگ ہو کر خدائی رنگ و روپ میں زندگی بسر کرتے ہیں
 اس مقام کی کیفیت کے بیان میں فرمایا ہے

نورِ حق داریم زیرِ چادرے
 از گریبانم برآمد دلبرے
 ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے
 وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا ہے

اور دوسرے مقام پر آنحضرتؐ سے یک جان اور متحد ہونے اور عشق کے بیان میں تو فرما چکے ہیں۔

جان من از جان او یابد غذا از گریبانم عیاں شد آں ذکا

میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان میں وہی سورج نکل آیا ہے۔

مشاہدہ کریں کہ حضرت ”گریبان“ کی علامت کو صرف حضرت حسینؑ کے لیے اختیار نہیں فرما رہے بلکہ اس کے

علامتی معنوں کے اعتبار سے فرما رہے ہیں کہ آپ کے دل و روح میں محبتِ الہی اور محبتِ رسول کے سوا اور کچھ نہیں۔

ان امثال سے یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ آپ حضرت گریبان کے لفظ کو علامت کے طور پر اختیار فرما رہے

ہیں تو پھر حضرت حسینؑ کو ان علامتی معنوں سے کیوں محروم رکھا جائے اور کیوں نہ ان کو دیگر روحانی شخصیتوں کی

طرح سے حضرت اقدس کا محبوب سمجھا جائے۔

یہ بات بھی پھر سُن لینی چاہیے کہ حضرت اقدس۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری تجلی اور وارثِ رسول

اللہ ہیں۔ اس نسبت سے اُن کو حضرت فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ سے ویسی ہی محبت ہے جیسی کہ آپ کے آقا اور

محبوب کو تھی۔ اس محبت کے اظہار میں فرماتے ہیں۔

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است

خاکم ثنا کو چہ آل محمدؐ است

میری جان و دل محمدؐ کے جمال پر فدا ہیں۔ اور میری خاک آل محمدؐ کے کوچے پر قربان ہے۔

اور پھر ایک نادرا اندازِ بیان میں اور نہایت درجہ محبت سے فرماتے ہیں۔

ہر کسے اندر نمازِ خود دعائے مے کند من دعا ہائے بر و بار تو اے باغِ بہار

ہر شخص اپنی نماز میں (اپنے لیے) دعا کرتا ہے مگر میں اے میرے آقا تیری آل و اولاد کے لیے دعا مانگتا ہوں

یا نبی اللہ فدائے ہر سر موائے تو ام وقفِ راہ تو کم گرجاں دہندم صد ہزار

اے نبی اللہ میں تیرے بال بال پر فدا ہوں اگر مجھے ایک لاکھ جانیں بھی ملیں تو تیری راہ میں سب کو قربان کر دوں

آخر پر یہ گزارش ہے کہ ہم نے اس شعر کا تجزیہ ادبی اور اسالیب کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت اقدس نے ملفوظات جلد چہارم صفحہ 63 میں اس شعر کا علمی تجزیہ فرمایا ہے اس فرمان کو بھی پڑھ لینا ضروری ہے۔

اس مضمون میں ادبی علامت ”جیب“ کی سند بعد میں آئی ہے اس لیے بعد میں پیش کی جا رہی ہے۔

فارسی اور اردو زبان میں ”جیب“ کا لفظ بھی گریبان کے معنوں میں مستعمل ہے۔ حضرت اقدس کا شعر بیان

ہو چکا ہے:

غیر از تو کہ سر زدے ز چہیم
در بُرجِ دلم نما ند دیا ر

ترجمہ: تیرے سوا اور کون میرے گریباں میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اور کوئی
بسنے والا ہی نہیں۔

جو سنا بعد میں آئی ہے وہ غالب کی ہے۔

کہتا ہے:

چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہئے

مشاہدہ کر لیں کہ ”جیب“ سے مراد گریبان ہی ہے جس سے مراد دل اور اس کی تمنائیں ہیں۔ اور غالب
کے کہنے کے مطابق اُن کا اظہار موسم بہار ہی میں ہونا چاہیے۔



حضرت اقدس کا کلام ایک منفرد مکتبِ ادب ہے

گذشتہ میں بہت دفعہ کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا شعری خزانہ ایک جداگانہ اور منفرد مکتبِ شعر ہے یہ وہی مکتبِ ادب ہے جو حضرت داؤد کے مزامیر اور حضرت سلیمان کی غزل الغزلات کی صورت میں سفر کرتے ہوئے ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے موضوعات کے اتباع میں ہمارے پیارے مہدی آخر زمان اور مسیح دوراں تک پہنچا ہے۔

ان تمام مکاتیب ادب میں جو وجہ اشتراک اور یکجہتی ہے وہ منشاء باری تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کو تعلیم دینا اور ان کے دلوں میں محبتِ الہی کو زندہ کرنا ہے یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ایک دائرے کی طرح سے تمام مرسلین باری تعالیٰ کا کلام طواف کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت کے اشعار کے محاسن پیش کرنے سے قبل ہم نے ادب مرسلین کے محرکات تخلیق ادب اور ترجیحات قلبی کو متعدد اقدار ادبی کے موضوعات کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ایسا ہو کہ اس مکتب شعر و ادب کی منفرد نوعیت کا شعور حاصل ہو جائے اور مرسلین کرام کے کلام کے محاسن کو اپنے دل و جان میں قبول کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے مگر حضرت اقدس کے فرمان کے مطابق اس شعور اور صلاحیت کا پیدا ہونا اسی کو نصیب ہے جو ”سعید“ ہو اور جس کی ”فطرت نیک“ ہو جیسے فرمایا:

لوائے ما پند ہر سعید خواهد بود ندائے فتح نمایاں بنا ما باشد
ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ گاہ ہوگا اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا
اور اردو میں فرماتے ہیں:

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج

جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

اور فارسی میں نہایت درجہ خوبصورتی سے فرماتے ہیں:

فروغِ نورِ عشقِ اوز بامِ وقصرِ ماروشن

مگر بیند کسے آل را کہ میدارد بصیرت را

اس کے نورِ عشق کی تجلی سے ہمارے بامِ وقصر روشن ہیں لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو۔

ان اشعار میں ”لوا“ ”ندا“ اور ”آواز“ دراصل حضرت اقدس کا کلام ہے مگر اس کو دل و جان سے قبول

کرنے کے لیے محبتِ الہی کی سعادت اور نیک بختی اور بصیرت ضروری ہے۔

اصنافِ شعر میں ان کی ہیئت کے اعتبار سے غزل کی صنف ایسی ہے کہ وہ اپنے مواد میں محبوب کے حسن و جمال اور اس کی محبت کے بیان میں محدود ہے اس لیے موادِ ادب کے تناظر میں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت اقدس کا کلام محبوبِ حقیقی کے عشق کی ایک ایسی داستان ہے جو اصنافِ شعر کو تبدیل کرتی رہتی ہے مگر اپنے مواد اور ترجیحاتِ قلبی کے اعتبار سے مستقل الحال اور قال ہے تو بالکل درست ہوگا۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔

عاشق زار در ہمہ گفتار سخن خود کشد بجانب یار

عاشق زار اپنی تمام گفتار کا رُخ محبوب کی طرف موڑ لیتا ہے

یہ وہ شرائط اور لوازم ہیں جن کا اثبات اس منفرد ادبِ عالیہ کے حقیقی فہم اور ادراک کے لیے ضروری ہے حضرت اقدس کے شعری کلام کو ان کے موضوعات کے تحت پیش کرنے سے قبل ان گذارشات کا پیش کرنا ضروری تھا۔ خواہ ان کی تکرار ہی کیوں نہ ہو

ایک اور بات جس کا ابتدا میں ضمناً ذکر ہوا ہے قدرے تفصیل طلب ہے۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ ادبِ مرسلین میں ”محبتِ الہی“ کا موضوع ایک مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد ان صاحبِ اکرام ہستیوں کے کلام کے تمام موضوعات طواف کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ایسی نہیں کہ دیدہ ورمحبانِ الہی سے پوشیدہ ہو۔ کیونکہ آپ کے کلام میں جس قدر عنوانات آتے ہیں ان کا بیان دراصل اُس محبوبِ حقیقی کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ حضرت کے کلام کی اس خصوصیت کو ایک مثال کے ساتھ پیش کریں

حضرت اقدس کے کلام کی ایک مخصوص اور دلبرانہ ادایہ ہے کہ آپ (ایک ہی نظم یا غزل میں) حمد و ثنا سے عشقِ رسول اور عشقِ رسول سے عشقِ قرآن اور پھر صداقتِ اسلام اور مناجات کی طرف اور پھر اس ترتیب کے برعکس بھی اس خوبصورتی سے گریز کرتے ہیں کہ یہ سب مضامین باوجود باہم دگر مختلف ہونے کے ایک ہی نظم میں ایسے گھل مل جاتے ہیں کہ جیسے رنگا رنگ پھولوں کو اس طور سے ترتیب دیا جائے کہ ان کا انفرادی حُسن بھی قائم رہتا ہو اور اجتماعی حُسن بھی ایک گلدستے کے طور پر اپنا حُسن و جمال دکھا رہا ہو۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ سب مضامین محبتِ الہی کے اظہار کی تجلیات ہیں

آپ حضرت کے کلام کی یہ دلفریب ادائیتوں زبانوں میں عیاں ہے مگر کیونکہ آپ حضرت کے کلام کی اوّل مخاطب اردو زبان بولنے والی قوم ہے اس لیے آپ کی ایک اردو نظم کی مثال پیش کرتے ہیں۔

آپ حضرت کی ایک نظم ”شانِ اسلام“ کے عنوان سے درمیان میں درج ہے۔ آپ اس عنوان کے تحت اوّل

قدم پر دین اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور بہت نرمی اور درد سے فرماتے ہیں۔

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدٰی یہی ہے

اے سونے والو جاگو! شمسِ الضحٰی یہی ہے

مجھ کو قسمِ خدا کی جس نے ہمیں بنایا

اب آسمان کے نیچے دینِ خُدا یہی ہے

سب دیں ہیں اک فسانہِ شرکوں کا آشیانہ

اُس کا ہے جو یگانہ چہرہ نما یہی ہے

سو سو نشان دکھا کر لاتا ہے وہ بُلا کر

مجھ کو جو اُس نے بھیجا بس مُدعا یہی ہے

اسی تسلسل میں دیگر ادیان پر اسلام کی برتری کو بیان کرتے ہوئے اسلام کی کتاب یعنی قرآن کریم کی یاد

آجاتی ہے تو نعتِ قرآن کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ اور کتنی محبت سے فرماتے ہیں۔

شکرِ خُداے رحماں! جس نے دیا ہے قرآن

غنجے تھے سارے پہلے اب گُل کھلا یہی ہے

کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اس کا گہنا

دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں

قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

قرآن کریم کی یاد کیساتھ ہی اُس پیاری ہستی جس پر ہم سب کے ماں باپ فدا ہوں کی محبت زندہ ہو جاتی ہے

تو بہت ہی پیاری اور بے مثل نعتِ رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُورِ سارا

نام اُس کا ہے محمدؐ دلبرِ مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیغمبر اک دوسرے سے بہتر

لیک از خُداے برتر خیرالوری یہی ہے

وہ یارِ لامکانی، وہ دلبرِ نہانی

دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہ نما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلین ہے
 وہ طیبِ و امین ہے اُس کی ثناء یہی ہے
 اور پھر اپنے اصل موضوع یعنی محبوبِ حقیقی کی محبت کا جوشِ دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی جناب سے یہ
 احساناتِ انسان پر کیے گئے اور جو حقیقی طور ہے ان تمام موضوعات کا۔ فرماتے ہیں۔

اے میرے ربِّ رحمتِ تیرے ہی ہیں یہ احساں
 مشکل ہو تجھ سے آساں ہر دمِ رجا یہی ہے
 جلد آ مرے سہارے غم کے ہیں بوجھِ ہمارے
 منہ مت چھپا پیارے میری دوا یہی ہے
 ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر
 جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے
 مُشتِ غبارِ اپنا تیرے لیے اڑایا
 جب سے سنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے

اس عشق میں مصائبِ سوسو ہیں ہر قدم میں
 پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے
 حرفِ وفانہ چھوڑوں۔ اس عہد کو نہ توڑوں
 اس دلبرے ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

حضرت اقدس کے کلام کی یہ ادائے خاص آپ کے تینوں زبانوں کے اشعار میں آشکار ہے۔
 اب جبکہ ہم آپ حضرت کے تمام شعری کلام کا ایک مختصر تعارف کروانا چاہتے ہیں تو شعر کی ہیئت کے اعتبار
 سے آپ کی اس دلربا کیفیت کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہوگا۔
 فنی اعتبار سے شعر میں ہیئت کو قائم رکھنا مشرقی ادب میں ہی نہیں بلکہ تمام انسانی ادب میں ایک لازمہ ہے اصطلاحی
 اعتبار سے اس کے ایک معانی یہ بھی ہیں کہ اظہارِ بیانیہ کی خارجی صورت کی نوعیت کو قائم رکھا جائے یہ تو معلوم عام ہے کہ
 مثنوی غزل۔ قطعہ اور نظم کی ایک خارجی صورت ہے جس کے ذریعہ سے وہ ایک دوسرے سے میسر ہوتے ہیں۔
 مگر یہاں تک ”ہیئت“ شعر کی خارجی صورت کو متعین کرتی ہے (یعنی شعر کا وزن۔ قافیہ۔ ردیف اور دیگر لوازمِ شعر)
 مگر خارجی ہیئت کی اہمیت کے ساتھ ادبی فن پارہ ایک داخلی ہیئت بھی رکھتا ہے اس کا تعلق ادب کے مواد اور
 ادیب کے مطمح نظر سے ہوتا ہے۔ اس داخلی ہیئت کو بھی اساتذہ انتقاد نے کم مرتبہ نہیں دیا بلکہ شعر کے حسن و خوبی کا

جائزہ لینے کے لیے ان دونوں اقدار ادب کو اہم قرار دیا ہے۔

حضرت اقدس نے خارجی ہیئت کے قیام میں بہت احتیاط برتی ہے اور وزن قافیہ اور ردیف کا بتا کید التزام کیا ہے۔ مگر داخلی ہیئت یعنی مواد ادب میں اصناف شعر کے مطابق اپنے کلام کو محدود اور مقید نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت کے کلام کا مواد ایک ہی ہے اور وہ محبت الہی ہے جو مختلف اصناف شعر میں صادر ہوا ہے مگر اصناف شعر کے مخصوص موضوعات شعر کو آپ حضرت نے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ یعنی یہ کہ اصناف شعر میں غزل ہو یا مثنوی اور قطعات کی ہیئت مگر مواد کو محبت الہی کے دائرے میں محدود رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام کلام میں موضوعات شعری کی ایسی تعیین نہیں ہے کہ اگر ابتدا احمد و ثناء یا نعت رسول سے ہوئی ہے تو دیگر روحانی اور دینی موضوعات کا ذکر نہ ہو۔ حضرت اقدس تمام روحانی موضوعات کا محور اور نقطہ مرکزی محبت الہی میں سمجھتے ہیں۔ اس لیے آپ کے کلام میں فیہی احتیاط نہیں کہ نظم یا غزل ایک ہی موضوع میں مقید ہو۔ آپ کا کلام خواہ غزل کی صنف میں ہو یا مثنوی کی۔ اس کا مواد اور موضوع ایک ہی ہے اور وہ محبت الہی کا بیان ہے جو مختلف تجلیات الہیہ کے اظہار میں ظاہر ہوتا ہے۔

اگر تکرار نہ ہو تو عرض کروں کہ آپ حضرت کے کلام کی یہ خاص ادا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے اتباع نے پیدا کی ہے جہاں پر باری تعالیٰ نے تمام انبیاء کے کلام اور تعلیم کے فہم و ادراک کو حاصل کرنے کے لیے یہ شرط قائم کر دی ہے کہ اس کے حصول کے لیے محبت الہی کا دل میں ہونا ایک لازم شرط ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ... الى الآخر (ال عمران: 32)

آپ حضرت اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

”اِن کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے قلب میں محبت الہی کو انبیاء کے عرفان اور تعلیم کو سمجھنے کے لیے شرط کے طور پر قائم فرمایا ہے۔

آپ حضرت کے اسلوب بیان کا ایک نمونہ اردو زبان میں دیا جا چکا ہے۔ ایک نمونہ فارسی مثنوی کا بھی دیکھ لیں ان اشعار کی مناجات سے ابتدا ہے فرماتے ہیں:

اے خدا اے چارہ آزارِ ما اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
اے خدا۔ اے ہمارے دکھوں کی دوا۔ اے ہماری گریہ وزاری کا علاج

اے تو مرہم بخش جانِ ریشِ ما اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما
تو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے۔ تو ہمارے غمزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے
اور اس تسلسل بیان میں ایک عظیم الشان نعتِ رسول بیان کرتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

آں شہ عالم کہ نامش مصطفیٰ سید عشاقِ حق شمسِ الضحیٰ
وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفیٰ ہے۔ جو عشاقِ حق کا سردار اور شمسِ الضحیٰ ہے
آنکہ ہر نورے طفیلِ نورِ اوست آنکہ منظورِ خدا منظورِ اوست
وہ وہ ہے کہ ہر نورِ اسی کے طفیل سے ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے
اور پھر عاشقانِ الہی کی صفات بیان ہونے لگتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

عاشقان در عظمتِ مولیٰ فنا غرقہ دریاے توحید از وفا
عاشقِ مولیٰ کی عظمت میں فنا ہیں۔ اور وفاداری کی وجہ سے دریاے توحید میں غرق ہیں
کین و مہرِ شاہ ہمہ بہرِ خداست قہرِ شاہ گر ہست آں قہرِ خداست
ان کی دشمنی اور دوستی سب خدا کے لیے ہے۔ اگر ان کو غصہ بھی آتا ہے تو وہ خدا ہی کا غصہ ہے
آنکہ در عشقِ احدِ محو و فناست ہرچہ زو آید ز ذاتِ کبریاست
جو خدا کے عشق میں فانی اور محو ہے۔ جو کچھ بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے وہ ذاتِ کبریا ہی کی طرف سے ہے
اور آخر پر دینِ اسلام کی عظمت کو بیان کرتے ہیں۔

دینِ حق شہرِ خدائے امجد است داخلِ او در امانِ ایزداست
دینِ حق تو خدائے بزرگ و برتر کا شہر ہے۔ جو اس میں داخل ہو گیا وہ خدا کی امان میں آ گیا
در دے نیک و خوش اسلوبے کند ہچو خود زیبا و محبوبے کند
وہ تو ایک دم میں نیک اور خوشحال کر دیتا ہے۔ اور اپنی طرح کا حسین اور محبوب بنا دیتا ہے
ایک نمونہ عربی زبان میں بھی دیکھ لیں۔

ابتدا حمدِ باری تعالیٰ سے فرماتے ہیں۔

يَا مَنْ أَحَاطَ الْخَلْقَ بِأَلَاةٍ نُنْسِيْ عَلَيْكَ وَ لَيْسَ حَوْلَ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے (اپنی) نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تعریف کی طاقت نہیں ہے۔

أَنْظُرُ إِلَى بَرَحْمَةٍ وَعَطُوفَةٍ يَا كَاشِفَ الْعَمَاءِ
 مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر، اے میری پناہ! اے حزن و کرب کو دور فرمانے والے!
 أَنْتَ الْمَلَأْدُ وَأَنْتَ كَهْفُ نُفُوسِنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْدَ فَنَاءِ
 تو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہ گاہ ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی۔
 اور کیونکہ آپ کی حمد و ثناء درحقیقت محبتِ الہی کا اظہار ہے اس لیے کلامِ کارخ اس محور کی طرف موڑ لیتے ہیں۔
 فرماتے ہیں۔

غَلَبْتُ عَلَى قَلْبِي مَحَبَّةً وَجَهَةً حَتَّى رَمَيْتُ النَّفْسَ بِالْإِلْعَاءِ
 میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آگئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات کو باطل اور کا اعدام بنا کر پھینک دیا۔
 وَ أَرَى الْوَدَادَ أَنْزَلَ بَاطِنَ بَاطِنِي وَ أَرَى التَّعَشُّقَ لَاحَ فِي سَيْمَانِي
 میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کے باطن کو مٹا کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔
 مَا بَقِيَ فِي قَلْبِي سِوَاهُ تَصَوُّرٍ غَمَرَتْ أَيَادِي اللَّهِ وَجَهَ رَجَائِي
 میرے دل میں اس کے سوا کوئی تصویر باقی نہیں رہا۔ خدا تعالیٰ کے احسانات نے میری خواہشوں کے مزہ کو ڈھانپ لیا ہے۔
 هُوَ جَاءَ أَلْفَتِهِ أَثَارَتْ حُرَّتِي فَفَدَا جَنَانِي صَوْلَةَ الْهُوجَاءِ
 اس کی الفت کی تیز ہواؤں نے میری خاک اڑا دی پس میرا دل ان ہواؤں کی شہرت پر قربان ہو گیا۔
 محبوبِ حقیقی کی محبت کے بیان کے ساتھ ہی اس محبوب کی یاد آ جاتی ہے جس کی برکت اور دم قدم سے انسان
 کو محبتِ الہی نصیب ہوئی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
 فرماتے ہیں:

يَا بَدْرَ نُورِ اللَّهِ وَالْعِرْفَانَ تَهْوِي إِلَيْكَ قُلُوبُ أَهْلِ صَفَاءِ
 اے اللہ تعالیٰ کے نور و عرفان کے بدرِ کامل! اہل صفا کے دل تیری طرف ٹوٹے پڑتے ہیں۔
 يَا شَمْسَنَا يَا مَبْدَأَ الْأَنْوَارِ نَوَّرَتْ وَجْهَ الْمُدْنِ وَالْبِيْدَاءِ
 اے ہمارے آفتاب اور اے منبع الانوار! تو نے شہروں اور ویرانوں کے چہرے منور کر دیئے۔
 إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِكَ الْمُنْهَلِلِ شَانَا يَفُوقُ شَيْوْنَ وَجْهِ ذُكَاةِ
 میں تیرے دیکھتے ہوئے چہرے میں ایسی شان دیکھتا ہوں جو آفتاب کے چہرے کی شانوں سے بڑھ کر ہے۔

مَا جِئْتَنَا فِي غَيْرِ وَقْتِ ضَرُورَةٍ قَدْ جِئْتَ مِثْلَ الْمُزْنِ فِي الرَّمْضَاءِ

تو ہمارے پاس بے وقت اور بے ضرورت نہیں آیا تو ایسے آیا ہے جیسے شدید گرما میں بارش آجائے۔

اِنِّي رَأَيْتُ الْوَجْهَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ وَجْهَ كَبْدِرِ السَّيْلَةِ الْبَلْمَاءِ

میں نے وہ چہرہ دیکھا ہے جو محمد کا چہرہ ہے۔ ایسا چہرہ جیسا چودھویں رات کا چاند ہو۔

شَمْسُ الْهُدَى طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَكَّةَ عَيْنُ السَّنَدَا نَبَعَتْ لَنَا بِحِرَاءِ

ہدایت کا آفتاب ہمارے لئے مکہ سے طلوع ہوا۔ بخششوں کا چشمہ ہمارے لئے حراء سے پھوٹ پڑا۔

اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں یعنی صحابہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

وَأَهْلًا لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ وَجُنْدِهِ حَفَدُوا إِلَيْهِ بِشِدَّةٍ وَرَخَاءِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور لشکروں پر آفرین ہو جو دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی آپ کی

خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔

عُمِسُوا بِبَرَكَاتِ النَّبِيِّ وَفِيضِهِ فِي النُّورِ بَعْدَ تَمَزُّقِ الْأَهْوَاءِ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات اور فیض سے خواہشاتِ نفسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد نور

میں ڈوب گئے۔

اور آخر پر آدابِ حمد و ثناء کی پاسداری میں اپنے خدا کی جناب میں عرضداشت پیش کرتے ہیں۔

إِنَّ الْمُقْرَبَ لَا يُضَاعُ بِفِتْنَةٍ وَالْأَجْرَ يُكْتَبُ عِنْدَ كُلِّ بَلَاءٍ

مقرب آزمائش سے ضائع نہیں کیا جاتا اور ہر بلا کے وقت اس کا اجر لکھا جاتا ہے۔

يَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا بِكَرَامَةٍ يَا مَنْ يَرَى قَلْبِي وَ لُبَّ لِحَائِي

اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان باعزت فیصلہ فرما۔ اے وہ ذات جو میرے دل کو میرے

ظاہر کی اندرونی حقیقت کو دیکھ رہی ہے۔

يَا مَنْ أَرَى أَبْوَابَهُ مَفْتُوحَةً لِّلْسَائِلِينَ فَلَا تَرُدُّ دُعَائِي

اے وہ ذات! جس کے دروازے میں سائلوں کے لئے کھلے دیکھتا ہوں۔ میری دعا کو رد نہ فرما۔

آپ کے کلام سے محبت رکھنے والوں کے لیے آپ کے ادب کا منفرد مکتب ادب نام کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم نے چند مثالیں پیش کر کے یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے کلام کی ترجیحات قلبی اور مقاصد تخلیق دنیوی ادب سے مختلف ہی نہیں بلکہ برعکس ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو آپ کے ادب کو ایک منفرد اور

ممتاز کتب بناتی ہے۔

آپ حضرت کے اسلوب کے تعارف کے بعد ہم آپ کے اختیار فرمودہ موضوعات کے مطابق آپ کا کلام پیش کرتے ہیں۔



حمد و ثناء باری تعالیٰ

باری تعالیٰ جلّ شانہ کی ایسی لایدرک الابصار اور ورائہ الوریٰ عظمت اور شان ہے کہ اس کی جناب سے آنے والے انبیاء اور مرسلین بھی اس کو بیان کرنے کا یہی طریق اختیار کرتے ہیں کہ جو اس عالی جناب نے اپنی شان میں کہا ہے اس کی وہی حقیقی شان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی حقیقی عظمت کو جانتا ہے اور انسان کو یہ عرفان اس کی استعداد کے مطابق دیا جاتا ہے اور یہ عرفان اسی میں محقق ہوتا ہے جو عاشق الہی ہو بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ ثنائے باری تعالیٰ کا سب سے بڑا محرک اور محرّج محبت الہی ہی ہے جس کو اللہ نے ایک شرط کے طور پر قائم کیا ہے۔
فرمایا:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ... الى الآخر (ال عمران: 32)

حضرت اقدس اس فرمان الہی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو

تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ بخشندہ اور رحیم ہے“

(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

”روحانیت کی نشوونما اور زندگی کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ وہ

اتباع رسول ہے..... قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو وہ یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو اَشَدُّ حُبًّا

لِلّٰهِ (البقرہ: 166) کے مصداق ہو اور فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران: 32) پر

عمل کرو اور ایسی فناء تم پر آ جائے کہ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (المزمل: 9) کے رنگ سے تم

رنگین ہو جاؤ۔ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کر لو۔“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت ال عمران: 32)

قرب الہی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے باری تعالیٰ کی عظمت و شان کا حقیقی مشاہدہ کرنے والے انبیاء علیہ السلام ہی ہوتے ہیں اور زمرہ انبیاء میں قرب الہی میں سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہمارے پیارے آقا اور مطاع پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کے سردار ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرفان کو سب سے اول بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

”لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِكَ“

(مسلم کتاب الصلاة باب مايقول في الركوع و السجود)

(اے اللہ) میں تیری ثناء کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تیری ثناء وہی ہے جو تو نے خود کی ہے۔

آپ صلعم کے نائب اور مہدی آخر زمان نے بھی آپ ہی سے تعلیم پا کر وہی بات کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار

اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

عربی میں فرماتے ہیں۔

يَا مَنْ أَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْأَلَاءِ نُنْسِيْ عَلَيْكَ وَ لَيْسَ حَوْلَ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں

لیکن تعریف کی طاقت نہیں پاتے۔

اسی کی وجہ سے خدا کی حمد کے لیے خدا تعالیٰ سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔

بِكِ الْحَوْلِ يَا قِيَوْمُ يَا مَنِّعَ الْهُدَى فَوْقَ لِيْ أَنْ أَثْنِيْ عَلَيْكَ وَ أَحْمَدَا

اے قیوم! اے سرچشمہ ہدایت! تجھ ہی سے طاقت ملتی ہے۔ پس مجھے توفیق دے کہ میں تیری ثنا کروں اور حمد کروں

ان فرمودات کے بعد یہ امر تو ثابت ہے کہ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے مضمون میں کچھ بیان کرنا اس کو زیب دیتا

ہے جو محبوب الہی ہو اور جس کو دیدار اور گفتار باری تعالیٰ نصیب ہوا ہو۔

جیسے فرماتے ہیں۔

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی

حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

ان گذارشات کی روشنی میں ہم یہ جائزہ لیں گے کہ حمد و ثناء کے معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا

راہنمائی فرمائی ہے۔

اول قدم پر آپ حضرت نے الحمد للہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”اللہ“ خدا تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور

یہ اسمِ اعظم ہے اور وہ موصوف ہے اپنی اُن تمام صفات کا جو اس نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں۔
فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء و صفات
کا موصوف ٹھہرایا ہے“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

حضرت اقدس لفظ ”حمد“ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وما تعلم ما الحمد و التحمید و لم اعلى مقامه الرب الوحید. و كفى لك من
عظمتہ ان الله ابتداء به كتابه الكريم. لیبين للناس عظمة الحمد و مقامه العظيم.
وانه لا يفسور من قلب الا بعد الهويّة و الذوبان. ولا يتحقق الا بعد الانسلاخ و
دوس اهواء النفس الثعبان. ولا يجرى على لسان الا بعد اضطرام نار المحبة
فى الجنان. بل لا يتحقق الا بعد زوال اثر الغير من الموهوم و الموجود. ولا
يتولد الا بعد الاحتراق فى نار محبة المعبود.

اور تجھے کیا خبر ہے کہ حمد کہتے کس کو ہیں اور کیوں اس کا بلند پایہ ہے۔ اور اُس کی عظمت سمجھنے
کے لئے تجھے یہ کافی ہے کہ خدا نے قرآن شریف کی تعلیم کو حمد سے ہی شروع کیا ہے تا لوگوں کو حمد
کے مقام کی بلندی سمجھاوے جو کسی دل میں سے بجز گدازش اور محویت کے جوش نہیں مار سکتی۔
اور اُسی وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ ما نفسِ امارہ کچلا جائے۔ اور نفسانی چولہا تار لیا جائے۔ اور
یہ حمد کسی زبان پر جاری نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ پہلے دل میں محبت کی آگ بھڑکے۔ بلکہ یہ
وجود پذیر یہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر کا نام و نشان بکلی زائل نہ ہو جائے اور پیدا نہیں ہو سکتی
جب تک کہ ایک شخص آتشِ محبتِ معبودِ حقیقی میں جل نہ جائے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 12، ر۔خ جلد 14)

حمد کی تعریف کے بعد حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ حمد و ثناء باری تعالیٰ میں سب سے اعلیٰ منصب ہمارے آقا
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کیونکہ
فرماتے ہیں:

و ضمخه بعطر نعمه ازید مما ضمخ احدا من الانبياء و علمه من لدنه و فہمہ من
لدنه و عرفہ من لدنه و طہرہ من لدنه و ادبہ من لدنه و غسلہ من لدنه بماء

الاصطفاء . فوجب عليه حمد هذا الرب الذى كفل كل امره بالاستيفاء . ادخله تحت رداء الايواء . و اصلح كل شأنه بنفسه من غيره منة الاساتذ الأباء و الامراء . و اتسم عليه من لدنه جميع انواع الألاء و النعماء فحمده روح النبى بحمد لا يبلغ فكر الى اسراره . و لاتدرک ناظره حدود انواره . و بالغ فى الحمد حتى غاب و فنا فى اذكاره .

اور خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے عطر سے اسقدر آنجناب کو معطر کیا کہ اس سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں کیا گیا۔ خدا نے اپنے پاس سے آپ کو علم دیا اور اپنے پاس سے فہم عطا کیا۔ اور اپنے پاس سے معرفت بخشی۔ اور اپنے پاس سے پاک کیا۔ اور اپنے پاس سے ادب سکھایا اور برگزیدگی کے پانی سے اپنے پاس سے نہلایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس خدا کی تعریف کرنا واجب ہو گیا جو اس کے ہر ایک کام کا آپ متکفل ہو۔ اور اپنی پناہ کی چادر کے نیچے جگہ دی۔ اور ہر ایک کام آنحضرتؐ کا اپنی توجہ خاص سے بغیر توسط استادوں اور باپوں اور امیروں کے بنایا۔ اور اپنے پاس سے اُس پر ہر ایک قسم کی نعمت پوری کی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے خدائے تعالیٰ کی وہ تعریف کی جو کوئی فکر اُس کے بھیدوں تک نہیں پہنچ سکتا اور کوئی آنکھ اُس کے نوروں کی حدود کو پا نہیں سکتی۔ اور اس نے خدا کی تعریف کو کمال تک پہنچایا یہاں تک کہ اُس کے ذکروں میں گم اور فنا ہو گیا۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 4، 5، ر۔ خ جلد 14)

ان عنایات بے پایاں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وہ بے مثال تعریف کی کہ کسی اور کو نصیب نہیں۔

فرماتے ہیں:

ففار قلبه لتحميد هذا المحسن حتى صار الحمد عين مراده . و هذه مرتبة ما اعطاها الله لغيره من الرسل و الانبياء و الابدال و الاولياء . فانهم وجدوا بعض معارفهم و علومهم و نعمهم بوساطة العلماء و الأباء و المحسنين و ذوى الألاء . و اما نبينا صلى الله عليه وسلم فوجد كل ما وجد من حضرة الكبرياء .

پس اُس محسن کی تعریف کے لئے اُس کے دل نے جوش مارا اور خدا تعالیٰ کی تعریف اُس کی

دلی مراد ہوگئی۔ اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز اُس کے کسی کو رسولوں اور نبیوں اور ابدالوں اور ولیوں میں سے عطا نہیں ہوا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنے بعض معارف اور علوم اور نعمتیں بتوسط عالموں اور باپوں اور احسان کرنے والوں کے پائی تھیں۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پایا جناب الہی سے پایا۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 6، ر۔خ جلد 14)

اس عظیم الشان حمد و ثناء باری تعالیٰ کے بعد ایک علوی نکتہ معرفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تعریفوں کو انعام کے طور پر واپس کر دیتا ہے اور حامد کو محمود بنا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

و كذالك جرت سنته بكل صديق وحيد. فحمد محمدنا في الارض
و السماء بامر رب مجيد. و في هذا تذكرة للعابدين. و بشرى لقوم
حامدين. فان الله يرذّ الحمد الى الحامد و يجعله من المحمودين. فيحمد
في العالمين.

اور تمام یگانہ صدیقیوں سے اُس کی یہی عادت ہے کہ وہ حامد کو محمود بنا دیتا ہے۔ پس ہمارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان میں تعریف کیا گیا اور اس قصے میں پرستاروں کے لئے یاد رکھنے کی بات ہے۔ اور خدا کے شاخو انوں کو اس میں بشارت ہے۔ کیونکہ خدا تعریف کرنے والے کی تعریف کو اسی طرف ردّ کر دیتا ہے۔ اور اُسکو قابل تعریف ٹھیرا دیتا ہے۔ پس وہ دنیا میں تعریف کیا جاتا ہے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 8، ر۔خ جلد 14)

اور پھر فرماتے ہیں وہی ہے جس کو اول احمد کے نام سے پکارا جاتا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کی عظیم الشان تعریف کی ہوتی ہے اور اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اسکو محمد کا نام دیتا ہے تاکہ اس کی تعریف ہو۔ فرماتے ہیں:

و هو الذي يدعى في السماء باسم احمد و يقرب و يدخل في بيت العزة و
قصر الدار. و هي دار العظمة و الجلال يقال استعارة ان الله بناها لذاته
القهار. ثم يعطيه لحمداد وجهه فيكون له كالبيت المستعار. فيحمد هذا
الرجل في السماء و الارض بامر الله الغفار. و يدعى باسم محمد في
الافلاك و البلاد و الديار. و معناه انه حمد حمدا كثيرا و اتفق عليه الاخير
من غير الانكار. و ان هذين الاسمين قد وُضعا لنبينا من يوم بناء هذه الدار.

اور وہی شخص ہے جس کو آسمان میں احمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور قریب کیا جاتا ہے اور عزت کے گھر اور قصارۃ الدار میں داخل کیا جاتا ہے اور وہ عظمت اور جلال کا گھر ہے جو بطور استعارۃ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اس کو اپنی ذات کیلئے بنایا پھر اس گھر کو بطور مستعار اُس کو دے دیتا ہے جو اُس کی ذات کا ثنا خوان ہو۔ پس یہ شخص زمین و آسمان میں خدا تعالیٰ کے حکم کے ساتھ تعریف کیا جاتا ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں محمد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ بہت تعریف کیا گیا۔ اور یہ دونوں اسم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابتدا دینا سے وضع کئے گئے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 13، 14، ر۔ خ جلد 14)

اور آخر پر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے بعد حمد و ثناء باری تعالیٰ کی قبولیت کا یہ منصب اس کو بھی دیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور اظلال ہو۔ فرماتے ہیں:

ثم يعطيان للذی صار له كالأظلال و الأثار. و من أعطى من هذین الاسمین بقبس فقد انیر قلبه بانواع الانوار. و قد جرى علی شفیتی الرسول المختار. ان اللہ یرزق منہما عبدًا له فی اخر الزمان کما جاء فی الاخبار. فافرق و اثم فکروا یا اولی الابصار.

پھر بعد اس کے اس شخص کو بطور مستعار دیے جاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور اظلال و آثار ہو۔ اور جس شخص کو ان دونوں ناموں سے ایک چنگاری دی گئی تو اس کا دل کئی قسم کے نوروں سے روشن کیا گیا۔ اور رسول مختار کے لب مبارک پر جاری ہوا تھا کہ خدا تعالیٰ آخری زمانہ میں ایک اپنے بندے میں یہ دونوں صفتیں جمع کر دیگا جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔ پس اے دانشمندو! ان حدیثوں کو پڑھو اور سوچو۔

(نجم الہدیٰ صفحہ 14، ر۔ خ جلد 14)

یہ وہی معرفت ہے جو حضرت اقدس نے سورۃ القصص کی ذیل کی آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے۔

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

(القصص: 71)

فَأَمَّا فِيهِ إِلَى أَحْمَدِينَ وَجَعَلَهُمَا مِنْ نِعْمَائِهِ الْكَاتِرَةِ . فَالْأَوَّلُ مِنْهُمَا أَحْمَدُ
الْمُصْطَفَى وَرَسُولُنَا الْمُجْتَبَى وَالثَّانِي أَحْمَدُ آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِي سُمِّيَ مَسِيحًا
وَ مَهْدِيًّا مِنَ اللَّهِ الْمَنَّانِ . وَ قَدْ اسْتَبْطِطَ هَذِهِ النُّكْتَةَ مِنْ قَوْلِهِ . الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ . فَلْيَتَدَبَّرْ مَنْ كَانَ مِنَ الْمُتَدَبِّرِينَ

(ترجمہ از مرتب) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احمدوں کا ذکر فرما کر ہر دو کو اپنی بے
پایاں نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے پہلے احمد تو ہمارے نبی احمد مصطفیٰ اور رسول مجتبیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا احمد آخر الزمان ہے جس کا نام محسن خدا کی طرف سے مسیح اور
مہدی بھی رکھا گیا ہے۔ یہ نکتہ میں نے خدا تعالیٰ کے قول الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے
اخذ کیا ہے۔ پس ہر غور و فکر کرنے والے کو غور کرنا چاہیے۔

(اعجاز المسیح، ر۔ خ جلد 18 صفحہ 139)

اس مضمون کی مزید وضاحت میں فرماتے ہیں:

فَحَاصِلُ هَذَا الْبَيَانِ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ أَحْمَدِينَ فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ وَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ .
وَ أَشَارَ إِلَيْهِمَا بِتَكَرُّرِ لَفْظِ الْحَمْدِ فِي أَوَّلِ الْفَاتِحَةِ وَ فِي آخِرِهَا لِأَهْلِ الْعِرْفَانِ
وَ فَعَلَ كَذَلِكَ لِيُرِدَّ عَلَى النَّصْرَانِيِّينَ . وَ أَنْزَلَ أَحْمَدِينَ مِنَ السَّمَاءِ لِيَكُونَا
كَالْحِجَارَيْنِ لِحِمَايَةِ الْأَوْلِيَيْنِ وَ الْآخِرِينَ .

(ترجمہ از مرتب) پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے ایک اسلام کے
ابتدائی زمانہ میں اور ایک آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لئے سورۃ فاتحہ کے
شروع میں اور اس کے آخر میں الحمد کا لفظاً و معنئاً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف
اشارہ فرمایا ہے اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لئے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان
سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لئے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔

(اعجاز المسیح، ر۔ خ جلد 18 صفحہ 198)

اس مضمون کو حضرت اقدسؑ نے ایک نہایت درجہ حسین اور جاں فزا نظم میں بیان کیا ہے۔ دونوں احمدوں کا
ذکر بھی ہے اور عیسائیوں سے خطاب بھی ہے کہ انہوں نے خدائے واحد کی عظمت و شان کو بھٹلا کر وہ منصب
ابن مریم کو دے دیا ہے فرماتے ہیں۔

زندگی بخش جام احمد ہے کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے

لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا سب سے بڑھ کر مقامِ احمد ہے
باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا میرا بُستاں کلامِ احمد ہے

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلامِ احمد ہے

مشاہدہ کریں کہ جامِ احمد میں کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی کبریائی کا آبِ زمزم ہی تو ہے۔

یہی وہ شمر ہے جو آپ نے اپنے آقا کے باغ سے نوش فرمایا اور اس کی برکت سے الہی عظمت و شان اور مدح و ثناء کو حضرت عیسیٰ سے چھین کر باری تعالیٰ کے قدموں میں ڈال دیا۔

اس طور سے آپ

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلامِ احمد ہے۔۔۔ بن گئے

حمد و ثناء کے عنوان میں حضرت اقدس کے الفاظ میں اس موضوع کی ”تعریف“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نائب اور وارث کا حمد باری تعالیٰ کی نسبت سے منصب بیان کرنے کے بعد ہم رسول اکرم کے فرمان لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ. أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَي نَفْسِكَ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان خدا تعالیٰ کی تمام عظمتوں اور صفاتِ حسنہ کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر جیسا کہ حضرت اقدس نے بیان فرمایا ہے کہ انسانوں میں جس کو سب سے اعلیٰ ثناء باری تعالیٰ کرنے کا افتخار ملا ہے وہ ہمارے مولیٰ و آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اس منصبِ علوی کے بیان میں فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَ حُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَيَّ أَحَدٌ قَبْلِي.

(بخاری کتاب التفسیر سورة بنی اسرائیل باب قوله ذرية من حملنا مع نوح)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے محامد اور ثناء کے معارف اس طور پر کھولے ہیں کہ مجھ سے قبل کسی اور شخص پر اس طرح نہیں کھولے گئے۔

باری تعالیٰ کی حمد کی نسبت آپ کا مقام سب سے اعلیٰ ہے مگر اس فرمان کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی بے حد و انتہاء عظمتوں کا عرفان رکھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ کسی انسان سے ان عظمتوں کا احاطہ

کر لینا ممکن نہیں۔ اسی عرفان ذاتِ باری تعالیٰ کے اظہار میں فرمایا:

لَا أُحْصِي تَنَاءً عَلَيْكَ. أَنْتَ كَمَا أَتَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِيكَ

(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما يقول فی الركوع و السجود)

اس فرمان کے اتباع میں اور رہنمائی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم ثناء باری تعالیٰ کے مضمون کو فرمودات قرآن اور ارشاد رسول اکرم (اور ان دونوں ماخذوں کی جو تعبیر و تفسیر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے) کے دائرے میں محدود رکھیں۔

در اصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نے جس ثناء کی طرف اشارہ کیا ہے وہ قرآن کریم میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے محامد ہیں۔

چنانچہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات میں بے انتہا اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی حمد و ثناء کس طور سے کی ہے

اؤل مقام پر حضرت اسم اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”اللہ جو خدائے تعالیٰ کا ایک ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفات کاملہ کا مستجمع ہے..... کہتے ہیں کہ اسم اعظم یہی ہے اور اس میں بڑی بڑی برکات ہیں۔“

(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

اور تفصیلاً فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ.

الحمد لله۔ تمام محامد اس ذاتِ معبودِ برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اُس ذاتِ کامل کا نام ہے جو معبودِ برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ اور تمام رذائل سے منزہ اور واحد لا شریک اور مبداء جمیع فیوض ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء و صفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رتبہ نہیں دیا۔ پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لیے اُس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے پس خلاصہ مطلب الحمد للہ کا یہ نکلا کہ تمام اقسامِ حمد کے کیا باعتبارِ ظاہر کے اور کیا باعتبارِ باطن کے اور کیا باعتبارِ ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبارِ قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں اور اُس میں کوئی دوسرا شریک نہیں!

(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

اس فرمان کی روشنی میں ”اللہ“ باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور قرآن میں جو دیگر صفات خداوندی بیان ہوئی ہیں وہ اسم اللہ ہی کی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اسم اللہ جو کہ اس کا اسم ذات اور اسم اعظم ہے دو ہزار سے زائد مرتبہ بیان ہوا ہے اور اگر ہم اسم ذات کے صفاتی اسماء باری تعالیٰ کا شمار کرنے لگیں تو وہ شمار میں اس قدر ہیں کہ یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کے اسماء علوی پر ہی مشتمل ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی اس آیت کو یہ فخر بھی ہے کہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مرتبہ مکمل الفاظ میں ارشاد کیا ہے۔ جیسے فرمایا

فَقُطِّعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام: 46)

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یونس: 11)

فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (المومن: 66)

وَسَلِّمْ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الصفات: 182-183)

بہت مختصر بات یہ ہوئی کہ قرآن کریم میں ثناء باری تعالیٰ اسم ذات اور اسماء صفات کے معانی اور عرفان پر مشتمل ہے ان مناقب باری تعالیٰ کا حقیقی اور جامع بیان تو سورۃ الفاتحہ میں ہوا ہے جس میں اسم ذات کے ساتھ اللہ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں جن کو حضرت اقدس نے ام الصفات قرار دیا ہے اور فرمایا کہ دیگر تمام صفات ان چار صفات کے ذیل میں آتی ہیں۔

فرماتے ہیں:

سورۃ فاتحہ میں اُس خدا کا نقشہ دکھایا گیا ہے جو قرآن شریف منوانا چاہتا ہے اور جس کو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے چنانچہ اُس کی چار صفات کو ترتیب وار بیان کیا ہے جو امہات الصفات کہلاتی ہیں جیسے سورۃ فاتحہ ام الکتاب ہے ویسے ہی جو صفات اللہ تعالیٰ کی اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بھی ام الصفات ہی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ مُلْكُ يَوْمِ الدِّينِ ان صفات اربعہ پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کا گویا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حضرت مسیح موعود کی قرآنی تفسیر و تعبیر کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بیان سے بھرا ہوا ہے بلکہ درحقیقت قرآن کا یہی موضوع ہے جو مختلف انداز میں بیان ہوا ہے کبھی اپنی صفات کی عظمت و شان کو ظاہر کر کے اور کبھی اپنی ذات کی عبادت کی تلقین فرما کر۔ جیسا کہ سورہ ہود میں فرمایا:

الرَّكِتَابِ أَحْكَمَتْ آيَتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ - أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا

اللَّهُ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ (هود: 2-3)

حضرت ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ

ایک عجیب بات سوال مقدر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ یعنی اس قدر تفصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّریات: 57)

ان ارشادات عالیہ کے اتباع میں ہم نہایت درجہ عاجزی سے عرض کرتے ہیں کہ گو قرآن کریم ذات باری تعالیٰ کے بیان سے مملو ہے مگر اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس مضمون کو اس طور سے ترتیب دیا ہے کہ اول ان قرآنی فرمودات کو بیان کیا جائے جہاں پر باری تعالیٰ نے عمومی اور اصولی طور پر اپنی تسبیح و تحمید کی ہے اور دوسرے مقام پر ان فرمودات کو پیش کیا جائے جہاں باری تعالیٰ نے اپنی ذات کی ثناء کی ہے اور تیسرے مقام پر ان فرمودات کو پیش کیا جائے جہاں باری تعالیٰ نے اپنی صفاتی عظمت کو بیان فرمایا ہے۔ اصولی ثناء باری تعالیٰ کے عنوان میں اول سورۃ بنی اسرائیل کی آیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ

بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (بنی اسرائیل: 45)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وہ خدا جس کا پتہ قرآن شریف بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آید کریمہ اَکَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى (الاعراف: 173) کے ہر ایک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کے لئے ہر ایک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔ اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر ایک چیز کا خالق ہے کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کے لئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ

بِحَمْدِهِ یعنی ہر ایک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے۔ اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے۔ ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لے گا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

اس مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت اقدس سورۃ الجمعہ زیر آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (الجمعة: 2)
قرآن کہتا ہے کہ یہ نہیں کہ زمین تقدیس سے خالی ہے بلکہ زمین پر بھی خدا کی تقدیس ہو رہی ہے نہ صرف آسمان پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَإِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ (بنی اسرائیل: 45)

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ یعنی ذرہ ذرہ زمین کا اور آسمان کا خدا کی تحمید اور تقدیس کر رہا ہے اور جو کچھ ان میں ہے وہ تحمید اور تقدیس میں مشغول ہے۔ پہاڑ اس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ دریا اس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ درخت اس کے ذکر میں مشغول ہیں اور بہت سے راست باز اس کے ذکر میں مشغول ہیں اور جو شخص دل اور زبان کے ساتھ اُس کے ذکر میں مشغول نہیں اور خدا کے آگے فروتنی نہیں کرتا اُس سے طرح طرح کے شکنجوں اور عذابوں سے قضا و قدر الہی فروتنی کر رہی ہے اور جو کچھ فرشتوں کے بارے میں خدا کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ نہایت درجہ اطاعت کر رہے ہیں۔ یہی تعریف زمین کے پات پات اور ذرہ ذرہ کی نسبت قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہر ایک چیز اُس کی اطاعت کر رہی ہے ایک پتہ بھی بجز اُس کے امر کے گر نہیں سکتا اور بجز اُس کے حکم کے نہ کوئی دوا شفا دے سکتی ہے اور نہ کوئی غذا موافق ہو سکتی ہے اور ہر ایک چیز غایت درجہ کے تذلل اور عبودیت سے خدا کے آستانہ پر گری ہوئی ہے اور اس کی فرمانبرداری میں مستغرق ہے۔ پہاڑوں اور زمین کا ذرہ ذرہ اور دریاؤں اور سمندروں کا قطرہ قطرہ اور درختوں اور بوٹیوں کا پات پات اور ہر ایک جُزْأُنْ کا اور انسان اور حیوانات کے کُل ذرّات خدا کو پہچانتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اُس کی تحمید و تقدیس میں مشغول ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ یعنی جیسے آسمان پر ہر ایک چیز خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہے ویسے زمین پر بھی ہر ایک چیز

اُس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کے فرمودات کے مطابق حضرت اقدس نے ثناء باری تعالیٰ کے معنوں کو لامتناہی وسعتوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اور کائنات کے ہر ذرہ کو اس کے قانونِ قدرت کی اطاعت سے سر موخراف نہ کر سکنے کو اس کی ثناء کرنے اور اس کی کبریائی کو قبول کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اور ایسا ہی لازم بھی تھا کیونکہ جس طور سے اس کی لامتناہی عنایات ہیں ویسے ہی اس کی ثناء بھی لامتناہی ہوگی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بہت مقامات میں بیان کیا ہے۔

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ (الحديد: 2)

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ (الحشر: 2)

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ (الصف: 2)

فارسی زبان میں حضرت اقدس باری تعالیٰ کی اس اصولی اور آفاقی ثناء کے بیان میں بہت ہی خوبصورتی اور

محبت سے عرض کرتے ہیں۔

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار کز وجودش ہر وجودے آشکار
خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا
ایں جہاں آئینہ دارِ روئے او ذرہ ذرہ رہ نماید سوئے او
جہاں اس کے چہرے کے لیے آئینہ کی طرح ہے۔ ذرہ ذرہ اُسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے
کرد در آئینہ ارض و سما آں رُخ بے مثل خود جلوہ نما
اس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلا دیا
ہر گیا ہے عارفِ بُوگاہ او دست ہر شائے نماید راہ او
اس کا ہر پتہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اُسی کا راستہ دکھاتی ہے
تُویر مہر و مہ ز فیضِ تُویر اوست ہر ظہورے تابعِ منشورِ اوست
چاند اور سورج کی روشنی اُسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اُسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے
ہر سرے سرے ز خلوتِ گاہ او ہر قدم جوید درِ باجاہ او
ہر سر اُس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اُسی کا باعظمت دروازہ تلاش کرتا ہے

مطلب ہر دل جمالِ روئے اوست گم رہے گہرست بہر کوئے اوست
 اسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچکی تلاش میں ہے
 جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثناء اپنی ذات کی عظمت اور صفات کے حسن و جمال کے
 اظہار میں بیان کی ہے اس لئے ثناء کے مضمون میں قرآن کریم کے اصولی بنیادی فرمودات پیش کرنے کے بعد
 ہم خدا تعالیٰ کے ان فرمودات کو پیش کرتے ہیں جن میں باری تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کی عظمت کو بیان کیا ہے
 اس عنوان میں ہم نے اول سورۃ البقرۃ کی آیت الکرسی کا انتخاب کیا ہے اور دوم سورۃ الاخلاص کا۔ یہ انتخاب
 دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جیسا کہ آپ نے اس آیت کریمہ کو ”سیدۃ آیۃ القرآن“ یعنی آیات
 قرآنیہ کی سردار کہا ہے۔
 (ترمذی کتاب فضائل القرآن)

اور سورۃ اخلاص کے بارے میں فرمایا:

”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ تَعَدَّلُ ثُلُثُ الْقُرْآنِ“
 (ترمذی کتاب فضائل القرآن)

یعنی سورۃ الاخلاص قرآن کریم کا ثلث ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
 خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (البقرۃ: 256)

حضرت اقدس اس آیت کریمہ کے معانی اور تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی وہی خدا ہے اُس کے سوا کوئی نہیں وہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا
 ہے۔ اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ زندہ وہی خدا ہے اور قائم بالذات وہی خدا ہے۔ پس
 جبکہ وہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذات ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص
 جو اس کے سوا زندہ نظر آتا ہے وہ اسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو زمین یا آسمان میں
 قائم ہے وہ اسی کی ذات سے قائم ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

فرماتے ہیں:

حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور حقیقی صفات حقیقیہ خاص خدا کے لیے ہیں کوئی اُن میں اُس کا
 شریک نہیں وہی بذاتہ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اُس کے ذریعہ سے ہیں۔ اور وہی اپنی

ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اُس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنیٰ درجہ کا تعطل حواس بھی جو نیند اور انگٹھ سے ہے وہ بھی اُس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور انگٹھ بھی وارد ہوتی ہے۔ جو کچھ تم زمین میں دیکھتے ہو یا آسمان میں وہ سب اُسی کا ہے اور اُسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے کون ہے جو بغیر اُس کے حکم کے اُس کے آگے شفاعت کر سکتا ہے وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے اور کوئی اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن جس قدر وہ چاہے۔ اس کی قدرت اور علم کا تمام زمین و آسمان پر تسلط ہے وہ سب کو اُٹھائے ہوئے ہے یہ نہیں کہ کسی چیز نے اُس کو اٹھا رکھا ہے اور وہ آسمان و زمین اور اُن کی تمام چیزوں کے اُٹھانے سے تھکتا نہیں اور وہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ ضعف و ناتوانی اور کم قدرتی اُس کی طرف منسوب کی جائے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدسؒ زیر آیت)

اور فرماتے ہیں

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ۔ یعنی

خدا کی کرسی کے اندر تمام زمین و آسمان سمائے ہوئے ہیں اور وہ اُن سب کو اُٹھائے ہوئے ہے ان کے اُٹھانے سے وہ تھکتا نہیں ہے اور وہ نہایت بلند ہے کوئی عقل اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی اور نہایت بڑا ہے اس کی عظمت کے آگے سب چیزیں ہیچ ہیں۔ یہ ہے ذکر کرسی کا اور یہ محض ایک استعارہ ہے جس سے یہ جتلانا منظور ہے کہ زمین و آسمان سب خدا کے تصرف میں ہیں اور ان سب سے اس کا مقام دور تر ہے اور اس کی عظمت ناپیدا کنار ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدسؒ زیر آیت)

دوسرے نمبر پر باری تعالیٰ کی شاء ذاتی کے اظہار کے لیے ہم نے سورۃ الاخلاص کا انتخاب کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

(الاخلاص: 2-5)

حضرت اقدسؒ اس سورۃ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں

حُسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حُسن باری تعالیٰ اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور بزرگی اور

صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں سب اس کے حاجت مند ہیں۔ ذرہ ذرہ اسی سے زندگی پاتا ہے۔ وہ گل چیزوں کے لئے مبداء فیض ہے اور آپ کسی سے فیض یاب نہیں۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ۔ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔ قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمت دکھلا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کو مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر اس سورۃ کی نہایت درجہ عارفانہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کی صاف تعلیم یہ ہے کہ وہ خداوند وحید و حمید جو بالذات توحید کو چاہتا ہے اُس نے اپنی مخلوق کو متشارك الصفات رکھا ہے اور بعض کو بعض کا مثیل اور شبیہ قرار دیا ہے تاکہ کسی فرد خاص کی کوئی خصوصیت جو ذات و افعال و اقوال اور صفات کے متعلق ہے اس دھوکہ میں نہ ڈالے کہ وہ فرد خاص اپنی بنی نوع سے بڑھ کر ایک ایسی خاصیت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص نہ اصلاً و نہ ظلاً اس کا شریک نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرح کسی اپنی صفت میں واحد لا شریک ہے چنانچہ قرآن کریم میں سورۃ اخلاص اسی بھید کو بیان کر رہی ہے کہ احدیت ذات و صفات خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ دیکھو اللہ جل شانہ فرماتا ہے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ثناء باری تعالیٰ کے مضمون میں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کے حوالہ سے قرآن کریم کے بیان فرمودہ دو اہم نمونے پیش کرنے کے بعد ہم ان فرمودات کو پیش کریں گے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء صفاتی میں اپنی عظمت و شان اور حسن و جمال پیش کیا ہے۔ چنانچہ ہم گذشتہ میں باری تعالیٰ کے اسم ذات ”اللہ“ کے عنوان میں عرض کر چکے ہیں کہ ”اللہ“ کا اسم گرامی قرآن کریم میں کئی ہزار مرتبہ بیان ہوا ہے۔ اُس طور سے اگر باری تعالیٰ کے اسماء صفاتی کو شمار کرنے لگیں تو اس تعداد میں ہیں کہ اگر ان کو بے حد و شمار کہا جائے تو درست ہوگا۔ شاید ہی کوئی آیت قرآنیہ ایسی ہوگی جس کے اول آخر میں کسی صفاتی اسم باری تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اور اکثر آیات تو ایسی ہیں جنہوں نے کئی صفات باری تعالیٰ کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہم نے قرآن کریم کے اسماء صفاتی کے بیان میں بھی صرف دو فرمودات قرآن کو اختیار کیا ہے۔

جن میں اول سورۃ الفاتحہ ہے اور دوم درجہ پر سورۃ الحشر کی آخری تین آیات ہیں۔ یہ انتخاب ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت ہے

سورۃ الفاتحہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ تمام قرآن کی سورتوں میں عظیم تر سورۃ ہے یہی قرآن العظیم اور سبع المثانی ہے

جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں فرمان رسول ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أَصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَجِبْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ أَصَلِّي فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ ثُمَّ قَالَ لِي لَأَعْلَمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّورِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ لَأَعْلَمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّورِ فِي الْقُرْآنِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيَتْهُ.

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن)

ترجمہ: ابن سعید بن معلی سے روایت ہے: انہوں نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں ایک دن نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا۔ میں نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نماز میں تھا، اس لیے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی۔ آپ نے فرمایا، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ جب تم کو اللہ کا رسول بلائے تو فوراً اس کی خدمت میں پہنچو۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، قبل اس سے کہ میں مسجد سے جاؤں، تم کو قرآن پاک کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو کہ ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر جانے لگے۔ میں نے یاد دہانی کرائی تو ارشاد ہوا کہ وہ الحمد کی سورت ہے۔ اور اس میں سات بار بار دہرائی جانے والی آیات ہیں جن کو سبع المثانی کہتے ہیں۔ اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس سورت کی شان اور اس میں ثناء باری تعالیٰ کے بیان میں فرماتے ہیں:

انَّ لَلْفَاتِحَةِ اسْمَاءٌ أُخْرَى مِنْهَا سُورَةُ الْحَمْدِ بِمَا افْتَتِحَ بِحَمْدِ رَبِّنَا الْاَعْلَى وَ مِنْهَا اُمُّ الْقُرْآنِ بِمَا جَمَعَتْ مَطَالِبَهُ كُلَّهَا بِاَحْسَنِ الْبَيَانِ. وَتَابَّطَتْ كصَدْفِ دُرِّ الْفَرْقَانِ وَ صَارَتْ كَعَشِّ لَطِيْرِ الْعُرْفَانِ
سورة فاتحہ کا دوسرا نام سورة الحمد: سورة فاتحہ کے اور نام بھی ہیں جن میں سے ایک سورة الحمد بھی ہے کیونکہ یہ سورة ہمارے رب اعلیٰ کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔

سورة فاتحہ کا تیسرا نام ام القرآن: سورة فاتحہ کا ایک نام ام القرآن بھی ہے کیونکہ وہ تمام قرآنی مطالب پر احسن پیرایہ میں حاوی ہے اور اس نے سیپ کی طرح قرآن کریم کے جواہرات اور موتیوں کو اپنے اندر لیا ہوا ہے اور یہ سورة علم و عرفان کے پرندوں کے لیے گھونسلوں کی مانند بن گئی ہے

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں

اس کا نام ام الكتاب بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کا اس میں خلاصہ اور عطر

موجود ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ومن الممكن ان يكون تسمية هذه السورة بأُمِّ الْكِتَابِ نَظْرًا إِلَى غَايَةِ التَّعْلِيمِ فِي هَذَا الْبَابِ. فَإِنَّ سُلُوكَ السَّالِكِينَ لَا يَتِمُّ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَسْتَوْلِيَ عَلَى قُلُوبِهِمْ عِزَّةَ الرَّبُّوبِيَّةِ وَذِلَّةَ الْعِبَادِيَّةِ وَ لَنْ تَجِدَ مَرشِدًا فِي هَذَا الْأَمْرِ كَهَذِهِ السُّورَةِ مِنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ الْآتِرَى كَيْفَ أَظْهَرَ عِزَّةَ اللَّهِ وَ عَظَمَتَهُ بِقَوْلِهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ إِلَى مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ.

سورة فاتحہ کا چوتھا نام: اس سورة کا چوتھا نام ام الكتاب رکھنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ امور روحانیہ کے بارے میں اس میں کامل تعلیم موجود ہے، کیونکہ سالکوں کا سلوک اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے دلوں پر ربوبیت کی عزت اور عبودیت کی ذلت غالب نہ آجائے۔ اس امر میں خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے نازل شدہ سورت فاتحہ جیسا رہنما اور کہیں نہیں پاؤ گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اُس نے کس طرح اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے لے کر مِلِثِ يَوْمِ الدِّينِ تک کیسے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں۔

و من اسماء هذه السورة السبع المثاني. وسبب التسمية انها مثنى نصفها ثناء العبد للرب و نصفها عطاء الرب للعبد الفاني. وقيل انها سميت المثنى بها انها مستثناة من سائر الكتب الالهية و لا يوجد مثلها في التوراة و لا في الانجيل و لا في الصحف النبوية.

سورة فاتحہ کا پانچواں نام السبع المثانی: اس سورۃ کے ناموں میں سے ایک نام سبع مثنیٰ ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ کے دو حصے ہیں، اس کا ایک حصہ بندہ کی طرف سے خدا کی ثناء اور دوسرا نصف فانی انسان کے لیے خدا تعالیٰ کی عطا اور بخشش پر مشتمل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس کا نام السبع المثانی اس لیے ہے کہ یہ سورۃ تمام کتب الہیہ میں امتیازی شان رکھتی ہے اور اس کی مانند کوئی سورۃ تورات یا انجیل یا دوسرے صحف انبیاء میں نہیں پائی جاتی۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

كما لا يخفى على اهل الدهاء و اما تخصيص ذكر الربوبية و الرحمانية و المالكية في الدنيا و الآخرة فلاجل ان هذه الصفات الاربعة امهات لجميع الصفات المؤثرة المفیضة. و لاشك انها محرکات قوية لقلوب الداعين. جیسا کہ عقلمندوں پر پوشیدہ نہیں لیکن ان چاروں صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکییت کا ذکر جن کا تعلق دنیا و آخرت سے ہے خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ چاروں خدا کی تمام صفات کی اصل ہیں اور بلاشبہ کہ یہ چاروں صفات خدا کی باقی تمام موثر اور مفیض صفات کے لیے بطور اصل کے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ دعا کرنے والوں کے دلوں میں زبردست تحریک پیدا کرنے والی ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کی صفاتی ثناء کے بارے میں یہ وضاحت تو ہوگئی کہ سورۃ الفاتحہ کی تین آیات
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ اصولی طور پر باری تعالیٰ کی تمام صفات حسنہ کا اصل اور منبع ہیں۔ اس لئے جب ان صفات اربعہ کا بیان حضرت اقدس کی تفسیر و تعبیر کے مطابق ہو گیا تو گویا تمام صفات حسنہ باری تعالیٰ میں جو ثناء ہوئی ہے اس کا بیان ہو گیا ہے۔

سورۃ الفاتحہ اور اس میں بیان شدہ اُمّ الصفات کے بارے میں اس حقیقت کا اظہار کرنا بھی اشد ضروری ہے کہ اس مضمون میں حضرت اقدس کے فرمودات دراصل ان کے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث نبوی میں بیان ہوا ہے کہ سورۃ الفاتحہ اُمّ القرآن ہے۔ اور اس میں بیان شدہ صفات اربعہ دراصل حمد و ثناء باری تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ ان کو پیش کرنے والے کی ثناء کو محبت سے قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی صلاۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لأبی ہریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول قال اللہ تعالیٰ قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي نَضْفَيْنِ وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمْدَنِي عَبْدِي وَ إِذَا قَالَ ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنِّي عَلَى عَبْدِي وَ إِذَا قَالَ ﴿مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ﴾ قَالَ مَجْدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوْضَ إِلَى عَبْدِي فَإِذَا قَالَ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ قَالَ هَذَا بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ هَذَا لِعَبْدِي وَ لِعَبْدِي مَا سَأَلَ

(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو اُس کی نماز پوری نہیں ہوئی بلکہ اس کی نماز ناقص رہی۔ یہ جملہ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ ابو ہریرہؓ نے جواباً کہا اس وقت تم لوگ آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کا یہ قول بیان فرماتے سنا ہے کہ نماز میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہو چکی ہے۔ اور میرا بندہ جو سوال کرتا ہے وہ پورا کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہتا ہے تو اللہ عزوجل کہتا ہے میرے بندہ نے میری تعریف کی۔ اور نمازی جب الرَّحْمَنُ الرَّحِيمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری توصیف کی۔ اور جب نمازی مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی۔ اور یوں بھی کہتا ہے کہ میرے بندہ نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیے

ہیں۔ اور جب نمازی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پڑھتا ہے۔ تو اللہ عزوجل کہتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کا درمیانی معاملہ ہے میرا بندہ جو سوال کرے گا وہ اس کو ملے گا۔ پھر جب نمازی اپنی نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ یہ سب میرے اس بندہ کے لیے ہے اور جو کچھ طلب کرے گا وہ اُسے دیا جائے گا۔

مگر اس خیال کے پیش نظر کہ ان صفات اربعہ کی ذیل اور تفصیل میں باری تعالیٰ نے جو اپنی ثناء اپنا حسن وجمال دکھایا ہے اس کو بھی ظاہر کرنا چاہیے۔ ہم چند ایک فرمودات قرآن پیش کرنا چاہتے ہیں۔
 قبل میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی بیشتر آیات میں خدا تعالیٰ کی صفاتی عظمت و شان بیان ہوئی ہے۔ اس لئے درحقیقت تمام فرمودات قرآن دراصل باری تعالیٰ کی ثناء ہی کا مضمون بیان کر رہے ہیں اور یہی قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ جس حکم اور علم کا بیان ہو رہا ہو اس کی محرک صفت الہی کا اظہار کر دیا جائے مگر بعض مقامات قرآن ایسے ہیں جس پر اللہ جل شانہ نے غایت درجہ جلال اور جمال سے اپنی عظمت و شان بیان کی ہے۔
 اس مضمون کی ابتدا میں ہم سورۃ بنی اسرائیل اور آیت الکرسی اور سورۃ الجمعہ کی آیات کو پیش کر چکے ہیں۔ ان کا شمار بھی ایسی ہی آیات میں آتا ہے مگر اس مقام پر ہم سورۃ الحشر کی آیات 23، 24، 25 پیش کرنا چاہتے ہیں۔
 باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ -
 هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمْلِكُ الْقُدُوسَ السَّلْمَ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ
 الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ -
 هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ -

یہ وہ آیات ہیں جن کی عظمت و شان اور ان کی برکات کے ذکر میں ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مومن تعویذ کے بعد ان آیات کو صبح کے وقت پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادے گا اور اگر شام کو پڑھے گا تو صبح تک ایسا ہی ہوگا اور اگر اس دوران اس پر موت وارد ہو جائے تو اس کی موت شہادت کی موت ہوگی۔

عن معقل ابن يسار عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من قال حين يصبح

ثلاث مرات اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم وقرأ ثلاث آيات
من آخر سورة الحشر وَكَلَّ اللَّهُ بِهِ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ يَصْلُونَ عَلَيْهِ حَتَّى
يُمَسِّيَ و ان مات فى ذلك اليوم مات شهيداً و من قالها حين يمسى كان
بتلك المنزلة

(ترمذی کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ)

ترجمہ: معقل بن یسار سے مروی ہے آپ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جس نے صبح کے وقت اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم پڑھ کر سورہ
حشر کی آخری تین آیات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کرتا ہے جو اس
کے لیے شام تک دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ اُس دن مرجائے تو اس کی موت شہید کی
موت ہوگی۔ اور یہ بھی کہ جس نے رات کو ایسا کیا اس کے لیے رات بھر اسی کے مطابق ہوگا۔
حضرت اقدس نے ان آیات کی بہت تفصیلی اور پر معارف تفسیر فرمائی ہے جو آپ کی تفسیر میں سورہ الحشر کے
تحت بیان ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر ان آیات میں بیان شدہ صفات باری تعالیٰ کا وہ ترجمہ پیش کرتے ہیں جو
حضرت اقدس نے کیا ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
وہ خدا جو واحد لا شریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں
ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ
نہیں کر سکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے
سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ علم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔
..... پھر فرمایا ہو الرحمن یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض
اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں اُن کے لیے سامانِ راحت میسر
کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے
وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام
کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمان کہلاتا ہے اور پھر فرمایا کہ الرحیم یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر
جزاء دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں ہے۔.....

پھر فرمایا السَّلَامُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔.....

پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے۔
اور پھر فرمایا الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ یعنی وہ سب کا محافظ اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کام بنانے والا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَ الْأَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى وہ اللہ خالق ہے یعنی پیدا کنندہ ہے وہ باری ہے یعنی روجوں اور اجسام کو عدم سے وجود بخشنے والا ہے۔ وہ مصور ہے یعنی صورت جسمیہ اور صورت نوعیہ عطا کرنے والا ہے کیونکہ اسی کے لئے تمام اسماء حسنہ ثابت ہیں یعنی جمیع صفات کاملہ جو باعتبار کمال قدرت کے عقل تجویز کر سکتی ہے اسکی ذات میں جمع ہیں۔ لہذا نیست سے ہست کرنے پر بھی وہ قادر ہے کیونکہ نیست سے ہست کرنا قدرتی کمالات سے ایک اعلیٰ کمال ہے۔..... اور پھر فرمایا يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

حمد و ثناء باری تعالیٰ کا مضمون دراصل جان ہے تمام روحانی اور جسمانی نظام زندگی کی۔ جیسے فرمایا

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ
حَلِيمًا غَفُورًا (بنی اسرائیل: 45)

جس کی تفسیر میں حضرت اقدس کا بیان ہے:

ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے اس کی طرف جھکنے کے

لیے ہر ایک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔ اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس لیے تمام معمولات زندگی اس مرکزی مضمون کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اگر یہی حقیقت ہے اور یقیناً ہے تو اس مضمون کی وسعتوں کا اندازہ بھی ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ باری تعالیٰ جل شانہ کی ثناء کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

ہمارے پیارے مسیح علیہ السلام نے کتنی محبت سے یہی بات کی ہے۔

یا من احاط الخلق بالالاء نشنی علیک و لیس حول ثنائی
اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں مگر
تعریف کی طاقت نہیں پاتے

اس صورت میں ہم نے اوّل تو یہ دستور بنایا ہے کہ حمد و ثناء کے مضمون کو قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات تک محدود رکھیں۔ کیونکہ عرفان باری تعالیٰ کے ان سرچشموں کے سوا تو سب غیر ہیں اور

غیر کو غیر کی خبر کیا ہو

نظر دور کارگر کیا ہو

اس احتیاط کو قائم رکھتے ہوئے ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ثناء باری تعالیٰ کے ان تیزی سے بہتے ہوئے چشموں سے اصولی فرمودات کے چلو بھر عنوانات لیے ہیں۔ کیونکہ اگر اختصار کی کوشش نہ کی گئی تو یہ عنوان تو بے انتہاء ہے۔

اس مقام تک ہم نے ثناء باری تعالیٰ کی تعریف عمومی ثناء اور باری تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عنوانات پیش کئے ہیں۔ اس تسلسل میں ایک بہت اہم عنوان باقی رہ گیا ہے اُس کا نام ”ذکر الہی“ ہے اس عنوان کو ”اہم“ اس لیے گردانا گیا ہے کہ اوّل بیان کردہ مضامین دراصل علمی مضامین ہیں جن میں باری تعالیٰ کی عظمت و شان اور حسن و جمال کا ذکر علمی اور معلوماتی طور پر ہوا ہے۔ مگر ”ذکر الہی“ کا مضمون ایک عملی مضمون ہے۔ جس میں ثناء باری تعالیٰ کرنے کے آداب۔ اس کی تلقین اور اس کی برکات کا ذکر ہوگا۔ سب سے اوّل تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر الہی کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ دوا شاد پیش خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا

(الاحزاب: 42، 43)

اے مومنوں اللہ کا ذکر بہت کیا کرو اور صبح شام اسکی تسبیح کیا کرو اور فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرة: 153)

حضرت اقدس اس آیت کے معانی اور تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اور مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ اور میرا شکر کرو اور مجھ سے دعا مانگو۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اے میرے بندو تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الہی کے ترک اور اُس سے غفلت کا نام کفر ہے پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔
(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا یعنی آرام اور خوشحالی کے وقت تم مجھ کو یاد رکھو اور میرا قرب حاصل کرو تا کہ مصیبت میں تم کو یاد رکھوں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اَوَّلُ بَيَانٍ شَدِيدٍ فَرَمَانَ قُرْآنٍ هِيَ كِتَابُ تَفْسِيرٍ وَتَعْبِيرٍ رَسُولِ الْكَرِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابُ حَادِيثٍ هِيَ كِتَابُ حَسَنِ حَسِينٍ

”تم اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں“ (حسن حسین)

اور فرمایا:

”تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہنی چاہیے“ (حسن حسین)

اور فرمایا:

”اللہ کا ذکر کرنے والے اور نہ ذکر کرنے والے کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے“

(حسن حسین)

ذکر الہی کے عنوان میں ہم سورۃ الفاتحہ میں بیان فرمودہ صفات اربعہ کا ذکر کر چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت درجہ پیاری حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سورۃ الفاتحہ کی ثناء کس قدر قبول خاطر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طور سے قرآن کریم باری تعالیٰ کے اسماء حسنہ سے معمور ہے اُسی طور پر احادیث نبوی میں

بھی بے شمار اذکار الہی مذکور ہیں۔ جو کہ تمام تر ثناء باری تعالیٰ ہی ہے۔

تاہم ایک فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں جن اذکار کا تاکید اکلم ہے پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”اذا مررتم بربیاض الجنة فارتعوا قلت یا رسول اللہ و ما ربیاض الجنة قال المساجد قلت و ما الرتع یا رسول اللہ قال سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر (سنن ترمذی کتاب الدعوات عن رسول اللہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب توجت کے باغوں میں سے گزروتو ان میں چرو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جت کے باغ کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا مسجدیں۔ میں نے عرض کی اور چرنا کیا ہے؟ فرمایا سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر کا ورد کرنا۔

ان اذکار کے متعلق یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتخاب قرآن کریم کے فرمودات کے مطابق ہی کیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اکثر و بیشتر مقامات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء انہی مبارک کلمات سے کی گئی ہے۔ اشارہ ہم ہر کلمہ کی نسبت سے فرمودات قرآن کو پیش کرتے ہیں

(1) ”سبحان اللہ“ کے تحت باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا
(الاحزاب: 42، 43)

اور پھر ذکر اکثر کی تفسیر و تعبیر میں فرمایا

فَسَبِّحْ لِلَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ
(الروم: 18، 19)

پس اللہ کی تسبیح کرو جب تم شام کے وقت میں داخل ہو یا صبح کے وقت میں داخل ہو اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی تعریف ہے اور بعد دو پہر بھی اُس کی تسبیح کرو اور اسی طرح عین دو پہر کے وقت بھی۔

(2) ”الحمد لله“۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ

تَرْجَعُونَ

(القصص: 71)

حضرت اقدس اس کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس کے لیے تمام حامد ثابت ہیں اور دنیا و آخرت میں وہی منعم حقیقی ہے اور اسی کے ہاتھ میں

ہر ایک حکم ہے اور وہی تمام چیزوں کا مرجع و مآب ہے۔ (دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

(3) ”ولا الاله الا الله“۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُهُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

(الحشر: 23)

حضرت اقدس لا الہ الا اللہ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہی ایک سب کا رب ہے“

(سورۃ الحشر کی آیت 23-24-25 کی تفسیر حضرت اقدس گزشتہ میں بیان ہو چکی ہے)

(4) ”اللہ اکبر“ کے تحت باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(الجماعیة: 37، 38)

پس اللہ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب بڑائی

بھی اسی کی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ثناء باری تعالیٰ کے تعارف کے اس نہ ختم ہونے والے مضمون کو ہم اس حد تک بیان کر کے حضرت اقدس

مسیح موعود علیہ السلام کی شعری ثناء کے چند منتخب نمونے پیش کرتے ہیں۔ اسی پیش کش سے قبل یہ یاد دہانی بہت

ضروری ہے کہ ہم گذشتہ میں بہت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ حضرت کے ادبی شاہ پاروں کی خصوصیت

اور محور محبت الہی ہے اس لیے ثناء باری تعالیٰ میں گو آپ باری تعالیٰ کی ذات و صفات کی حمد و تعریف بھی کرتے ہیں

مگر اس کا حقیقی محرک محبت الہی ہے۔ جس نے باری تعالیٰ کی عظمت اور حسن و جمال کو صرف علمی طور پر ہی نہیں

بلکہ دل کی گہرائیوں سے اس کی محبت میں مبتلا ہو کر بیان کیا ہے۔ یہی وہ ”چیز“ ہے جو آپ کے کلام کو دیگر شعراء

کے کلام سے ممتاز کرتی ہے۔

الہام حضرت اقدسؑ:

”در کلام تو چیزے است کہ شعراء را در آں دخلے نیست“

(تیرے کلام میں ایک ایسی چیز (خوبی) ہے جو شاعروں کو نصیب نہیں ہوئی)



ثناء باری تعالیٰ اردو زبان میں

مشرقی یا اسلامی ادب میں دستور ادبی کے مطابق اکثر شعراء نے اپنے کلام کی ترتیب میں اس کا التزام کیا ہے کہ وہ مجموعہ کلام اول قدم پر ثناء باری تعالیٰ سے شروع ہو۔ اس لیے اردو شعراء میں یہ صنف شعر کافی معروف اور مقبول ہے۔ مگر تمام دواوین اور مجموعہ ہائے اردو ادب کی چھان بین کر لیں ثناء باری تعالیٰ میں حضرت کی اس نظم کے چند اشعار ہی ان سب پر بھاری ہوں گے۔

فرماتے ہیں:

حمد و ثنا اُسی کو جو ذاتِ جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یارِ جانی
دل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
ہے پاک پاک قدرتِ عظمت ہے اسکی عظمت
لرزاں ہیں اہلِ قُربتِ کروبیوں پہ ہیبت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو ٹھکرِ نعمت
ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا اُلُفت کب چاہے اسکی غیرت
یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
جو کچھ ہمیں ہے راحت سب اس کی جُود و مَنّت
اُس سے ہے دل کو بیعت دل میں ہے اسکی عظمت
بہتر ہے اُس کی طاعت طاعت میں ہے سعادت
یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا
ہم کو وہی پیارا دلبر وہی ہمارا

اُس دن نہیں گذارا غیر اُس کے جھوٹ سارا

یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي

یہ چند بند آپ حضور کی نظم بعنوان ”محمود کی آمین“ کا ابتدا یہ ہے اور دعائیہ نظم ہونے پر دستور ادب کے مطابق اول اشعار ثناء باری تعالیٰ کے ہیں۔ یہ وہ بند ہیں کہ جن کی بندش اور بیان کے حسن و خوبی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں کہ اردو ادب کے اسلوب کے لحاظ سے بے انتہا نرم و نازک کلام اور سہل ممتنع کا ایک نادر نمونہ ہیں۔ اور ثناء کے ساتھ ساتھ محبتِ الہی ایسی ہے جیسے ایک شفاف صراحی سے قطرہ قطرہ آب کو ٹپک رہا ہے۔ درحقیقت ان کی کچھ ایسی ہی تاثیر ہے جس نے ان کو ہر احمدی کا حرزِ جان بنا دیا ہے۔ ان کا کوئی خوشی کا موقع اور قومی تہوار ایسا نہیں جہاں پر یہ بند بغرض دعا و برکت پڑھے نہ جاتے ہوں۔

اس نوعیت کے چند ثناء کے اشعار خاکسار کو بہت پیارے ہیں۔ یہ اشعار حضرت اقدس نے بزبان حضرت اماں جان اظہارِ تشکر میں رقم فرمائے ہیں:

ہے عجب میرے خُدا میرے پہ احساں تیرا

کس طرح شکر کروں اے مرے سُلطان تیرا

ایک ذرہ بھی نہیں تو نے کیا مجھ سے فرق

میرے اِس جسم کا ہر ذرہ ہو قُرباں تیرا

سُر سے پا تک ہیں الہی ترے احساں مجھ پر

مُجھ پہ برسا ہے سدا فضل کا باراں تیرا

فضل سے اپنے بچا مجھ کو ہر اک آفت سے

صدق سے ہم نے لیا ہاتھ میں داماں تیرا

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو ترا طالب ہے

کوئی رُسوا نہیں ہوتا جو ہے جویاں تیرا

آسماں پر سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں

کوئی ہو جائے اگر بندہ فرماں تیرا

جس نے دل ٹُجھ کو دیا ہو گیا سب کچھ اُس کا

سب ثنا کرتے ہیں جب ہووے ثنا خواں تیرا

اس جہاں میں ہے وہ جنت میں ہی بے ریب و گماں

وہ جو اک پختہ توکل سے ہے مہماں تیرا

دیکھ لیں۔ عجز ہے۔ انکساری ہے۔ انہیں میں لپٹا ہوا شکر اور حمد ہے محبان الہی پر خدا تعالیٰ کے انوار کا یقین کامل ہے اور مشاہدہ کریں کہ آپ حضرت کا یہ مضمون کہ خدا تعالیٰ حمد کرنے والے کو محمود بنا دیتا ہے کس خوبی سے بیان ہوا ہے۔

جس نے دل تجھ کو دیا ہو گیا سب کچھ اُس کا

سب ثنا کرتے ہیں جب ہووے ثنا خواں تیرا

بہت مرتبہ بیان ہوا ہے کہ حضرت اقدس کا اسلوب شعر یہ ہے کہ ہر موضوع شعر میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی محبت جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ کا تمام کلام دراصل ثناء باری تعالیٰ ہی ہے۔ تاہم خالص حمد و ثنا کی صنف شعر میں بھی آپ نے ایک نظم رقم فرمائی ہے۔ جو اردو ادب میں ایک درخشندہ ستارے کی طرح سے ہمیشہ درخشاں و تاباں رہیگی۔ یہ اردو ادب کا شاہ کار ہے۔ اردو ادب پر واجب ہے کہ اس پر ناز کرے۔ فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا

بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا

کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے

مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف

جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

پشمہ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں

ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک

اُس سے ہے شورِ محبت عاشقان زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص

کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
 کس سے گھل سکتا ہے پیچ اس عُقدہ دشوار کا
 تُبرویوں میں ملاحظت ہے ترے اس حسن کی
 ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
 چشمِ مست ہر حسین ہر دم دکھاتی ہے تجھے
 ہاتھ ہے تیری طرف ہر گینوئے خمار کا
 آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سوسو حجاب
 ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
 ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
 جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
 تیرے ملنے کے لیے ہم مل گئے ہیں خاک میں
 تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا
 ایک دم بھی گل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
 جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
 شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر
 خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

اس ثنا کی ادبی خوبی اور حُسنِ بیان کا ذکر تو ہم نے چند الفاظ میں بے انتہا اختصار سے کر دیا ہے۔ ادبی شعر کے اسالیب کو سمجھنے والے اس عظیم الشان ”سہل ممتنع“ کا ادبی اقدار کی روشنی میں تنقیدی تجزیہ کر کے اس کے محاسن کی مزید نقاب کشائی کر سکتے ہیں مگر جس خوبی اور حُسن کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ اس ثناء کا اتباع قرآن ہے کیونکہ حمد و ثناء وہ موضوع ہے جس کے بارے میں ہمارے آقا اور مطاعِ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عارفانہ فیصلہ صادر کر چکے ہیں کہ حقیقی ثناء باری تعالیٰ وہی ہے جو ہمارے خدا نے اپنی ذات والا صفات کے لیے کی ہے۔

اس لیے کسی بھی حمد و ثناء کے حُسن و خوبی کے تعین میں ہماری میزان اور کسوٹی قرآن کریم کے فرمودات ہی ہونگے اور جو ثنا ان فرمودات کے اتباع میں اور ان ہی کا عکس ہوگی وہی ہمارے لئے محترم اور محبوب ہوگی

اس معیار کی روشنی میں اگر اس ثنا کا تجزیہ کیا جائے تو اول کے تین شعر یعنی

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
 بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
 چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
 کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمال یار کا
 اس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
 مت کرو کچھ ذکر ہم سے ٹرک یا تاتار کا
 تو مکمل طور پر باری تعالیٰ کی اس ثنا کی تفسیر و تعبیر معلوم ہوتے ہیں۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور: 36)

حضرت اقدس اس فرمان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔ یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی اُسی کے فیض کا عطیہ ہے“۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کریں مطلع کے اشعار نظم میں وہی بیان کر رہے ہیں جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان اشعار کے بعد

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف

جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

سے لے کر

چشمِ مستِ ہر حسین ہر دم دکھاتی ہے تجھے

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

تمام اشعار خدا تعالیٰ کے ذیل کے فرمان کی تفسیر ہے۔

تَسْبِيحٌ لِّهِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ

بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (بنی اسرائیل: 45)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں ”یعنی ہر ایک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے۔

مشاہدہ کریں کہ یہ مضمون وہی ہے جو درج بالا اشعار میں بیان ہوا ہے۔ اور

”چشمِ مستِ ہر حسین ہر دم دکھاتی ہے تجھے“

سے لے کر آخری و لفریب شعر تک

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

خدا تعالیٰ کی ثناء اُس کی محبت کے اظہار کی نسبت سے کی گئی ہے۔ اور یہ شعر خدا تعالیٰ کے فرمان

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا

(البقرة: 201)

حضرت اقدس اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”یعنی اپنے اللہ جل شانہ کو ایسے دلی جوشِ محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

”یاد رکھنا چاہیے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ

شدت واقع ہو جاتی ہے“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہی پسند کیا کہ اس کی یاد اور اُس کا ذکر اور ثنا ایسی محبت سے کرو جیسی کہ اپنے باپوں

بلکہ اُن سے بڑھ کر کی جاتی ہے۔

گذشتہ کے تقابل سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ اللہ جلّ شانہ نے ثنا کے یہی اسالیب بیان کئے ہیں۔

اول:- اس کی ذات کا حسن و جمال بیان ہو۔

دوم:- اس کی عظمت اور کبریائی کا ذکر ہو۔

سوم:- اس کی محبت کا دل و جان سے اقرار ہو۔

چہارم:- دعا اور مناجات ہو۔ کیونکہ یہ اس کی کبریائی اور انسانی عبودیت کا عملی ثبوت ہے۔

یہ بات درست ہے کہ آپ حضرت نے ان موضوعات کو لازماً اس ترتیب سے اختیار نہیں فرمایا مگر اس

بیان میں صداقت ہے کہ آپ حضرت کی ثناء کے یہی عناصر رابعہ ہیں۔ اور یہی وہ دستور اور اسلوب ہے جو

حضرت اقدس نے باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے لیے اختیار فرمایا ہے اور اس کا التزام آپ حضرت نے اپنے اردو اور

عربی فارسی کلام میں کیا ہے۔

ان گذارشات کی روشنی میں ہم اپنے قارئین سے عرض کریں گے کہ دیگر زبانوں کی حمد و ثنا کو اسی معیار کے

تحت مشاہدہ کریں۔ کیونکہ ایک ہی بات کو بار بار دہرانا زیب نہیں دیتا۔

فارسی زبان میں ثناء باری تعالیٰ

فارسی زبان میں اصولی اور آفاقی ثناء باری تعالیٰ کا ایک بہت ہی باوقار اور محبت بھرا نمونہ گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس مضمون کی ترتیب کو قائم رکھنے کی غرض سے ادب پارے کے آخری دو شعر دوبارہ پیش کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ہر سرے سرے زخوت گاہِ اوست ہر قدم جوید در با جاہِ اوست
ہر سر اس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے ہر قدم اسی کی با عظمت بارگاہ کی تلاش میں ہے
مطلب ہر دل جمالِ روئے اوست گر ہے گر ہست بہر کوئے اوست
اسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اگر کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچے کی تلاش میں ہے

باری تعالیٰ کی آفاقی ثنا میں یہ اشعار شاہکار ہیں یہ تو کہا جا چکا ہے کہ فارسی زبان بولنے والے ادیبوں نے اسلام کا پیغام قبول کرنے پر بہت جلد اپنا موضوع ادب محبت الہی اور عشق رسول بنا لیا تھا اس لیے اس زبان میں ان مضامین کو بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ گو حضرت اقدس کا حقیقی موضوع کلام محبت اور عظمت الہی کے بیان ہی میں ہے مگر فارسی زبان میں یہ موضوع آپ کا دل پسند عنوان ہے اس لیے آپ ہر قدم پر اس کی طرف بار بار لوٹ کر آتے ہیں اور بے انتہا ادبی شان اور دلی جذبے سے اس کو بیان کرتے ہیں۔ آپ حضرت کے حمد و ثنا کے کلام کے جو اسالیب ہم نے بیان کیے ہیں ان کے مطابق ذیل کی عظیم الشان اور لاثانی ثنا کا مشاہدہ کریں۔ دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

اول۔

سخن نزد م مراں از شہر یارے کہ ہستم بر درے امیدوارے
میرے سامنے کسی بادشاہ کا ذکر نہ کر کیونکہ میں تو ایک اور دروازہ پر امیدوار پڑا ہوں
خداوندیکہ جاں بخشِ جہان ست بدیع و خالق و پروردگارے
وہ خدا جو دنیا کو زندگی بخشنے والا ہے اور بدیع اور خالق اور پروردگار ہے
کریم و قادر و مشکل کشائے رحیم و محسن و حاجت برارے
کریم و قادر ہے اور مشکل کشا ہے رحیم ہے۔ محسن ہے اور حاجت روا ہے
فدام بر درش زیر آنکہ گویند برآید در جہاں کارے ز کارے
میں اُس کے دروازہ پر پڑا ہوں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دنیا میں ایک کام میں سے دوسرا کام نکل آتا ہے

چوآں یار وفادار آیدم یاد فراموشم شود ہر خویش و یارے
جب وہ یار وفادار مجھے یاد آتا ہے تو ہر رشتہ دار اور دوست مجھے بھول جاتا ہے
بغیر اوچساں بندم دل خویش! کہ بے رویش نئے آید قرارے
میں اُسے چھوڑ کر کسی اور سے کس طرح دل لگاؤں کہ بغیر اُس کے مجھے چین نہیں آتا
دلَم در سینہ ریشم مجنید کہ بستیمش بدامان نگارے
دل کو مرے زخمی سینے میں نہ ڈھونڈ کہ ہم نے اُسے ایک محبوب کے دامن سے باندھ دیا ہے
دلِ من دلبرے را تخت گاہے سر من در رہ یارے نثارے
میرادل دلبر کا تخت ہے اور میرا سر یار کی راہ میں قربان ہے
چہ گویم فضل او بر من چگون ست کہ فضل اوست ناپیدا کنارے
میں کیا بتاؤں کہ مجھ پر اُس کا فضل کس طرح کا ہے کیونکہ اس کا فضل تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے
عنایتہائے اُورا چوں شمارم کہ لطف اوست بیروں از شمارے
میں اُس کی مہربانیوں کو کیونکر گنوں کہ اُس کی مہربانیاں تو حد شمار سے باہر ہیں
مرا کاریست باآں دلستانے ندارد کس خبرزاں کاروبارے
مجھے اُس دلبر سے ایسا تعلق ہے کہ کسی کو بھی اُس معاملہ کی خبر نہیں
بنالم بردرش زاں ساں کہ نالد بوقت وضع حملے باردارے
میں اُس کے دروازے پر اس طرح روتا ہوں جس طرح بچہ پیدا ہوتے وقت حاملہ عورت روتی ہے۔
مرا باعثق او وقتے ست معمور چہ خوش وقتے چہ خرم روزگارے
میرا ہر لمحہ اُسی کے عشق سے بھر پور ہے واہ کیا اچھا وقت ہے اور کیا عمدہ زمانہ ہے؟
شاء ہا گوئمت اے گلشن یار کہ فارغ کردی از باغ و بہارے
اے یار کے گلزار تیرے کیا کہنے تو نے مجھے دنیا کے باغ و بہار سے بے پروا کر دیا

دوم:

اے دلبر و دلستان و دلدار والے جانِ جہان و نُورِ انوار
اے دلبر۔ محبوب اور دلدار اے جہاں کی جان اور نوروں کے نور
لرزاں ز تجلّیت دل و جاں حیراں ز رُختِ قلوب و البصار
جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں قلوب اور نظریں تیرے رُخ کو دیکھ کر حیران ہیں

در ذاتِ تو جُو تحیرے نیست ہنگامِ نظر نصیب افکار!
تیری ذات کے بارے میں حیرت ہی حیرت ہے۔ غور و فکر سے جب بھی دیکھا جائے
درِ غیبی و قدرت ہویدا پنہانی و کارِ تو نمودار!
تو آپ غیب میں ہے مگر تیری قدرت ظاہر ہے تو مخفی ہے مگر تیرے کام نمایاں ہیں
دوری و قریب تر ز جاں ہم نوری و نہاں تر از شبِ تار
تو دور ہے مگر جان سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو نور ہے مگر اندھیری رات سے زیادہ پوشیدہ
آں کیست کہ منتہائے تو یافت واں گُو کہ شود محیطِ اسرار
وہ کون ہے جس نے تیری انتہا کو پایا اور وہ کون ہے جو تیرے بھیدوں پر حاوی ہو گیا
کردی دو جہاں عیاں ز قدرت بے مادہ و بے نیازِ انصار
تو نے محض قدرت سے دونوں جہاں پیدا کر دیئے بغیر مادہ کے اور بغیر مددگاروں کی امداد کے
و ایں طرفہ کہ ہیچ کم نہ گردد با آنکہ عطائے تُست بسیار
پھر لطف یہ ہے کہ ان نعمتوں میں کوئی کمی نہیں پڑتی باوجودیکہ تیری بخششیں بے حد ہیں
حُسنِ تو غنی کند ز ہر حُسن! مہر تو بخود کشد ز ہر یار!
تیرا حسن ہر حسن سے بے نیاز کر دیتا ہے اور تیری محبت ہر دوست کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے
حُسنِ نمکیت ار نہ بودے از حُسن نہ بودے ہیچ آثار
اگر تیرا نمکین حسن نہ ہوتا تو دنیا میں حسن کا نام و نشان نہ ہوتا
شونِ ز تو یافت روئے خوباں رنگ از تو گرفت گل بہ گلزار
محبوبوں کے چہروں نے تجھ سے رونق پائی پھول نے چمن میں تجھ سے رنگ حاصل کیا
سپسین ذقناں کہ سب دارند آمد ز ہماں بلند اشجار
حسینوں کے پاس جو سب جیسے رخسار ہیں۔ یہ انہی اونچے درختوں سے آئے ہیں۔
ایں ہر دو ازاں دیار آئند گیسوئے بتان و مشکِ تاتار
یہ دونوں بھی اُسی ملک سے آتے ہیں۔ حسینوں کے گیسو اور تاتار کا مشک
از بہرِ نمائشِ جمالت! پنم ہمہ چیز آئینہ دار!
تیرے جمال کی نمائش کے لئے میں ہر چیز کو آئینہ سمجھتا ہوں

ہر برگ صحیفۂ ہدایت! ہر جوہر و عرض شمع بردار
 ہر پتہ ہدایت کی ایک کتاب ہے۔ ہر ذات و صفت تجھے دکھانے کے لئے مشعلی ہے
 ہر نفس بتو رہے نماید ہر جاں بدہد صلائے ایں کار
 ہر نفس تیرا راستہ دکھاتا ہے اور ہر جان بھی اس بات کی ہی آواز دیتی ہے
 ہر ذرہ فشاند از تو نُورے ہر قطرہ براند از تو انہار
 ہر ذرہ تیرا نور پھیلاتا ہے۔ ہر قطرہ تیری توصیف کی نہریں بہاتا ہے
 ہر سُو زِ عجائب تو شورے ہر جا زِ غرائب تو اذکار!
 تیرے عجائبات کا ہر طرف شور ہے اور تیرے غرائب کا ہر جگہ ذکر ہے
 از یاد تو نُورہا بہ بینم! در حلقۂ عاشقانِ خونبار
 میں تیرے ذکر کی برکت سے انوار دیکھتا ہوں آہ وزاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں
 آنکس کہ بہ بندِ عشقت اُفتاد دیگر نشنید چند اغیار
 وہ شخص جو تیری قید محبت میں گرفتار ہو گیا۔ پھر اس نے دوسروں کی نصیحت نہ سنی
 اے مونسِ جاں چہ دلستانی کز خود برودیم بہ یکبار!
 اے میرے مونسِ جاں! تو کیسا دلستاں ہے کہ دفعتاً تو نے مجھے مدہوش کر دیا
 از یاد تو ایں دلے بہ غم غرق دارد گہرے نہاں صدف وار
 تیری یاد میں میرا دل غم میں غرق ہو کر صدف کی طرح ایک موتی اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے
 چشم و سر ما فدائے رویت جان و دل ما بتو گرفتار
 میری آنکھ اور سر تجھ پر قربان ہیں اور میرے جان و دل تیری محبت میں قید
 عشق تو بہ نقدِ جاں خریدیم تا دم نہ زند وگر خریدار
 ہم نے نقدِ جان دے کر تیرا عشق خریدا ہے۔ تاکہ پھر اور کوئی خریدار دم نہ مار سکے
 غیر از تو کہ سرزدے زچیم! در بُرجِ دلم نماند دیار
 تیرے سوا اور کون میرے گریبان میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اور کوئی بسنے والا ہی نہیں
 عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند کردیم و دے جز از تو دشوار
 ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ
 گذارنا بھی مشکل ہے۔

نظم کی صنف میں یہ قدرے طویل ہیں۔ خیال تھا کہ ان کے چیدہ چیدہ اشعار کا انتخاب کر کے پیش کر دیں گے مگر ایسا عمل ممکن نہیں ہوا۔ اول تو اس لیے کہ کوئی بھی شعر ایسا نہیں تھا جس کو نظر انتخاب درخور اعتناء نہ سمجھتی ہو اور قبول نہ کرتی ہو اور دوم اس لیے کہ نظم ایک ایسی صنف ہے جس کا ہر شعر باہم مربوط اور منظم ہوتا ہے۔ اور اس کا حُسن تسلسل بیان میں ہی ہوتا ہے۔ تاہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ آپ حضرت کے اسالیب ثنا کے تحت اس کلام کے حُسن و خوبی کو پیش کریں۔

اول نظم کے ابتدائی تین اشعار

سخنِ نازمِ مراں از شہرِ یارے

سے لیکر

رجیم و محسن و حاجت برارے

میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے اور ایسے جوش و جذبے سے ہے کہ فارسی زبان میں ایسی مثال تلاش کرنا بے سود ہوگا۔

اس ابتدا کے بعد جو دراصل اس نظم کا مطلع ہے۔ آپ محبت باری تعالیٰ کو بیان کرتے ہیں اور ”چوں آں یارِ وفادار آیدم یاد“ سے لیکر ”مرا باعشق او وقت ست معمور“ تک خدا تعالیٰ پر محبت سے فدا ہونے کا بہت ہی خوبصورت بیان ہے اور اس کے احسانات کی یاد ہے مشاہدہ کریں۔

دلِ در سینہ ریشمِ مجونید کہ بستیمش بدامانِ نگارے

دلِ من دلبرے را تخت گاہے سرِ من در رہِ یارے نثارے

مرا باعشق او وقت ست معمور چہ خوش وقتے چہ خرم روزگارے

بہت ہی خوبصورت اور محبت کے جوش سے بھرپور کلام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ اپنے کامل حسن و جمال کے ساتھ آپ کے روبرو ہو اور آپ محبت میں بیتاب ہو کر اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے یہ عرض کر رہے ہوں

چہ خوش وقتے چہ خرم روزگارے

دوسرے نمبر کی ثنا بھی اول ثنائیہ نظم کے تمام محاسن اور ادبی عظمت اور شان رکھتی ہے ایسا ہونا لازم بھی تھا کیونکہ دونوں میں محبوب مشترک ہے اور اس کا حسن و جمال بھی مشترک۔

تاہم

اول نظم میں ایک عاشقانہ ترنگ ہے ایک نعرہ مستانہ ہے۔ عشق کے جذبے کی بے ساختہ اور بے قابو نمود ہے۔ دوسری نظم بھی ان تمام خوبیوں کی حامل ہے۔ باری تعالیٰ کی عظمت کا اظہار بھی ہے۔ اپنے عشق کا بیان بھی ہے مگر بیان باوقار اور سنجیدہ ہے۔ اسلوب عالمانہ ہے۔

”اے دل بردلستاں و دلدار“ سے لے کر ”ہر سوز عجبائپ تو شورے“ تک باری تعالیٰ کی ذات و صفات کی عظمت کا بیان ہے اور بہت ہی عالمانہ اور باوقار انداز سے ہے اور آخری اشعار میں بے انتہا خوبی اور ادیبانہ انداز میں اپنے عشق کا اظہار ہے۔

دوبارہ سن لیں۔

از یاد تو نورہا بہ بینم	در حلقہٴ عاشقانِ خونبار
چشم و سر ما فدائے رویت	جان و دل ما بتو گرفتار
عشق تو بہ نقد جاں خریدیم	تادم نہ زندِ دگر خریدار
غیر از تو کہ سرزدے ز جیہم	در بُرجِ دلمِ نمائد دیار

فارسی ادب میں حمد و ثنا کا موضوع سخن بہت عام ہے۔ سعدی۔ جامی۔ اور سنائی اس صنف شعر کے اساتذہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ ان کے دواوین کی چھان بین کر لیں۔ آپ حضرات ان دو ادبی شاہکاروں کے مقابل تو کیا ان کے قریب سے بھی نہیں گذرتے۔ ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ حمد و ثنا کا سوتا عشق و محبت سے پھوٹتا ہے اور آپ حضرت سے بڑھ کر عاشقِ الہی کون ہوگا اور کون یہ کہہ سکے گا۔

عشق تو بہ نقد جاں خریدیم تادم نہ زندِ دگر خریدار
یعنی میں نے تیرا عشق اپنی جان قربان کر کے خریدا ہے تاکہ کوئی اور خریدار میرے مقابل پر نہ آسکے۔



عربی زبان میں ثناء باری تعالیٰ

اسلامی ادب میں حمد و ثنا اور نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ایسے موضوع ہیں جن کو فارسی اور اردو زبان کے شعراء نے بہت محبت سے قبول کر کے نغمہ سرائی کی ہے۔ یہ قبولیت صرف جستہ جستہ شعر کہنے تک محدود نہیں بلکہ بہت سے ایسے بلند مرتبہ شاعر ہیں جنہوں نے ان موضوعات کو اپنا خاص اور مستقل موضوع بنالیا تھا۔

عربی زبان میں ایسی روایت قائم نہیں ہو سکی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عربی ادب میں ان موضوعات کا تعارف قرآن کریم کی برکت سے ہوا ہے اور ایسی عظیم الشان ادبی شان و شوکت کے ساتھ ہوا ہے کہ سب ادیب دم سادھ کر بیٹھ رہے اور کسی کو گویائی کا یارا نہ ہوا۔

اس خیال کی تائید میں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت لبیدؓ سے ان کا تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے جواباً کہا کہ قرآن کے نزول کے بعد آپ نے شعر کہنا ترک کر دیا ہے۔

(سیرۃ النبی - شبلی نعمانی)

مگر خاکسار کے خیال میں عربی ادب میں یہ حادثہ اس لیے پیش آیا کہ اسلامی تاریخ میں ایک امام آخر زمان نے آنا تھا اور یہ افتخار اسی کے نصیب ہونا تھا کہ عربی شعر میں ان موضوعات کو حرز جان بنائے اور عربی ادب میں ان کو اپنے کلام کا محور اور مقصود بنائے جیسا کہ آپ حضرت فرماتے ہیں۔

أَنْتَ الْمُرَادُ وَ أَنْتَ مَطْلَبُ مَهْجَتِي وَ عَلِيكَ كُلُّ تَوَكُّلِي وَ رَجَائِي

تو ہی میری مراد اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے

أَنْتَ الَّذِي قَدْ كَانَ مَقْصِدًا مَهْجَتِي فِي كُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَ الْإِمْلَاءِ

تو ہی میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ اور لکھائی ہوئی تحریر میں

اس فرمان کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت کا عربی شعری کلام کبھی بلا واسطہ اور کبھی بالواسطہ ان ہی موضوعات پر مشتمل ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و شان۔ اس کی محبت اور اس کی جناب میں مناجات سے بھر پور ہے

نہایت اختصار کے پیش نظر ہم آپ کی حمد و ثنا کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

اول: آپ معبود حقیقی کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

لَكَ الْحَمْدُ يَا تَرْسِي وَ حَرْزِي وَ جَوْسِقِي بِحَمْدِكَ يَرْوِي كُلُّ مَنْ كَانَ يَسْتَقِي

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو جاتا ہے

بذکرک یجری کل قلب قد اعتقی بحبک یحیی کل میت ممزق
تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرایا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مُردہ زندہ ہو جاتا ہے
و باسّمک یحفظ کل نفس من الرّدا و فضلک یُنجی کل من کان یزبق
اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے
و ما الخیر الا فیک یا خالق الوری و ما الکھف الا انت یا متکاً التقی
اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیزگاروں کی پناہ ہے
و تعنوا لک الافلاک خوفاً و ہیبةً و تجری دموع الراسیات و تشبّق
اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں
و لیس لقلبی یا حفیظی و ملجأی سواک مریح عند وقت النازق
اور میرے دل کے لئے۔ اے میرے نگہبان اور پناہ! کوئی دوسرا آرام پہنچانے والا نہیں جب تنگی وارد ہو
یمیل الوری عند الکروب الی الوری و انت لنا کھف کبیت مسردق
دکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تو ہمارے لئے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر

حمد و ثنا کے یہ عربی اشعار اپنے حسن و خوبی اور اسلوبِ شعر عربی میں ایک شاہکار کلام ہے۔ اور ادب عربی میں اس عظمت و شان کی ثنا کہیں دستیاب نہیں ہوگی۔ اس میں وہ تمام عناصرِ ثنا جو اس موضوع کی جان ہوتے ہیں بدرجہ اتم موجود ہی نہیں بلکہ تاباں اور رخشاں ہیں۔

باری تعالیٰ کی عظمت و شان کا بیان بہت ہی پُر شوکت اور سراسر محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ابتدا کے تین اشعار میں تو ایسا جوش ہے جیسے بہت بلندی سے محبتِ الہی کا دریارواں دواں ہو اور اُس کو دنیا کی کوئی دیوار روک نہ سکے شاید اسی جوشِ محبت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے:

و تعنوا لک الافلاک خوفاً و ہیبةً و تجری دموع الراسیات و تشبّق
اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں۔

اور آخر پر بہت ہی خوبصورت۔ بہت عاجزی کے انداز میں عرض کرتے ہیں کہ آپ کا سہارا اور پناہ تو صرف باری تعالیٰ ہے۔ فرماتے ہیں:

یمیل الوری عند الکروب الی الوری و انت لنا کھف کبیت مسردق
دکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تو ہمارے لئے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر

دوسرے مقام پر بھی ثنا کو مشاہدہ کریں۔

يَا مَنْ أَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْأَلَاءِ نُشْنِي عَلَيْكَ وَ لَيْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم تیری تعریف کرتے ہیں لیکن تعریف کی طاقت نہیں پاتے۔

انظر إلی برحمة و عطفة یا ملجئی یا کاشف الغمّاء

مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر، اے میری پناہ! اے حزن و کرب کو دور فرمانے والے!

انت الملاذ و انت كهف نفوسنا فی هذه الدنيا و بعد فناء

تو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہ گاہ ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی۔

انارئينا فی الظلام مصيبة فارحم و انزلنا بدار ضياء

ہم نے تاریکی کے زمانہ میں مصیبت دیکھی ہے۔ تو رحم فرما اور ہمیں نور کے گھر میں اتار دے۔

تعفو عن الذنب العظيم بتوبة تنجی رقاب الناس من اعباء

تُو توبہ سے بڑے گناہوں کو (بھی) معاف فرما دیتا ہے تو (ہی) لوگوں کی گردنوں کو بھاری

بوجھوں سے نجات دیتا ہے۔

انت المراد و انت مطلب مهجتي و عليك كل توكلی و رجائی

تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

أعطيتني كأس المحبة ريقها فشربت رَوْحَاءَ عَلِي رَوْحَاءِ

تو نے مجھے محبت کی بہترین مے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

إني أموت و لا يموت محبتي بیدری بذکرک فی التراب ندائی

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی

میری آواز جانی جائے گی۔

مطلع میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں عرض کرتے ہیں کہ حمد و ثنا کا کوئی حق ادا نہیں کر سکتا اور پھر

مناجات اور دعا ہے اور آخر پر بہت ہی خوبصورت انداز میں اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ شعر کس قدر عشق اور

محبت سے لبریز ہے۔

انسی اموت و لا يموت محبتي بیدری بذکرک فی التراب ندائی

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔

اس شعر کو ذکر الہی کے زمرے میں شمار کریں۔ ذکر الہی ہو تو ایسا ہو مگر ایسا ذکر آپ حضرت ہی کا منصب ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ آپ حضرت نے فرمایا ہے کہ اس قصیدے کے لکھنے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی خارق عادت مدد کی ہے اور یہ بھی وہی بات ہے کہ حقیقی ثنایا تو خدا تعالیٰ کرتا ہے یا اس کی مدد سے کی جاتی ہے۔ حمد و ثنا کے مدارج میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اس کا شکر بجالانا بھی ایک حمد ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم و معرفت آپ کو عطا ہوئی ہے اس کے شکر میں بیان کرتے ہیں۔

علمی من الرحمن ذی الألاء بالله حزت الفضل لا بدھاء
میرا علم خدائے رحمان کی طرف سے ہے جو نعمتوں والا ہے۔ میں نے خدا کے ذریعہ فضل الہی کو حاصل کیا ہے نہ کہ عقل کے ذریعہ

كيف الوصول الی مدارج شکره نشنی علیہ و لیس حول ثناء
ہم اس کے شکر کی منزلوں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں کہ ہم اس کی ثنا کرتے ہیں اور ثنا کی طاقت نہیں
اللہ مولانا و کافل امرنا فی ہذہ الدنیا و بعد فناء
خدا ہمارا مولیٰ ہے اور ہمارے کام کا متکفل ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی
لولا عنایتہ بزمین تطلبی کادت تعقیسی سیول بکاء
اگر میری جستجوئے عہیم کے دور میں اس کی عنایت نہ ہوتی تو قریب تھا کہ آہ وزاری کے سیلاب مجھے نابود کر دیتے

بشریٰ لنا انا و جدنا مونسنا رباً رحیما کاشف الغمّاء
ہمارے لئے خوشخبری ہے کہ ہم نے مونس و غم خوار پالیا ہے جو رب و رحیم ہے اور غم و مصیبت کا دور کر نیوالا ہے
وله التفرد فی المحامد کلھا وله علاء فوق کل علاء
اور اسے تمام صفات میں یگانگت حاصل ہے اور اسے ہر بلندی سے بڑھ کر بلندی حاصل ہے
العاقلون بعالمین یرؤنہ و العارفون بہ رأوا اشیاء
تفہیمند لوگ تو کائنات کے ذریعے اسے دیکھتے ہیں اور عارفوں نے اس کے ذریعے اشیاء کو دیکھا ہے
ہذا هو المعبود حقاً للوری فردٌ و حیّدٌ مبدء الاضواء
یہی مخلوقات کے لئے معبودِ برحق ہے وہ ایک یگانہ و یکتا ہے اور سب روشنیوں کا مبداء ہے

یہی محاسن کلام کا حاصل بیان ہے۔ عاجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کیا ہے اور کیا ہی خوبصورت

انداز میں عارف باللہ انسان کی معرفت کے حصول کا ذریعہ بیان کیا ہے۔
فرماتے ہیں:

الْعَاقِلُونَ بَعَالَمِينَ يَرَوْنَهُ وَالْعَارِفُونَ بِهِ رَأُوا أَشْيَاءَ
عقل مند لوگ تو کائنات کے ذریعے اسے دیکھتے ہیں اور عارفوں نے اس کے ذریعے اشیاء کو دیکھا ہے
خدا تعالیٰ کے شکر کا ایک اور انداز بھی مشاہدہ کریں

أَيَا مُحْسِنِي أَنْتَىٰ عَلَيْكَ وَاشْكُرْ فِدَىٰ لَكَ رُوحِي أَنْتَ تُرْسِي وَمَأزُ
اے میرے محسن! میں تیری ثنا اور شکر کرتا ہوں۔ میری روح تجھ پر فدا ہو۔ تو میری ڈھال اور قوت ہے
بِفَضْلِكَ إِنَّا قَدْ غَلَبْنَا عَلَى الْعِدَى بِنَصْرِكَ قَدْ كَسَرَ الصَّلِيبُ الْمَبْطُرُ
تیرے فضل سے ہم نے دشمنوں پر غلبہ پایا ہے اور تیری نصرت سے ہی اترانے والی صلیب توڑ دی گئی ہے

فَتَحَّتْ لَنَا فَتْحًا مُّبِينًا تَفَضُّلاً بِفَوْجٍ إِذَا جَاءَ وَافَزَهُ قَ التَّنْصُرُ
تو نے ہمیں اپنی مہربانی سے فتح مبین عطا کی ایسی فوج سے کہ جب اس کے سپاہی پہنچے تو عیسائیت بھاگ نکلی
سَقَانِي مِنَ الْأَسْرَارِ كَأَسَا رَوِيَّةً وَإِنْ كُنْتُ مِنْ قَبْلِ الْهُدَى لَا أَعْتُرُ
اس نے مجھے اسرار کا سیرکن پیالہ پلایا اگرچہ میں اس راہنمائی سے پہلے (اس سے) آگاہ نہیں تھا
عَيُورٌ يُبِيدُ الْمُجْرِمِينَ بِسُخْطِهِ عَفُورٌ يُنَجِّي التَّائِبِينَ وَيَغْفِرُ
وہ غیرت مند ہے۔ اپنے غضب سے مجرموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ وہ بخشتا ہے، توبہ کرنے والوں
کو نجات دیتا ہے اور بخش دیتا ہے

وَحَيْدٌ فَرِيدٌ لَا شَرِيكَ لِدَاتِهِ قَوِيٌّ عَلَىٰ مُسْتَعَانَ مُقَدَّرُ
وہ یگانہ دیکتا ہے، اپنی ذات میں لاشریک ہے، قوی (اور) بلند مرتبہ ہے، اسی سے مدد مانگی جاتی
ہے (اور) تقدیر بنانے والا ہے

لَهُ الْمُلْكُ وَالْمَلَكُوتُ وَالْمَجْدُ كُلُّهُ وَكُلُّ لَهُ مَا بَانَ فِينَا وَيُظْهَرُ
اسی کے لیے حکومت، بادشاہی اور ساری بزرگی ہے اور سب اسی کا ہے جو ہم میں ظاہر ہوا اور ظاہر ہوگا
وَدُودٌ يُحِبُّ الطَّائِعِينَ تَرَحُّمًا مَلِيكٌ فَيُزْعِجُ ذَا شِقَاقٍ وَيَحْصِرُ
وہ بہت محبت کرنے والا ہے۔ فرمانبرداروں سے ازراہ شفقت پیار کرتا ہے۔ وہ بادشاہ ہے سو وہ
مخالف کو مضطرب کر دیتا ہے اور گھیرے میں لے لیتا ہے

يُحِيطُ بِكَيْدِ الْكَائِدِينَ بِعِلْمِهِ فَيُهْلِكُ مَنْ هُوَ فَاسِقٌ وَمُزَوَّرٌ
 وہ اپنے علم سے مکاروں کے مکر کا احاطہ کر لیتا ہے سو وہ اس شخص کو جو فاسق اور فریبی ہو ہلاک کر دیتا ہے
 وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَا كُفُوًا لَهُ وَحَيْدًا فَرِيدًا مَا ذَنَاهُ التَّكْثُرُ
 نہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ وہ یگانہ اور یکتا ہے۔ کثرت اس کے
 قریب بھی نہیں آئی

وَمَنْ قَالَ إِنَّ لَهُ إِلَهًا قَادِرًا سِوَاهُ فَقَدْ نَادَى الرَّدَى وَيَدْمَرُ

اور جو شخص کہے کہ اس کا ایک قادر معبود اس کے سوا ہے تو اس نے ہلاکت کو پکارا اور وہ ہلاک کیا جائے گا
 خدا تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کو بیان کر کے شکر ادا کرتے ہیں۔ مگر ایک واصل باللہ انسان کی طرح
 کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی عنایات ہیں وگرنہ خدا سے ہدایت پانے سے قبل آپ کے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ یہ
 مضمون مرسلین باری تعالیٰ کے علم و عرفان کا صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ہے۔ یہی معانی آپ حضرت
 نے ”امی“ اور ”مہدی“ کے مناصب کے کئے ہیں۔



نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس طور سے ہمارے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے محبوب ہیں اُسی طور سے آپ کی نعت بھی آپ کی اُمت میں تینوں زبانوں کے شاعروں نے کثرت سے بیان کی ہے گو اس کی ابتدا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد ہی سمجھی جاتی ہے مگر حق تو یہ ہے کہ آپ کی اوّل اور حقیقی نعت آپ کے اس فرمان سے شروع ہوتی ہے

”كُنْتُ نَبِيًّا وَّالْآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَّالطِّينِ“

یعنی آپ تقدیر الہی میں اس وقت بھی نبوت کے منصب کے حامل تھے جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھا (تخلیق نہیں ہوا تھا) اور منصب نبوت ہی آپ کی نعت اور مناقب کا محور اور مرکزی نقطہ ہے۔

”نعت“ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معانی مدح و تعریف کے ہیں۔ اردو زبان میں یہ صنفِ شعر اور یہ اصطلاح فارسی سے آئی ہے کیونکہ عربی میں ثناء رسول اکرمؐ کو مدح یا اوصافِ رسول اکرمؐ کا عنوان دیا جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ فارسی اور اردو میں نعتِ شعری کلام ہی کو کہتے ہیں۔ مگر عربی میں نظم و نثر دونوں میں مناقبِ رسولؐ کا عنوان مدحت و توصیفِ رسول اکرمؐ ہے۔

اسلامی ادب میں ایک مقبول صنفِ شعر ہونے کی وجہ سے اس پر بہت نقد و نظر ہوا ہے اور اس کے حقیقی منصب کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ ہر صنفِ شعر کا اپنا اسلوب اور طرز بیان ہوتا ہے اور شاعر اپنے کلام کو اس دائرہ قید و بند کی پاسداری کے ساتھ ہی تخلیق کرتا ہے غزل کو قصیدے کے انداز میں اور قصیدے کو مرثیہ گوئی کی طرز میں تخلیق نہیں کیا جاتا کیونکہ غزل کے موضوع عشق و محبت کی واردات ہیں اور قصیدہ کسی کی مدح و ستائش اور مرثیہ کسی وفات پر غم و اندوہ کے اظہار کا نام ہے اور ان سب کی جداگانہ لفظی اور معنوی علامات اور مجاز ہے۔

اس تقسیم اسالیب شعر کے ہونے پر بھی صرف ایک صنفِ شعر ایسی ہے جو تمام اصنافِ شعر کے اسلوب میں بیان ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے وہ نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس کا موجب یہ حقیقت ہے کہ مضمون کی مناسبت سے نعت میں عشقِ رسولؐ غزل کے انداز میں اور قصیدے کے اسلوب میں آپ کی عظمت و شان اور مرثیہ کے اسلوب پر آپ کی وفات کا الم بیان کیا گیا ہے اور بہت ہی خوبصورت انداز سے کیا گیا ہے جیسے کہ محسنؒ کا کوروی کا شوق و ارادہ ہے۔ اپنے مشہور عالم لامیہ قصیدے میں کہتا ہے:

سب سے اعلیٰ تیری سرکار ہے سب سے اول

میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

ہے تمنا کہ رہے نعت سے میرے خالی

نہ میرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

یہ اشعار تو دستور ادب کے بیان میں آگئے ورنہ قصیدے کی صنف میں ابوطالب کے اس نعتیہ شعر کا کون
مقابل ہو سکتا ہے۔

وَ اَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثَمَالُ الْيَنَامِي عَصْمَةً لِلْارَامِلِ

وہ روشن و تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے
والی اور پیواؤں کی پناہ ہیں۔

ابن ہشام کے حوالے سے ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش کے
برسنے اور قحط کے آثار اٹھنے پر آنحضرتؐ فداہ ابی و امی نے فرمایا ”کہ اگر ابوطالب یہ دیکھتے تو بہت خوش
ہوتے“ کسی نے پوچھا کہ کیا حضور کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہے۔ اس
طرز سے یہ شعر ان نعتیہ اشعار میں اول مقام پر فائز ہو گیا جس کی صداقت کو آپ حضرتؐ نے قبول فرمایا ہے۔
بیت کے انداز میں حضرت مسیح موعودؑ کا شعر مشاہدہ کریں۔

ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ہم قرآن اور رسول اکرمؐ کے عاشق ہیں اسی کے ساتھ آئے ہیں اور اسی کے ساتھ جائیں گے
اس تسلسل میں خاکسار اپنی محترم مکرم اور پیاری پھوپھی حضرت نواب مبارکہ بیگمؒ (جو حضرت اقدس علیہ السلام
کی دختر نیک اختر تھیں) کی عظیم الشان اور نادر نعتِ رسول کا یہ ٹیپ کا شعر فراموش نہیں کر سکتا فرماتی ہیں۔

بھیج درود اُس محسن پر تودن میں سوسو بار

”پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار“

(مصرع ثانی الہام حضرت اقدسؐ ہے)

میں اس شعر کو ایک مکمل نعتِ رسول اکرمؐ کے طور پر شمار کرتا ہوں اس کا اول مصرع خدا تعالیٰ کے فرمانِ صلوا
علیہ وسلموا تسلیما کا بے انتہاء خوبصورت ترجمہ ہے اور دوسرا مصرع بھی اپنے حسن و خوبی کے اعتبار سے آپ
حضرت کے روحانی منصب کی بہترین تعبیر ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ اب جبکہ آپ حضرت کی دختر

نیک اختر کا ذکر چل نکلا ہے تو میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان کی ادبی شان کے بیان میں کچھ کہے بغیر آگے نکل جاؤں۔ ایام جاہلیہ کے کسی شاعر نے بہت خوب کہا:

وَمِنْ مَذْهَبِي حُبُّ الدِّيارِ لِأَهْلِهَا
وَلِلنَّاسِ فِي ما يَعشِقُونَ مَذاهِبُ
میرے مذہب میں محبوب کی محبت میں اس کے گھر سے محبت کرنا لازم ہے اور لوگوں کے اپنے عشق کے مذاہب مختلف ہوتے ہیں۔

اردو زبان کی اقدار ادبی اور اسالیب شعر کی روشنی میں آپ کا کلام ان تمام ادبی محاسن کا حامل ہے جو اساتذہ اردو شعر نے مقرر کئے ہیں بلکہ ان کا ہم پلہ ہے اور اگر موضوعات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یقیناً ان سب پر فائق ہے۔ ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی گود میں بیٹھ کر ادب حاصل کیا تھا اور اسی درس گاہ میں ادب کے حقیقی موضوعات کی تعلیم پائی تھی

نعت رسول میں آپ کا سلام اور دودایا ہے کہ دل میں اترتا جائے پاکیزہ بات اور خوبصورت بیان ہے
صَلِّ عَلَيَّ نَبِيْنَا. صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ کے عنوان سے جو نعت پیش کی ہے وہ دنیا کے نعت کے شاہکاروں میں سب سے اول رکھی جاسکتی ہے خاص طور پر ہر بند کا اول کا مصرعہ تو حسن دلبری میں بے نظیر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں فرماتی ہیں

اسوۂ پاکِ خلقِ ربّانی منتہائے کمالِ انسانی

صَلِّ عَلَيَّ نَبِيْنَا صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ

اور فرماتی ہیں

مصحفِ دیدِ عکسِ یزدانی منتہائے کمالِ انسانی

صَلِّ عَلَيَّ نَبِيْنَا صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ

اور کہتی ہیں

منجِ جود و فضلِ ربّانی منتہائے کمالِ انسانی

صَلِّ عَلَيَّ نَبِيْنَا صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ

اور آخر پر سلام عرض کرنے میں تو صیغہ و منقبت کو ایسی محبت سے پیش کرتی ہیں کہ دریائے حسن کلام اور حسن معانی بننے لگتا ہے۔

اور ٹیپ کے شعر میں کہتی ہیں

مہرِ عالمِ طیبِ روحانی منتہائے کمالِ انسانی

صَلِّ عَلَيَّ نَبِيْنَا صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ

اسی طور سے آپ کی نعت ”پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار“ کے عنوان سے ہے جس میں بیان ہے کہ ضلالت اور تاریکی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سورج طلوع ہوتا ہے تو انسانیت کا ہر طبقہ اس سے کس طور پر فیض پاتا ہے ایک عظیم الشان نعت ہے خاص طور پر جہاں ”عورت“ مخاطب ہے۔ الغرض نعت مناجات دین اسلام اور حضرت مسیح موعودؑ کی محبت میں جس قدر بھی موضوعات ہیں سب اردو ادب کے شاہکار ہیں آپ کے کلام کا مجموعہ ”دُرِّ عدن“ کے نام سے اشاعت پا چکا ہے جو یقیناً اس قابل ہے کہ احمدی بچے اور جوان اس کو حفظ کریں اور اپنے سینوں میں محفوظ کر لیں۔ ان چند الفاظ میں آپ سیدہ کے کلام کے محاسن پیش کرنے کے بعد ہم اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

اور قطعہ کی صنف میں سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور عالم اور امت میں بہت مقبول قطعہ پیش کرتے ہیں:-

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

آپ کو بلندی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کے حسن نے تاریکیوں میں اجالا کر دیا

حَسَنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ صَلَّوْا عَلَيْهِ وَآلِهِ

آپ کے تمام خصائل حسین تھے۔ اس پر اور اس کی آل پر درود بھیجو

قطعہ میں حضرت اقدس کو یہ نعتیہ قطعہ بہت پسند تھا

فرمایا: پس ہم نے ایک ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے۔ کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے۔

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دوسرا

کرے ہے روحِ قدس جس کے در کی دربانی

اُسے خدا تو نہیں کہہ سکیں یہ کہتا ہوں

کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 302)

قطعہ میں مرثیہ بیان کرنے کا حقیقی منصب تو حضرت حسان بن ثابت کے نصیب میں آیا۔ فرماتے ہیں

كنت السواد لناظري فعمى عليك الناظر

آپ میری آنکھ کی پتلی تھے۔ آپ کی وفات پر میری آنکھ اندھی ہو گئی

من شاء بعدك فليمت فعليك كنت احاذر

آپ کے بعد جو چاہے وفات پائے۔ مجھے تو آپ کی وفات کا خطرہ تھا

روایت ہے کہ آپ حضرت ان اشعار کو پڑھ کر زار و قطار روتے تھے اور کہتے تھے کہ کاش یہ شعر آپ نے کہے ہوتے اور مرثیے کے انداز میں فاطمہ زہراؑ بتولؑ کے یہ دو اشعار بھی ہمیں بہت محبوب ہیں۔ فرماتی ہیں۔

ماذا على من شم تربة احمد ان لا يشم مدى الزمان غواليبا
جس نے احمد (ﷺ) کے قبر کی مٹی سونگھی اور اگر وہ عمر بھر کوئی عطر نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان
ہوگا؟ (یعنی عمر بھر اس کو کسی عطر کے سونگھنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی)
صبت على مصائب لو انها صبت على الايام صرن لياليا

مجھ پر وہ مصائب پڑے ہیں کہ اگر دنوں پر یہ مصائب ڈالے جاتے وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

نعتِ رسول کریم ایسے صاحبِ انصاف اور صاحبِ بصیرت لوگوں نے بھی بیان کی ہے جن کا آپ حضرت سے روحانی رشتہ بھی نہیں تھا اور مصاحبت بھی نہیں تھی۔ ان ہستیوں میں جو سب سے زیادہ محبوب ہستی ہے اور جس کی برجستہ نثری نعت کو آپ کی امت نے ایسا قبول کیا ہے کہ آج تک اُس کا نام عاشقانِ رسول اکرم کے حلقوں میں احترام اور محبت سے یاد کیا جاتا ہے اور اس نثر پر ہزار نظمِ قربان کی جاسکتی ہے۔

ایک بادیہ نشین صحرا گزین خاتون تھی جن کا نام اُمّ معبد تھا۔ ہمارے پیارے آقا اور مطاع سے ان کی ملاقات ایسے ہوئی کہ جب آپ حضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف سفر کر رہے تھے تو سر راہ اُن کا خیمہ تھا۔ آپ کے قافلے نے وہاں قیام کیا اور خاتون سے کہا کہ اگر تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کو ہے تو دو۔ اس خاتون نے کہا کہ افسوس ہے کہ کچھ پیش کرنے کو نہیں ہے۔ بکریاں صحرا میں چرنے کے لیے جا چکی ہیں۔ آنحضرت نے ایک بکری کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اس بکری کا دودھ ہی کافی ہوگا۔ اس پر خاتون کہنے لگی کہ یہ تو ایک کمزور بکری ہے اسی وجہ سے اس کو ریوڑ کے ساتھ روانہ نہیں کیا گیا۔

آپ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔ اُس نے کہا کہ ضرور ایسا کریں۔ آنحضرت نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر ہاتھ رکھا اور ایک برتن مانگا تو اس کا دودھ لبریز ہو کر زمین پر گرنے لگا۔ آپ نے خود بھی نوش فرمایا اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا اور بہت سا باقی ماندہ اُمّ معبد کو بھی دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب اس کا خاندان آیا اور اس نے دودھ سے لبریز برتن دیکھا تو استفسار کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ اس سوال کے جواب میں (میرے یقین کے مطابق) اس خاتون کی زبان اور چشمِ بصیرت کو اللہ نے خاص برکت سے نوازا اور اس نے آپ کے حسن و جمال اور آپ کے وقار اور تمکنت اور آپ کے غلاموں کی اطاعت کو ایسی فصاحت و بلاغت اور ایسی بصیرت سے بیان کیا کہ آثار اور روایت میں رسول اکرم کا ایسا سراپا کوئی پیش نہ

کر سکا۔ اس نے کہا:

میں نے ایک انسان دیکھا پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی و شیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ سرگلیں آنکھ، باریک اور پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریا لے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پر وقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی طرف کھینچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی جیسے موتیوں کی لڑی۔ قد نہ ایسا پست کہ کمتر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو۔ بلکہ ایک شاخِ گل ہے، جو شاخوں کے درمیان ہو۔ زیندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں۔ جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کو جھپٹتے ہیں، مخدوم و مطاع نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ صفحہ 130 تا 134)

اور غزل کے انداز میں ہمارے پیارے مسیح علیہ السلام کے مقابل پر کیا ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

جان و دم فدائے جمالِ محمد است خاتمِ نثارِ کوچہ آلِ محمد است
میری جان و دل محمد کے جمال پر فدا ہیں۔ اور میری خاک آلِ محمد کے کوچے پر قربان ہے
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش در ہر مکان ندائے جلالِ محمد است
میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا۔ ہر جگہ محمد کے جلال کا شہرہ ہے
ایں چشمہٴ رواں کہ مخلقِ خدا دہم یک قطرہٴ ز بحرِ کمالِ محمد است
معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوقِ خدا کو دے رہا ہوں۔ یہ محمد کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے
ایں آتشِ مہرِ محمدی ست و ایں آبِ من ز آبِ زلالِ محمد است
یہ میری آگ محمد کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے اور میرا پانی محمد کے مصفا پانی میں سے لیا ہوا ہے

یہ مختصر اور غزل کے انداز میں تخلیق کئے ہوئے اشعار تو نعتِ رسولِ اکرمؐ کے اسلوبِ شعر اور اس کی ہیئت کے تعلق میں ہے (ہیئت سے مراد اشعار کی خارجی صورت ہے) مقصد یہ ہے کہ یہ ناطا ہر کیا جائے کہ نعتِ رسولِ اکرمؐ ہی ایک ایسی صنفِ شعر ہے جس کو ہر اسلوب اور انداز میں رقم کیا گیا ہے اور بہت خوبی سے کیا گیا ہے مگر اس کے مضامین اور انتخابِ الفاظ کے اعتبار سے ہر نعت گو پر لازم ہے کہ آدابِ نعت کا التزام کرے۔

اصولی طور پر آداب نعت کے دو بنیادی عناصر اور شرائط ہیں۔

اول: نعت کے مضامین میں رسول اکرمؐ کی عظمت اور شان اور ان سے محبت کے اظہار میں ایسا اعتدال ہو کہ کسی صورت میں ان میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور مافوق الفطرت صفات کو بیان نہ کیا جائے
دوم: الفاظ کے انتخاب میں ایسا وقار اور تہذیب جو حضرت رسالت مآب کے روحانی منصب کو سزاوار ہے یہ وہ اقدار نعت رسول اکرمؐ ہیں جن کو عاشقان رسول نے اور زبان دانوں نے دل و جان سے قبول کیا ہے تاہم ان کی مکمل پاسداری اور احتیاط کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ہدیہ نعت پیش کرنے والے کو حضرت سرور انبیاء کے روحانی منصب کا شعور ہو اور آپ کی سیرت طیبہ کا تفصیلی علم ہو
اول مقام پر تو رسول اکرمؐ کے قرب الہی کا مقام اور آپ کی سیرت کا علم باری تعالیٰ کو ہی ہے جس نے آپ کو نبوت کے کمالات کے اعتبار سے اور انسان کامل ہونے کے اعتبار سے خود تخلیق کیا ہے۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں مراتب کے بیان سے بھرا ہوا ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر دو مقامات کو حضرت مسیح موعودؑ کی تفسیر کیساتھ پیش کرتے ہیں

اول مقام پر باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (المائدة: 16)

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرًّا جَاهًا مُبِينًا (الاحزاب: 47)

آپ حضرت فرماتے ہیں۔

انبیاء مجملہ سلسلہ متفاونہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نورِ باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نورِ مجسم ہو گئے ہیں اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (الجز: 6) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرًّا جَاهًا مُبِينًا (الجز: 22) یہی حکمت ہے کہ نورِ وحی جس کے لئے نورِ فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص

ہوا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اور فطرتی مقام کو کن خوبیوں کیساتھ تخلیق

فرمایا ہے یہی موضوعات آپ کی نعت کے ہیں۔

دوسرے مقام پر اس دنیا میں آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام قرب الہی کو تو وہی پیش بیان کر سکتا ہے جو واصل باللہ ہوا اور جس کو یہ عرفان خدا تعالیٰ کی وحی اور الہام کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہوا اور جس کو باری تعالیٰ کی جناب سے نائب اور وارث رسول کا خطاب ملا ہوا اور وہ نیابت اور وراثت کے اعتبار سے آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری تجلی ہو جیسے کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
 اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الہی میں کسی سے کم نہیں ہوں
 وارث مصطفیٰ شدم بہ یقین شدہ رنگیں برنگِ یار حسین
 میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اور اُس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں
 اور اس عرفان الہی اور اتحادِ کامل کی بنا پر سیرت رسول اکرمؐ کا حقیقی علم و شعور ہونا بھی آپ ہی کا منصب ہے جو
 کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔
 فرماتے ہیں:

تا مرا دادند از حسنش خبر شد دل از عشق او زیر و زبر
 جب سے مجھے اُس کے حسن کی خبر دی گئی ہے۔ میرا دل اُس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے
 منکے سے پیغم رُخ آں دلبرے جاں فشام گر دہد دل دیگرے
 میں اُس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی اُسے دل دے تو میں اُس کے مقابلہ پر جان نثار کردوں
 ساقی من ہست آں جاں پرورے ہر زمان مستم کند از ساغرے
 وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے
 محورے او شد است این روئے من بوئے او آید ز بام و گوئے من
 یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُس کی خوشبو آ رہی ہے
 بسکہ من در عشق او ہستم نہاں من ہانم۔ من ہانم۔ من ہماں
 از بسکہ میں اُس کے عشق میں غایب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں
 جان من از جان او یابد غذا از گریبانم عیاں شد آں ذکا!
 میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے
 احمد اندر جان احمد شد پدید اسم من گردید آں اسم وحید

احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا اس لیے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے اس مضمون کے اختتام پر حضرت مسیح موعودؑ کا ایک نثری فرمان بھی سن لیں جو کہ الہام الہی ہے فرماتے ہیں۔

كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ

(ترجمہ: ہر ایک برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے پس بڑا مبارک وہ جس نے تعلیم دی اور جس نے تعلیم پائی)

فرماتے ہیں:

یعنی یہ مخاطبات اور مکالمات کا شرف جو مجھے دیا گیا ہے یہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا طفیل ہے اور اسی لئے یہ آپ ہی سے ظہور میں آرہے ہیں۔ جس قدر تاثیرات اور برکات و انوار ہیں وہ آپ ہی کے ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس الاحزاب: 41)

ان گذارشات سے یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرنے کا حقیقی حقدار کون ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ نعت کے دو ہی عنوانات ہیں۔ اول یہ کہ باری تعالیٰ سے قرب کی نسبت سے آپ کا منصب عالی کیا ہے دوم یہ کہ انسان ہونے کے اعتبار سے آپ کے اخلاق اور فضائل عالی کیا ہیں۔ اپنے دستور کے مطابق ہم اول قرآن کریم کے فرمودات کو پیش کرتے ہیں۔ اول عنوان کے تحت ہم عرض کرتے ہیں کہ دراصل یہ قرآن کریم کا حقیقی موضوع ہے جو تمام موضوعات اور مقاصد قرآن کریم کا محور ہے جیسا کہ سورۃ ہود کی ابتدائی آیات میں فرماتا ہے

الَّذِي كَتَبَ أَحْكَمَتِ آيَاتِهِ ثُمَّ فَصَّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ حَكِيمٍ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا

اللَّهُ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ (هود: 30)

حضرت اقدس ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی آیات سچی اور استوار ہیں“

إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهُ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی پرستش نہ کرو اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: 57) فرماتے ہیں ”عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر

قسم کی قساوت اور کچی کودور کر کے زمین کو ایسا صاف کر دے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔
اور فرمایا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے درخت اس میں پیدا ہو کر نشوونما پائیں گے۔ اور وہ
انٹار شیریں و طیب ان میں لگیں گے جو اُنْ كُنْهُمَا ذَا اِيْمَةٍ (الرعد: 36) کے مصداق ہوں گے۔
(تفسیر حضرت زبیر آیت ہود)

اور عبادت نام ہے محبت کے انتہائی مقام کا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر اور نذیر بنا
کر بھیجا گیا تو ان کو ایسا قرب الہی عطا کیا گیا کہ وہ ہر اتباع کرنے والے کو اصل خدا بنا سکیں چنانچہ اول عنوان
کے تحت یہ فرمان الہی پیش کیا جاتا ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ال عمران: 32)

حضرت اقدس اس فرمان الہی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

سوال: مسیح نے اپنی نسبت یہ کلمات کہے ”میرے پاس آؤ تم جو تھکے اور ماندے ہو کہ میں
تمہیں آرام دوں گا“۔ اور یہ کہ ”میں روشنی ہوں اور میں راہ ہوں میں زندگی اور راستی ہوں“۔ کیا
بانی اسلام نے یہ کلمات یا ایسے کلمات کسی جگہ اپنی طرف منسوب کیے ہیں۔

الجواب: قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ الخ یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو
تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔ یہ وعدہ کہ میری پیروی سے انسان خدا کا
پیارا بن جاتا ہے مسیح کے گذشتہ اقوال پر غالب ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں کہ
انسان خدا کا پیارا ہو جائے۔ پس جس کی راہ پر چلنا انسان کو محبوب الہی بنا دیتا ہے اس سے زیادہ
کس کا حق ہے کہ اپنے تئیں روشنی کے نام سے موسوم کرے۔
(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

ایک اور مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عالی کے بیان میں فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقام تو یہ تھا کہ آپ محبوب الہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے
دوسرے لوگوں کو بھی اس مقام پر پہنچنے کی راہ بتائی جیسا کہ فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ يُغْفِرْ لَكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ
 اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ اب غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل
 اتباع محبوب الہی تو بنا دیتی ہے۔ پھر اور کیا چاہیے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب الہی ہونے اور ان کے متبعین کو محبت الہی کے عطا کرنے
 کی برکات کے بیان میں ایک عظیم الشان فرمان حضرت اقدس ہے:

قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔ اول: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي۔

دوم: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ تیسرا: موہبت الہی

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 38)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے بغیر اس
 کے یہ مقام مل ہی نہیں سکتا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اسی مضمون کے تسلسل میں یہ فرمان الہی بھی ہے کہ رسول اکرم کے اسوہ کے سوا خدا تعالیٰ کا قرب اور وصال
 حاصل نہیں ہو سکتا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب: 22)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اتباع سے خدا
 ملتا ہے اور آپ کے اتباع کو چھوڑ کر خواہ کوئی ساری عمر ٹکریں مارتا رہے گوہر مقصود اس کے ہاتھ
 میں نہیں آ سکتا چنانچہ سعدیؒ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ضرورت بتاتا ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا و لیکن میفرمائے بر مصطفیٰ

زہد و ورع میں کوشش کرو مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق

یہاں تک روحانی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی منصب و مقام کا ذکر ہوا ہے۔ اب انسان

کامل ہونے کے اعتبار سے آپ کے خصائل مبارکہ اور اخلاقِ حسنہ کو قرآن کریم کے فرمان کے تحت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبة: 128)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ اس فرمانِ قرآن کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

جذب اور عقدِ ہمت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہے اور ظل اللہ بنتا ہے پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لیے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لیے آپ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی یہ رسول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا وہ اس پر سخت گراں ہے اور اسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

فَأَشَارَ إِلَهُ فِي قَوْلِهِ عَزِيزٌ وَ فِي قَوْلِهِ حَرِيصٌ إِلَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَظْهَرُ صِفَتِهِ
الرَّحْمَنِ بِفَضْلِهِ الْعَظِيمِ لِأَنَّهُ رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِينَ كُلِّهِمْ وَ لِنَوْعِ الْإِنْسَانِ وَ الْحَيَوَانَ
وَ أَهْلِ الْكُفْرِ وَ الْإِيمَانِ. ثُمَّ قَالَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ فَجَعَلَهُ رَحْمَانًا وَ
رَحِيمًا.

ترجمہ از مرتب: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیز اور حرص کے الفاظ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے فضلِ عظیم سے اس کی صفتِ رحمن کے مظہر ہیں کیونکہ آپ کا وجود مبارک سب جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ بنی نوع انسان حیوانات۔ کافروں۔ مومنوں سبھی کے لیے۔ پھر فرمایا بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ اور اس میں آپ کو رحمان اور رحیم کے نام دیئے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور اس مضمون کے تسلسل میں باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی تو ہے فرماتا ہے

(الانبیاء: 108)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور تجھ کو ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمام عالم پر نظر رحمت کریں اور نجات کا راستہ اُن پر کھول دیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لئے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جاوے پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسول ہیں اور تمام دُنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دُنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مزید فرماتے ہیں۔

تمام دُنیا پر رحم کر کے ہم نے تجھے بھیجا ہے اور عالمین میں کافر اور بے ایمان اور فاسق اور فاجر بھی داخل ہیں اور اُن کے لئے رحم کا دروازہ اس طرح پر کھولا کہ قرآن شریف کی ہدایتوں پر چل کر نجات پاسکتے ہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور رحمۃ للعالمین ہونے کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خَلْقِ عَظِيمٍ عطا کیا۔ جیسے فرماتا ہے۔

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ (القلم: 5)

حضرت اقدس اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

تُو اے نبی! ایک خلقِ عظیم پر مخلوق و مفسور ہے یعنی اپنی ذات میں تمام مکارمِ اخلاق کا ایسا متمم و مکمل ہے کہ اُس پر زیادت متصور نہیں کیونکہ لفظِ عظیم محاورہ عرب میں اُس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور مزید تفصیل سے فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ نے بیشمار خزانے کے دروازے آنحضرت پر کھول دیے سو آنجناب نے ان سب کو خدا کی راہ میں خرچ کیا اور کسی نوع کی تن پروری میں ایک حَبہ بھی خرچ نہ ہوا نہ کوئی عمارت بنائی نہ کوئی بارگاہ تیار ہوئی بلکہ ایک چھوٹے سے کچے کوٹھے میں جس کو غریب لوگوں کے کوٹھوں پر

کچھ بھی ترجیح نہ تھی اپنی ساری عمر بسر کی۔ بدی کرنے والوں سے نیکی کر کے دکھلائی اور وہ جو دل آزار تھے اُن کی مصیبت کے وقت اپنے مال سے خوشی پہنچائی۔ سونے کے لئے اکثر زمین پر بستر اور رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا جھونپڑا اور کھانے کے لئے نان جو یافا قہ اختیار کیا۔ دُنیا کی دولتیں بکثرت ان کو دی گئیں پر آنحضرتؐ نے اپنے پاک ہاتھوں کو دُنیا سے ذرا آلودہ نہ کیا اور ہمیشہ فقر کو تو نگری پر اور مسکینی کو امیری پر اختیار رکھا۔ اور اُس دن سے جو ظہور فرمایا تا اُس دن تک جو اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے بجز اپنے مولیٰ کریم کے کسی کو کچھ چیز نہ سمجھا اور ہزاروں دشمنوں کے مقابلے پر معرکہ جنگ میں کہ جہاں قتل کیا جانا یقینی امر تھا خالصاً خدا کے لئے کھڑے ہو کر اپنی شجاعت اور وفاداری اور ثابت قدمی دکھلائی۔ غرض جو اور سخاوت اور زُہد اور قناعت اور مردی اور شجاعت اور محبتِ الہیہ کے متعلق جو جو اخلاقِ فاضلہ ہیں وہ بھی خداوند کریم نے حضرت خاتم الانبیاء میں ایسے ظاہر کئے کہ جن کی مثل نہ کبھی دُنیا میں ظاہر ہوئی اور نہ آئندہ ظاہر ہوگی۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ ہمارے آقا اور سیدی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فدا امی و ابی) کی روحانی اور فطرتی مناصبِ علوی تھے جن کی بنا پر باری تعالیٰ نے صرف یہ حکم ہی نہیں صادر فرمایا کہ آپ حضرت کے نمونے کو اختیار کرو بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اس رسول پر صلوات و درود بھیجتے ہیں اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ آپ حضرت پر درود و سلام بھیجے۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
(الاحزاب: 57)

خدا اور اس کے سارے فرشتے اُس نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایماندارو تم بھی اُس پر درود بھیجو اور نہایتِ اخلاص اور محبت سے سلام کرو۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس فرمانِ خداوندی کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

دُنیا میں کروڑ ہا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے بھی ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوب تر اس مردِ خدا کو پایا جس کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔
إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
ان قوموں کے بزرگوں کا ذکر تو جانے دو جن کا حال قرآن شریف میں تفصیل سے بیان نہیں کیا

گیا صرف ہم اُن نبیوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء سوہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہ آتے اور قرآن شریف نازل نہ ہوتا اور وہ برکات ہم پچشم خود نہ دیکھتے جو ہم نے دیکھ لئے تو ان تمام گزشتہ انبیاء کا صدق ہم پر مشتبہ رہ جاتا۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر عظیم الشان نکتہ نعتِ رسول اکرم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی صدق و وفا دیکھئے آپ نے ہر ایک قسم کی بدتحریک کا مقابلہ کیا۔ طرح طرح کے مصائب و تکالیف اٹھائے لیکن پرواہ نہ کی۔ یہی صدق و وفا تھا جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اللّٰهُ تَعَالٰی اور اس کے تمام فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم درود و سلام بھیجو نبی پر۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف یا اوصاف کی تحدید کرنے کے لئے کوئی لفظِ خاص نہ فرمایا۔ لفظ تو مل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کئے یعنی آپ کے اعمال صالحہ کی تعریف تحدید سے یزیدوں تھی۔ اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپ کی رُوح میں وہ صدق و صفا تھا اور آپ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکرگزاری کے طور پر درود بھیجیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

باری تعالیٰ کے فرمودات اور حضرت اقدس کی تفسیر و تعبیر سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ نعت رسول اکرم کے حقیقی اور بنیادی موضوعات دو ہیں یعنی آپ کا تعلق باللہ اور اپنے تابعین میں اس تعلق کو قائم کرنے کا منصب اور دوسرے آپ کا ہمدردی خلق کا جذبہ اور شوق مگر ایک بہت ہی اہم موضوع جس کا تعلق مومنین کی محبت اور عشق رسول سے ہے۔ ہم نے جو آیات منصب رسول اکرم کے بیان میں پیش کی ہیں ان میں یہ معانی بھی مضمّن ہیں کہ روحانی منصب اور اخلاقِ حسنہ کے حصول کے لئے عاشقانہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّبْكُمْ اللّٰهُ کے فرمان میں واضح ہے کہ محبتِ الہی کا وسیلہ آپ کا اتباع ہے جو محبت رسول سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اور یہ فرمان کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** واضح کر رہا ہے کہ ایسا قلبی درود و سلام محبت کے بغیر کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ اور مومنین کے درمیان باپ اور اولاد کا رشتہ قائم فرمایا ہے۔ جیسے کہ فرماتا ہے:

الَّتِي أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجَهُ أُمَّهَاتُهُمْ..... (البقرة: 7)

ترجمہ: نبی مومنوں سے ان کی جان کی نسبت بھی زیادہ قریب ہے اور اس کی بیویاں ان کی

مائیں ہیں۔

اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ تم باری تعالیٰ کو ایسی محبت سے یاد کرو (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (البقرة: 201)

حضرت اقدسؒ باپ بیٹے کے رشتہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا یعنی اپنے اللہ عز و جل کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مخدوم اُس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدت واقعہ ہو جاتی ہے اور حُب جو ہر ایک کدورت اور غرض سے مصفا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اُس کی جڑ ہے تب جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادر زاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہم رنگ اور اُس کی جڑ ہو جاتا ہے کہ سعی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اُس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اُس کی رفتار اور کردار اور خواہر بوضوفاً تام اُس میں پائی جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس یہی حال اس میں ہوتا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدسؒ زیر آیت)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی تو ہے کہ باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا شرط ایمان ہے۔

فرماتے ہیں۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ .
(بخاری کتاب الایمان ،باب حب الرسول من الایمان)

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے والد اور اپنی اولاد

اور تمام انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے“

اس مقام تک ہم نے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب اور اس کے اسالیب ادب کی تعین میں گزارشات کی ہیں اور آپ کی منقبت میں اللہ تعالیٰ کے فرمودات پیش کئے۔

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان میں ہم نے بہت اختصار سے آنحضرتؐ کے وہ مناقب اور عظمت بیان کی ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمان کی ہے اور یہی وہ حقیقی اور صداقت پر مبنی عظمت رسول ہے جو آپ کی شایان شان ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کے مناقب کے ذیل میں اور اس کی روشنی میں آنحضرتؐ نے جو اپنی عظمت و شان بیان کی اور اس کو بھی چند الفاظ میں پیش کر دیں

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مناقب کے بیان سے بھرپور ہیں ہم ان فرمودات میں سے صرف تین اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

اول مقام پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرض منصبی کو بیان کرتے ہیں جس کی بجا آوری کے لئے آپ کو اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ گذشتہ میں سورہ ہود کی آیت نمبر 2 اور 3 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کیساتھ بیان ہوا ہے کہ آپ کو خدائے واحد پر ایمان اور صرف اس کی عبادت کے قیام کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اس منصب عالی کے بیان میں آپ فرماتے ہیں کہ نوع انسانی میں سب سے اول آپ کو واحد خدا کی شناخت کا عطیہ دیا گیا اور منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَتَىٰ وَجَبَتْ لَكَ النَّبُوءَةُ قَالَ وَادِّمُ
بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

(ترمذی ابواب المناقب)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ!

آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت اقدس اس منصب عالی کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوال ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ - کیا میں تمہارا خدا نہیں؟ کے جواب میں سب سے اوّل ”بلی“ کہنے والی روح آنحضرتؐ کی تھی اس لیے آپؐ ”آدم توحید“ ہیں۔

فرمایا:

روح اودر گفتن قول ”بلی“ اوّل کسے آدم توحید و پیش از آدمش پیوند یار

ترجمہ: قول بلی کہنے میں اس کی روح سب سے اوّل ہے وہ توحید کا آدم ہے اور آدم سے بھی پہلے یار (اللہ) سے اس کا تعلق تھا

یہی وہ اولین منصب رسول اکرمؐ ہے جس کی ذیل میں آپؐ کی تمام اسماء ذاتی اور صفاتی آتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوظیفیل سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”میرے رب کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ میں محمد۔ احمد۔ فاتح۔ خاتم۔ ابوالقاسم۔

حاشر۔ عاقب۔ ماجی۔ یس اور طہ ہوں“

(خصائص الکبریٰ زیر باب آنحضرت کے اسماء صفاتی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر بھی اپنے مناقب بیان فرمائے ہیں وہ سب برحق ہیں اور ہم ان سب کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ مگر دو فرمودات تو ایسے دلربا ہیں کہ ان میں آپؐ کی شان کے تعلق میں تمام عظیم الشان مناقب جمع ہو گئے ہیں اور ان میں ہمارے لیے ایک نوید جانفزا بھی ہے کہ آپؐ جیسا رحیم اور درگزر کرنے والا نبی ہماری شفاعت کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

فرماتے ہیں:

اَلَا اَنَا حَبِيبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِيَّوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرًا وَاَنَا
اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرًا وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحْرِكُ حَلْقَ الْجَنَّةِ
فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ يَدْخُلِيْنَهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرًا وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوْلِيْنَ
وَالْاٰخِرِيْنَ وَلَا فَخْرًا

(ترمذی ابواب المناقب)

ترجمہ: سن لو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں قیامت کے دن سب سے پہلا شفیع بھی میں ہی ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائیگی اور کوئی فخر نہیں۔ سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکانے والا بھی میں ہوں اللہ تعالیٰ میرے لئے اسے کھولے گا اور مجھے داخل کریگا میرے ساتھ فقیر و غریب مومن ہونگے اور کوئی فخر نہیں۔ میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم ہوں لیکن کوئی فخر نہیں۔

اسی مضمون میں ایک اور بہت پیاری روایت ہے فرماتے ہیں:

ابی سعید قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ : أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ بِيَدِي
لِوَأَى الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ - آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ - إِلَّا تَحَتَّ لِوَأِيِّ ،
وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ

(ترمذی ابواب المناقب باب ما جاء في مناقب النبي)

ترجمہ: ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ”میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا مگر کوئی فخر نہیں ہے اور میرے ہاتھ میں حمد باری تعالیٰ کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے اور نبیوں میں سب کے سب (آدم اور اس کے سوا) میرے جھنڈے تلے ہونگے اور کوئی فخر نہیں ہے ورسب سے اول میرے لیے زمین شق کی جائے گی اور کوئی فخر نہیں ہے۔

اس مضمون میں ایک اور فرمان بھی سن لیں۔ فرمایا:

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ يَزِيدَ الْكُوفِيُّ ثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ كَيْثِ عَنِ الرَّبِيعِ
بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا وَ
أَنَا حَاطِيهِمْ إِذَا وَقَدُوا وَ أَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا يَنْسُوا وَ لِوَأَى الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي وَأَنَا
أَكْرَمُ وُلْدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي وَلَا فَخْرَ

(ترمذی باب المناقب)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی اٹھنے والا ہوں۔ جب لوگ وفد بن کر جائیں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا وہ ناامید ہوں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں

اردو زبان میں

اب ہم حضرت اقدسؑ کی نعت ہائے رسولؐ کے نمونے پیش کرتے ہیں ابتدا آپ کی اردو نعت سے کرتے ہیں جو اردو زبان میں نعت کا عظیم الشان نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مقام کے بیان میں اور آپ حضرتؑ کے فیض اور آپ سے محبت کے اظہار میں نہایت درجہ سادہ اور سہل زبان میں مگر معارف سے بھری ہوئی نعت سرور عالی مقام ہے۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
 نام اُس کا ہے مُحَمَّدٌ دل بر مرا یہی ہے
 سب پاک ہیں پیمبر۔ اک دوسرے سے بہتر
 لیک ازخداے برتر خیر الوری یہی ہے
 پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں ایک قمر ہے
 اس پر ہر اک نظر ہے۔ بدر الدجی یہی ہے
 پہلے تو رہ میں ہارے پار اُس نے ہیں اُتارے
 میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
 پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے
 دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
 وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی
 دیکھا ہے ہم نے اس سے بس راہ نما یہی ہے
 وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلین ہے
 وہ طیب و امین ہے اس کی ثناء یہی ہے
 حق سے جو حکم آئے سب اُس نے کر دکھائے
 جو راز تھے بتائے نعم العطاء یہی ہے
 آنکھ اسکی دُور ہیں ہے دل یار سے قریں ہے
 ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عین الضیاء یہی ہے
 جو راز دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے
 دولت کا دینے والا فرماں روا یہی ہے
 اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
 وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
 وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ
 باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
 وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے
 ہم تھے دلوں کے اندھے سوسو دلوں میں پھندے
 پھر کھولے جس نے جندے وہ مجتبیٰ یہی ہے

مشاہدہ کریں کہ کیسا اتباع قرآن کریم ہے
 مطلع ”قد جاء کم من اللہ نور“ سے شروع ہوا ہے اور بہت دل فریب انداز میں بیان ہوا ہے
 وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے ”نور“ سارا
 نام اُس کا ہے محمدؐ دل بر مر ابیہی ہے
 اور بعد کے تین شعر انبیاء علیہم السلام کے مقابل پر آپ کے منصب کے بیان میں ہیں یعنی ”پہلوں سے
 خوب تر ہے“ سے لیکر

”پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے“ تک آپ کا وہ مقام بیان ہوا ہے جو آپ کو خدا تعالیٰ نے الہاماً بتایا تھا
 ”پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار“

آگے بڑھ کر ”وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی“ سے لیکر ”جو راز دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے“ تک
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام بیان ہوا ہے جو باری تعالیٰ نے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
 حَسَنَةً لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب: 22) کے فرمان میں بیان کیا ہے
 دوبارہ مشاہدہ کر لیں نہایت درجہ حسین اور دلربا کلام ہے۔

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی

سے لیکر

دیکھا ہے ہم نے اس سے بس راہ نما یہی ہے

اور آخر پر

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

سے لیکر

ہم تھے دلوں کے اندھے سوسو دلوں میں پھندے
 تک ایک والہانہ اظہار محبت ہے اور آنحضرتؐ کے روحانی فیوض کا نذرانہ تشکر ہے۔

فرماتے ہیں:

ہم تھے دلوں کے اندھے سوسو دلوں میں پھندے

پھر کھولے جس نے جندے وہ معجزتی یہی ہے

اس اسلوب پر ایک اور عظیم الشان نعت کا بھی مشاہدہ کریں۔ اس نعت میں ایک ندرت بیان یہ بھی ہے کہ اس کا مطلع صداقت اسلام کے بیان میں ہے۔ نعت رسول میں یہ اس لحاظ سے نادر بات ہے کہ حقیقت میں آنحضرتؐ کی نعت و منقبت کا مدار اسی پر ہے کہ آپ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین اور آخری کتاب کیساتھ مبعوث کیا ہے اس حقیقت کو آپ نے بہت ہی حسین انداز میں پیش کیا ہے اور یہی آپ حضرت کی نعت کا نقطہ مرکزی ہے۔

فرماتے ہیں:

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے

کوئی دین محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے

یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا

نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

اور آگے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور الہی کے حامل ہونے کا بیان ہے اور پھر آپ کی محبت میں اس

نور سے نہایت درجہ حصہ پانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عاشقانہ دعا ہے۔

مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت

جس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

فرماتے ہیں:

آؤ لوگو! کہ یہیں نور خدا پاؤ گے!!

لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
 دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
 مصطفےٰ پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت
 اُس سے یہ نور لیا بارِ خُدا یا ہم نے
 ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مُدام
 دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
 اُس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں
 لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
 اور عشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے محامد میں بیان کرتے ہیں۔
 فرماتے ہیں:

تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
 تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے
 تیری اُلفت سے ہے معمورِ مرا ہر ذرہ
 اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے
 دلیرا! مجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی
 آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
 بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش
 جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے
 دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
 نور سے تیرے شیاطین کو جلایا ہم نے
 ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رسلؐ
 تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
 آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
 مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج
 شورِ محشر تیرے کوچے میں مچایا ہم نے
 آپ کے مناقب میں بے انتہا پُر معرفت اور فرمانِ قرآن کی اتباع میں یہ پُر عظمت شعر فرمایا۔
 ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسل
 تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

یہ شعر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ترجمہ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران: 111)

ہم نے اختصار کی غرض سے شانِ اسلام اور نعتِ رسول اکرم کی نظم سے صرف نعتیہ اشعار کو اختیار کیا ہے
 کیونکہ ہم شانِ اسلام سے متعلق اشعار کو ایک جداگانہ موضوع کے طور پر پیش کریں گے۔ گو یہ نظم اس شان کی ہے
 کہ اس کا مکمل طور پر مطالعہ کرنا بہت لطف دیتا ہے۔

آخر پر ایک چھوٹی سی صرف چار اشعار پر مشتمل نعت ہے بہت ہی سادہ و پُر کار ہے۔ نعت کے تمام مضمون اس
 میں جمع ہیں۔ محبت رسول بھی ہے۔ منصب رسول بھی ہے۔ اور شانِ قرآن کریم بھی۔ اور آخر پر بہت پیارے انداز
 میں فرمایا ہے

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلامِ احمد ہے

غلام احمد اضافت کیساتھ بہت ہی خوبصورت موازنہ ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے
 ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ یعنی میری امت کے علماء ربانی بنی اسرائیل کے انبیاء کا منصب رکھتے
 ہیں۔ اور غلام احمد نام کے طور پر بھی حسین ہیں کیونکہ آپ مسیح الزمان ہیں ان معنوں ہی میں آپ پر خدا کا الہام ہوا
 اور باری تعالیٰ کی نہایت درجہ حسین نعت ظہور میں آئی۔

الہام حضرت:

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے

جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

سبحان اللہ۔ اس نعت کا کون مقابل ہوگا۔

پوری نظم پیش ہے۔

زندگی بخش جامِ احمد ہے
 کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
 لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
 سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے
 باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا
 میرا بُستاں کلام احمد ہے
 ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
 اس سے بہتر غلام احمد ہے



حضرت اقدس کی نعتِ رسول اکرمؐ

فارسی زبان میں

بہت درست کہا گیا ہے کہ فارسی زبان کا مزاج روحانی ہے۔ یہ حقیقت فارسی ادب کی تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ ابوالسعید ابوالخیر سے لے کر سعدیؒ، رومیؒ، جامیؒ اور سنائی تک بلکہ اس منصب کے اور بہت سے اساتذہ نے ثناءِ باری تعالیٰ اور نعتِ رسول اکرمؐ اور محبتِ الہی کے موضوعات کو اپنے ادب کا نصب العین بنا لیا تھا۔ یہ فارسی زبان کی قابلِ ناز خوش نصیبی ہے شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ابناءِ فارس میں سے ایک امامِ آخر زمان نے آنا تھا اور اس نے اس زبان میں اہل زبان کی طرح سے حقیقی محبتِ الہی کی ذیل میں تمام روحانی موضوعات پر کلام تخلیق کرنا تھا۔ اس زبان سے محبت رکھنے والوں کے لئے تو یہ مناسبت بہت موزوں اور عزیز ہوگی۔ اس بیان کے اثبات میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اقدس نے نعتِ رسول کو فارسی زبان میں بہت کثرت سے بیان کیا ہے اور ہر صنفِ شعر میں بیان کیا ہے۔

نعت، قصائد، مثنوی، ابیات، غزل اور نظم میں بھی ہے۔ یہ صورت تو خاص اس موضوع کے تحت کلام کی ہے وگرنہ آپ حضرت کے دستور کلام کے مطابق تو ہر روحانی موضوع یکے بعد دیگرے اول آخر پر کروٹ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے عشقِ رسول اکرمؐ کے تحت نعتیہ کلام سے آپ کی زبان مبارک تر رہتی ہے۔ بات سے بات نکل رہی ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر دل فریب ہے۔

ما طفل کم سواد سبق قصہ ہائے دوست صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

ہم ایسے نالائق طفلِ کتب ہیں کہ دوست کے قصے کو سو بار پڑھا ہے مگر اس کو پھر سے پڑھنے لگتے ہیں

اس کثرتِ بیان کے ہوتے ہوئے ہم نے یہ دستور اختیار کیا ہے کہ ہر صنفِ کلام سے نعت کے

مضامین کے تحت کلام کو پیش کریں

ابتدا آپ کے عظیم الشان دعائیہ قصیدے سے کرتے ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے بیان کو بہت محبت اور جوش سے شروع کرتے ہیں اور قصیدے کی اقدار ادب کے مطابق بہت ہی تمکنت اور عالمانہ انداز میں فرماتے ہیں:

در دلم جوشد ثنائے سرورے آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں اُس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل آنکہ روحِ واصلِ آں دلبرے
وہ جس کی جانِ خدائے ازل کی عاشق ہے وہ جس کی روح اُس دلبر میں واصل ہے
آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است ہجوِ طفلے پروریدہ در برے
وہ جو خدا کی مہربانیوں سے اُس کی طرف کھینچا گیا ہے اور خدا کی گود میں ایک بچہ کی مانند پلا ہے
آنکہ در بڑ و کرم بحرِ عظیم آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے
وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحرِ عظیم ہے اور کمالِ خوبی میں ایک نایاب موتی ہے
آنکہ در جود و سخا ابرِ بہار آنکہ در فیض و عطا یک خاورے
وہ جو بخشش اور سخاوت میں ابرِ بہار ہے اور فیض و عطا میں ایک سورج ہے
آں رحیم و رحمِ حق را آیتے آں کریم و جودِ حق را مظہرے
وہ رحیم ہے اور رحمتِ حق کا نشان ہے وہ کریم ہے اور بخششِ خداوندی کا مظہر ہے
آں رُخِ فرخ کہ یک دیدار اُو زشتِ رو را می کند خوش منظرے
اُس کا مبارک چہرہ ایسا ہے کہ اُس کا ایک ہی جلوہ بد صورت کو حسین بنا دیتا ہے
آں دلِ روشن کہ روشن کردہ است صد درونِ تیرہ را چوں اخترے
وہ ایسا روشن ضمیر ہے جس نے روشن کر دیا سینکڑوں سیاہ دلوں کو ستاروں کی طرح
آں مبارک پئے کہ آمدِ ذاتِ اُو رحمتے ز اں ذاتِ عالم پرورے
وہ ایسا مبارک قدم ہے کہ اُس کی ذاتِ خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمت بن کر آئی ہے
احمدِ آخرِ زماں کز نورِ او شد دلِ مردم ز خورِ تاباں ترے
اس احمدِ آخرِ زماں کے نور سے لوگوں کے دل آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئے
از بنی آدمِ فزوں تر در جمال و ز لالی پاک تر در گوھرے
وہ تمام بنی آدم سے بڑھ کر صاحبِ جمال ہے اور آبِ دُتاب میں موتیوں سے بھی زیادہ روشن ہے
برلشِ جاری ز حکمتِ چشمے در دلش پُر از معارفِ کوثرے
اس کے منہ سے حکمت کا چشمہ جاری ہے اور اُس کے دل میں معارف سے پُر ایک کوثر ہے
اور قرآن کے فرمان کے مطابق آپ کے خدمتِ خلق کے جذبے کو بیان کرتے ہیں۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيْمٌ (التوبة: 128)

ترجمہ: ”یعنی یہ رسول تمہاری تکلیف کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اس پر سخت گراں ہے۔ اور اُسے ہر

وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں،‘
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

خواجہ و مر عاجزاں را بندہ بادشاہ و بیکساں را چاکرے
وہ اگرچہ آقا ہے مگر کمزوروں کا غلام ہے۔ وہ بادشاہ ہے مگر بیکسوں کا چاکر ہے
آں ترجمہا کہ خلق از وے بدید کس ندیدہ در جہاں از مادرے
وہ مہربانیاں جو مخلوق نے اُس سے دیکھیں۔ وہ کسی نے اپنی ماں میں بھی نہیں پائیں۔
از شراب شوقی جاناں بیخودے در سرش بر خاک بنہادہ سرے
وہ محبوب کے عشق کی شراب میں بیخود ہے اُس کی محبت میں اُس نے اپنا سر خاک پر رکھا ہوا ہے
روشنی از وے بہر قومے رسید نُورِ او زشید بر ہرکشورے
اُس سے ہر قوم کو روشنی پہنچی۔ اُس کا نور ہر ملک پر چمکا
آیت رحمان برائے ہر بصیر حجت حق بہر ہر دیدہ ورے
وہ ہر صاحب بصیرت کے لئے آیت اللہ اور ہر اہل نظر کے لیے حجت حق ہے
ناتواناں را برحمت دستگیر خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے
کمزوروں کا رحمت کے ساتھ ہاتھ پکڑنے والا اور نامیدوں کا شفقت کے ساتھ غم خوار
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کے اظہار میں فرماتے ہیں:

یک نظر بہتر ز عمر جاوداں گرفتہ کس را برآں خوش پیکرے
ہمیشہ کی زندگی سے ایک نظر بہتر ہے اگر اُس پیکرِ حُسن پر پڑ جائے
منکہ از حُسنش ہے دارم خبر جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
میں جو اُس کے حسن سے باخبر ہوں اُس پر اپنی جان قربان کرتا ہوں جبکہ دوسرا صرف دل دیتا ہے
یادِ آں صورت مرا از خود برد ہر زماں مستم کند از ساغرے
اُس کی یاد مجھے بیخود بنا دیتی ہے۔ وہ ہر وقت مجھے ایک ساغر سے مست رکھتا ہے
مے پریدم سوئے کوئے او مدام من اگرے داشتہ بال و پرے
میں ہمیشہ اُس کے کوچہ میں اُڑتا پھرتا اگر میں پر و بال رکھتا
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے منصب کو بیان کر کے اپنا سلام پیش کرتے ہیں۔

او چہ مے دارد بمدح کس نیاز مدح او خود فخر ہر مدحت گرے
اُسے کسی کی تعریف کی کیا حاجت ہے اس کی مدح ہر مدحت گر کے لئے باعث فخر ہے
ہست او در روضہ قدس و جلال و از خیالِ مادحاں بالا ترے
وہ پاکیزگی اور جلال کے گلستان میں متمکن ہے اور تعریف کرنے والوں کے وہم سے بالاتر ہے
اے خدا بر وے سلام ما رساں ہم برِ اخوانش ز ہر پیغمبرے
اے خدا ہمارا سلام اس تک پہنچا دے نیز ہر پیغمبر پر جو اس کا بھائی ہے
اور آخر پر تمام انبیاء اور خاص طور پر رسول اکرمؐ کے طفیل ایک نہایت ہی موثر اور عاجزانہ مناجات کرتے ہیں۔

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم! ہچو خاکے اوفتادہ بر درے
ہم تو سب پیغمبروں کے غلام ہیں اور خاک کی طرح اُن کے دروازہ پر پڑے ہیں
ہر رسولے کو طریقِ حق نمود جان ما قرباں برآں حق پرورے
ہر وہ رسول جس نے خدا کا راستہ دکھایا ہماری جان اُس راستباز پر قربان ہے
اے خداوندم بہ نحیل انبیاء کش فرستادی بہ فضلِ اوفرے
اے میرے خدا ان انبیاء کے گروہ کے طفیل جن کو تو نے بڑے بھاری فضلوں کے ساتھ بھیجا ہے
معرفت ہم دہ چو بخشیدی دلم مے بدہ زان ساں کہ دادی ساغرے
مجھے معرفت عطا فرما، جیسے تو نے دل دیا ہے شراب بھی عطا کر جبکہ تو نے جام دیا ہے
اے خداوندم بنامِ مصطفیٰؐ کش شدی در ہر مقامے ناصرے
اے میرے خدا۔ مصطفیٰ کے نام پر جس کا تو ہر جگہ مددگار رہا ہے
دستِ من گیر از رہِ لطف و کرم در مہم باش یار و یاورے
اپنے لطف و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ اور میرے کاموں میں میرا دوست اور مددگار بن جا
تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ہچو خاکم بلکہ زان ہم کترے
میں تیری قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں اگرچہ میں خاک کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی کم تر
دوسرا ایسے قصیدہ بھی مشاہدہ کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب الہی کے بیان میں فرماتے ہیں:

چوں ز من آید ثنائے سرورِ عالی تبار عاجز از مدحش زمین و آسمان ہر دو دار
مجھ سے اُس عالی قدر سردار کی تعریف کس طرح ہو سکتے جس کی مدح سے زمین و آسمان اور دونوں جہان عاجز ہیں

آں مقامِ قرب کو دارد بدلدارِ قدیم کس ندانندشانِ آں از واصلانِ کردگار
 قرب کا وہ مقام جو وہ محبوبِ ازلی کے ساتھ رکھتا ہے اُس کی شان کو واصلانِ بارگاہِ الہی میں سے بھی کوئی نہیں جانتا
 آں عنایتِ با کہ محبوبِ ازل دارد بدو کس بخوابے ہم ندیدہ مثلِ آں اندر دیار
 وہ مہربانیاں جو محبوبِ ازلی اس پر فرماتا رہتا ہے۔ وہ کسی نے دنیا میں خواب میں بھی نہیں دیکھیں
 سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقان آنکہ روحش کرد طے ہر منزل وصلِ نگار
 خاصانِ حق کا سردار اور عاشقانِ الہی کی جماعت کا بادشاہ ہے جس کی روح نے محبوب کے وصل کے ہر درجہ کو طے کر لیا ہے
 یا نبی اللہ توئی خورشیدِ رہ ہائے ہدیٰ بے تو نارد روبرہے عارفِ پرہیزگار
 اے نبی اللہ! تو ہی ہدایت کے راستوں کا سورج ہے تیرے بغیر کوئی عارفِ پرہیزگار ہدایت نہیں پاسکتا
 یا نبی اللہ لبِ تو چشمہٴ جاں پرور است یا نبی اللہ توئی در راہِ حق آموزگار
 اے نبی اللہ! تیرے لبِ زندگی بخش چشمہ ہیں اے نبی اللہ! تو ہی خدا کے راستے کا رہنما ہے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

زندگانی چہست جاں کردن براہِ تو فدا رستگاری چہست در بندِ تو بودن صید وار
 زندگی کیا ہے یہی کہ تیری راہ میں جان کو قربان کر دینا۔ آزادی کیا ہے؟ یہی کہ تیری قید میں شکار بن کر رہنا
 تا وجودم ہست خواہد بود عشقت در دلم تا دلم دورانِ خون دارد بہ تو دارد مدار
 جب تک میرا وجود باقی ہے تیرا عشق میرے دل میں رہیگا جب تک میرے دل میں خون دورہ
 کرتا ہے تب تک اس کا دار و مدار تجھ پر ہے۔

یا رسول اللہ برویت عہد دارم استوار عشقِ تو دارم از ازاں روزے کہ بودم شیرخوار
 یا رسول اللہ میں تجھ سے مضبوط تعلق رکھتا ہوں اور اُس دن سے کہ میں شیر خوار تھا مجھے تجھ سے محبت ہے۔
 در دو عالم نسبتے دارم بتو از بس بزرگ پرورش دادی مرا خود ہچھو طفلی در کنار
 دونوں جہانوں میں میں تجھ سے بے انتہا تعلق رکھتا ہوں۔ تو نے خود بچے کی طرح اپنی گود
 میں میری پرورش فرمائی۔

یادکن وقتیکہ در کشفم نمودی شکلِ خویش یادکن ہم وقتِ دیگر کا مدی مشتاق وار
 وہ وقت یاد کر جب تو نے کشف میں مجھے اپنی صورت دکھائی تھی اور ایک موقع بھی یاد کر جب تو
 میرے پاس مشتاقانہ تشریف لایا تھا

یاد کن آں لطف و رحمتہا کہ با من داشتی وہ آں بشارت ہا کہ میدادی مرا از کردگار
ان مہربانیوں اور رحمتوں کو یاد کر جو تو نے مجھ پر کیں اور ان بشارتوں کو بھی جو خدا کی طرف سے تو مجھے دیتا تھا
یاد کن وقتے چو نمودی بہ بیداری مرا آں جمالے آں رُخے آں صورتے رشک بہار
وہ وقت یاد کر جب بیداری میں تو نے مجھے دکھایا تھا۔ اپنا جمال وہ چہرہ اور وہ صورت جس پر موسم
بہار بھی رشک کرتا ہے۔

ایہات اور مثنوی کی صنف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے رہبر کامل ہونے کی برکات
کے بیان میں فرماتے ہیں۔
عظیم الشان نعتیہ کلام ہے۔

آں شہ عالم کہ نامش مصطفیٰؐ سید عشاقِ حق شمس الضحیٰ
وہ جہاں کا بادشاہ جس کا نام مصطفیٰؐ ہے جو عشاقِ حق کا سردار اور شمسِ الضحیٰ ہے۔
آنکہ ہر نورے طفیلِ نورِ اوست آنکہ منظورِ خدا منظورِ اوست
وہ وہ ہے کہ ہر نور اسی کے طفیل سے ہے اور وہ وہ ہے جس کا منظور کردہ خدا کا منظور کردہ ہے۔
آنکہ بہر زندگی آبِ رواں در معارف ہچو بحر بیکراں
اس کا وجود زندگی کے لیے آبِ رواں ہے اور حقائق اور معارف کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔
آنکہ بر صدق و کمالت در جہاں صد دلیل و حجت روشن عیاں
وہ کہ جس کی سچائی اور کمال پر دنیا میں سینکڑوں دلیلیں اور روشن براہین ظاہر ہیں۔
آنکہ انوارِ خدا بر روئے او مظہرِ کارِ خدائی کوئے او
وہ جس کے منہ پر خدائی انوار برستے ہیں اور جس کا کوچہ نشاناتِ الہی کا مظہر ہے۔
آنکہ جملہ انبیاء و راستاں خادمانش ہچو خاکِ آستاں
وہ کہ تمام نبی اور راست باز خاکِ در کی طرح اس کے خادم ہیں۔
آنکہ مہرِ مے رساند تا سما مے کند چوں ماہِ تاباں در صفا
وہ کہ جس کی محبت آدمی کو آسمان تک پہنچاتی ہے اور صفائی میں چمکتے ہوئے چاند کی طرح بنا دیتی ہے۔
از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی! نامِ ہر مرسلِ بنامِ او جلی
ہر نبی کا نور اسی کے طفیل سے ہے اور ہر رسول کا نام اس کے نام کی وجہ سے روشن ہے۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خدا ست منعکس دروے ہماں خوئے خداست
مصطفیٰ تو خدا کے چہرہ کا آئینہ ہیں ان میں خدا تعالیٰ کی ہی تمام صفات منعکس ہیں
گرندیستی خدا او را بین من زانی قَدْ رَأَى الْحَقَّ اِیْنَ یَقِیْنَ
اگر تو نے خدا کو نہیں دیکھا تو انہیں دیکھ یہ حدیث یقینی ہے کہ ”جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا“
غزل کی صنف میں ایک بہت ہی خوبصورت اور دلربا نعت ایسی ہے کہ اس کا حسن و خوبی بیان نہیں ہو سکتی۔
سادہ اور دل فریب۔ مختصر مگر پر معارف۔ عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی نعت ہے۔

جان و دم فدائے جمالِ محمدؐ است خاکم نثارِ کوچہٗ آلِ محمدؐ است
میری جان و دل محمد کے جمال پر فدا ہیں اور میری خاک آلِ محمد کے کوچے پر قربان ہے۔
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش در ہر مکان ندائے جلالِ محمدؐ است
میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا۔ ہر جگہ محمد کے جلال کا شہرہ ہے
ایں چشمہٗ رواں کہ بخلقِ خدا دہم یک قطرہٗ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است
معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوقِ خدا کو دے رہا ہوں۔ یہ محمد کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے
ایں آتشِ مہرِ محمدی ست و این آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است
یہ میری آگ محمد کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے اور میرا پانی محمد کے مصفا پانی میں سے لیا ہوا ہے
غزل میں ایک اور بڑے معارفِ صدقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ایک بہت ہی مؤثر نعت ہے۔

عجب نوربست در جانِ محمدؐ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان میں ایک عجیب نور ہے محمد کی کان میں ایک عجیب و غریب لعل ہے
ز ظلمتِ ہا دلے آنگہ شود صاف کہ گردد از مہبانِ محمدؐ
دل اُس وقت ظلمتوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ محمد صلعم کے دوستوں میں داخل ہو جاتا ہے
عجب دارم دلِ آلِ ناکساں را کہ رُو تابند از خوانِ محمدؐ
میں ان نالایقوں کے دلوں پر تعجب کرتا ہوں جو محمد صلعم کے دسترخوان سے منہ پھیرتے ہیں
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
دونوں جہان میں میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو محمد کی سی شان و شوکت رکھتا ہو
اگر خواہی نجات از ہستیِ نفس! بیا در ذلیلِ مستانِ محمدؐ
اگر تو نفس کی بد مستیوں سے نجات چاہتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مستانوں میں سے ہو جا

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت بشو از دل ثنا خوان محمد
اگر تو چاہتا ہے کہ خدائیری تعریف کرے تو تہ دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدح خواں بن جا
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش محمد ہست برہان محمد
اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن جا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود محمد کی دلیل ہے
آپ کے عشق رسول کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے بھی یہ شعر تخلیق فرما کر الہام کیا۔

الا اے دشمن نادان و بے راہ بترس از تیغ بران محمد
اے نادان اور گمراہ دشمن ہوشیار ہو جا اور محمد کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر
رہ مولیٰ کہ گم کردند مردم بجو در آل و اعوان محمد
خدا کے اس راستہ کو جسے لوگوں نے بھلا دیا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور انصار میں ڈھونڈھ
الا اے منکر از شان محمد ہم از نور نمایان محمد
خبردار ہو جا! اے وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نیز محمد کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے
کرامت گرچہ بے نام و نشان است بیا بنگر ز غلمان محمد
اگرچہ کرامت اب مفقود ہے۔ مگر تو آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے
ایک لاجواب قطعہ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ کے فرمان کے مطابق مشاہدہ کریں۔

محمد است امام و چراغ ہر دو جہاں محمد است فروزندہ زمین و زمان
محمد ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے محمد ہی زمین و زمان کا روشن کرنے والا ہے
خدا نگویش از ترس حق مگر بخدا خدا نماست وجودش برائے عالمیان
میں خوف خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم اس کا وجود اہل جہان کے لیے خدا نما ہے
اور آخر پر عشق رسول اکرم کے اظہار میں چند نہایت درجہ خوبصورت اور دل ہلا دینے والے اشعار کا مشاہدہ کریں۔
فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مضمرم گر کفر ایں بود بخدا سخت کافر
خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں
ہر تار و پود من بسراید بعشق او از خود تہی و از غم آں دلستاں پر
میرے رگ و ریشہ میں اُس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق کے غم سے پُر ہوں

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم دستش محافظِ است زہرِ بادِ صرصرم
 میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے
 یارب بزاریم نظرے کن بلطف و فضل جز دستِ رحمتِ تو دگر کیست یا ورم
 اے میرے رب میری گریہ و زاری کو دیکھ کر لطف و کرم کی ایک نظر کر کہ تیری رحمت کے ہاتھ کے سوا اور کون میرا مددگار ہے
 جانم فدا شود برہ دینِ مصطفیٰ! این است کامِ دل اگر آید میسر م!
 میری جان مصطفیٰ کے دین کی راہ میں فدا ہو۔ یہی میرے دل کا مدعا ہے کاش میسر آجائے



نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

عربی زبان میں

جیسا کہ ہم نے آپ حضرت کی فارسی نعت کے تعلق میں کہا ہے کہ وہ اس قدر تفصیل سے ہے کہ مکمل نعتیہ قصائد طوالت کے خوف سے پیش کرنے مشکل ہیں اس لیے ہم آپ کے قصائد میں سے بنیادی اقدار نعت کے چند نمونے پیش کریں گے۔ اسی دستور کو قائم رکھتے ہوئے ہم عربی میں اول اُس قصیدے کے نمونے پیش کرتے ہیں جس کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

- 1- یہ قصیدہ آپ کی ذہنی کاوش اور ذاتی محنت سے تحریر نہیں ہوا بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی تائید اور راہنمائی سے تخلیق ہوا ہے
- 2- اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کا ادبی اسلوب اور محاسن کلام بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ یہ قدرت کلام آپ کی صداقت کا ایک نشان ہے۔

آپ حضرت اس نعت کی ابتدا میں آنحضرتؐ کے ذاتی صفات آپ کی عظمت و شان میں فرماتے ہیں۔

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللَّهِ وَالْعَرْفَانِ يسعَى اليك الخلق كالظمانِ

اے اللہ کے فیض و عرفان کے چشمے! خلقت تیری طرف پیاسے کی طرح دوڑ رہی ہے۔

يا بحر فضل المنعم المنان تهوى اليك الزمر بالكيزان

اے انعام و احسان کرنے والے خدا کے فضل کے سمندر! لوگوں کے گروہ کوڑے لئے ہوئے تیری طرف لپکے آ رہے ہیں۔

يا شمس ملك الحسن و الاحسان نور و وجه البر و العمران

اے حسن و احسان کے ملک کے آفتاب! تو نے بیابانوں اور آبادیوں کے چہرے کو منور کر دیا ہے

قوم رأوك و امة قد اخبرت من ذلك البدر الذي اصباني

ایک قوم نے تو تجھے دیکھا ہے اور ایک امت نے خبر سنی ہے اس بدر کی جس نے مجھے (اپنا) عاشق بنا دیا ہے

ييكون من ذكر الجمال صباية وتألما من لوعة الهجران

وہ تیرے حسن کی یاد میں بوجہ عشق کے (بھی) روتے ہیں اور جدائی کی جلن کے دکھ اٹھانے سے بھی

دوسرے قدم پر آپ کا مظہر صفات باری ہونے کا منصب بہت ہی خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ آپ سے محبت کا یہی موجب ہے اس لیے محبت کا اصل حق آپ ہی کا ہے اور بہت ہی عظیم الشان بات کہتے ہیں کہ آپ تمام اول و آخر مقربان الہی سے افضل ہیں اور یہ فضیلت آپ کے کارہائے نمایاں اور اعمال

صالحہ پر موقوف ہے نعت کے حقیقی مصادر اور اطلاق کے بیان میں یہ عظیم الشان معرفت کا نکتہ ہے۔
فرماتے ہیں:

أرسلت من ربِّ كريم محسن فى الفتننة الصماء والطغیان
تو ربِّ كريم محسن کی طرف سے خوفناک فتنے اور طغیان اور سرکشی کے وقت بھیجا گیا
يا للفتنى ما حسنه وجماله ریاہ یصبى القلب كالريحان
واہ! کیا ہی جوان مرد ہے! کیسے حسن و جمال والا ہے! جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح موہ لیتی ہے
وجه المهيمن ظاهر فى وجهه و شؤونه لمعت بهذا الشأن
آپ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات (آپ کی) اس شان سے جلوہ گر ہو گئیں
فلذا يحب ويستحق جماله شغفا به من زمرة الاخذان
سواسی لئے تو آپ سے محبت کی جاتی ہے اور آپ کا ہی جمال اس لائق ہے کہ دوستوں کے گروہ
میں سے صرف آپ ہی سے بے پناہ محبت کی جائے

سجح كريم باذل خل التقى خرق و فاق طوائف الفتيان
آپ خوش خلق، معزز، سخی، تقویٰ کے سچے دوست، فیاض اور جواں مردوں کے گروہوں پر فوقیت رکھنے والے ہیں
فاق الورى بكماله وجماله و جلاله و جنانه الريان
آپ ساری خلقت سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گئے ہیں
لا شك ان محمدا خير الورى ريق الكرام و نخبة الأعيان
بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوری، معززین میں سے برگزیدہ اور سرداروں میں سے منتخب وجود ہیں
تمت عليه صفات كل مزية ختمت به نعماء كل زمان
ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپ پر کمال کو پہنچ گئیں اور ہر زمانہ کی نعمتیں آپ پر ختم ہو گئیں ہیں
والله ان محمداً كرادفة و به الوصول بسدة السلطان
بخدا! بے شک محمد ﷺ (خدا کے) نائب کے طور پر ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ دربارِ شاہی میں رسائی ہو سکتی ہے

هو فخر كل مطهر و مقدس و به يباهى العسكر الروحاني
آپ ہر ایک مطہر اور مقدس کا فخر ہیں اور روحانی لشکر آپ پر ہی ناز کرتا ہے
هو خير كل مقرب متقدم و الفضل بالخيرات لا بزمان
آپ ہر مقرب اور (راہِ سلوک میں) آگے بڑھنے والے سے افضل ہیں اور فضیلت کا راہے خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر

تسلسلِ نعت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا اور اپنا امام الزمان ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور ایک دلفریب اور والہانہ انداز میں اپنے عشق و محبت کو پیش کرتے ہیں اور نہایت درد سے شکایت کرتے ہیں کہ قوم نے آپ کے عشق کے باوجود آپ کو کافر کہہ کر تکلیف پہنچائی ہے۔ فرماتے ہیں:

و نبینا حسی و انی شاهد
وقد اقتطفت قطائف اللقیان
اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور بے شک میں گواہ ہوں اور میں نے آپ کی ملاقات کے ثمرات حاصل کئے ہیں۔

و رأیتُ فی ریعان عمری و جہہ
ثم النبی بیقظتی لاقانی
میں نے تو (اپنے) عنقوانِ شباب میں آپ کا چہرہ مبارک دیکھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری بیداری میں بھی مجھے ملے ہیں۔

انسی لقد احييت من احيائه
واها لاعجاز فما احياني
بے شک میں آپ کے زندہ کرنے سے ہی زندہ ہوا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا اعجاز ہے اور مجھے کیا خوب زندہ کیا ہے!

يا رب صل علي نبيك دائما
في هذه الدنيا وبعث ثنائ
اے میرے رب! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیجتا رہ۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی
يا سیدی قد جئت بابك لاهقا
و القوم بالاكفار قد اذاني
اے میرے آقا! میں تیرے دروازے پر مظلوم و مضطر فریادی کی حالت میں آیا ہوں جبکہ قوم نے (مجھے) کافر کہہ کر ایذا دی ہے

يفرى سهامك قلب كل محارب
و يشج عزمك هامة الشعبان
تیرے تیر ہر جنگجو کے دل کو چھید دیتے ہیں اور تیرا عزم اژدھا کے سر کو کچل ڈالتا ہے
لله درك يا امام العالم
انت السبوق و سيد الشجعان
آفرین تجھ پر اے دنیا کے امام! تو سب پر سبقت لے گیا ہے اور بہادروں کا سردار ہے
انظر الي برحمة و تحنن
يا سیدی انا احقر الغلمان
تو مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر۔ اے میرے آقا! میں ایک حقیر ترین غلام ہوں
يا حب انك قد دخلت محبة
في مهجتي و مداركي و جناني
اے میرے آقا! تو ازراہ محبت میری جان، میرے حواس اور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے

من ذکر وجهک یا حدیقة بھجتی لم اخل فی لحظ ولا فی ان

اے میری خوشی کے باغ! تیرے چہرے کی یاد میں ایک لحظہ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا

جسمی بطیر الیک من شوق علا یا لیت کانت قوۃ الطیران

میرا جسم تو شوق غالب سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی

آخری تین اشعار میں آپ کی محبت کا اظہار دیکھو ایسا محبت بھرا کلام اور ایسی قدرت زبان اور یہ جذبات نعت میں کہاں دستیاب ہونگے

آخری شعر دوبارہ سُن لیں یہ نعت کا حقیقی محور اور چشمہ ہے۔

جسمی بطیر الیک من شوق علا یا لیت کانت قوۃ الطیران

میرا جسم تو شوق غالب سے تیری طرف اڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی

ایک بہت خوبصورت نعت چھوٹی، بحر میں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت سے لبریز ملاحظہ کریں:

يَا قَلْبِي اذْكُرْ اَحْمَدًا عَيْنَ الْهُدَى مُفْنِي الْعِدَا

اے میرے دل! احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر جو ہدایت کا سرچشمہ اور دشمنوں کو فنا کرنے والا

بَرًّا كَرِيْمًا مُحْسِنًا بَحْرَ الْعَطَايَا وَالْحَدَا

نیک ، کریم ، محسن ، بخششوں اور سخاوت کا سمندر ہے

بَدْرٌ مُنِيرٌ زَاهِرٌ فِي كُلِّ وَصْفٍ حَمِيْدًا

وہ چودھویں کا نورانی روشن چاند ہے۔ وہ ہر وصف میں تعریف کیا گیا ہے

اِحْسَانُهُ يُصْبِي الْقُلُوْبَ وَحُسْنُهُ يُرَوِي الصَّدَا

اس کا احسان دلوں کو موہ لیتا ہے اور اس کا حسن پیاس کو بجھا دیتا ہے

نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الَّذِيْ اَحْيٰ الْعُلُوْمَ تَجَدُّدًا

وہ اللہ کا نور ہے جس نے علوم کو نئے سرے سے زندہ کر دیا

الْمُصْطَفٰى وَالْمُجْتَبٰى وَالْمُقْتَدَا وَالْمُجْتَدَا

وہ برگزیدہ ہے، چنا ہوا ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے، اس سے فیض طلب کیا جاتا ہے

جُمِعَتْ مَرَابِيْعُ الْهُدٰى فِيْ وَبْلِهِ جِيْنَ النَّدٰى

ہدایت کی بارشیں سخاوت کے وقت اس کی موسلا دھار بارش میں جمع کر دی گئیں

یہ نازل بھی دیکھیں نَفْسِي الْفِدَاءِ لِبَدْرِ هَاشِمِي عَرَبِي ایسا خوبصورت مطلع ہے کہ انسان اس پر فدا ہو جائے۔

چند اشعار سن لیں

نَفْسِي الْفِدَاءِ لِبَدْرِ هَاشِمِي عَرَبِي وَذَاذُهُ قَرَبٌ نَاهِيكَ عَنْ قَرَبِ

میری جان فدا ہو اس کا دل چاند پر جو ہاشمی عربی ہے۔ آپ کی محبت قربتوں کا ایسا ذریعہ ہے جو تجھے باقی قربت کے ذرائع سے بے نیاز کر دینے والا ہے

نَجَا الْوَرَى مِنْ كُلِّ زُورٍ وَ مَعْصِيَةٍ وَمِنْ فُسُوقٍ وَ مِنْ شِرْكِ وَ مِنْ تَبِ

آپ نے مخلوق کو ہر جھوٹ اور گناہ سے نجات دی اور فسق سے، شرک سے، اور ہلاکت سے بھی فَنَوَّرَتْ مِلَّةً كَانَتْ كَمَعْدُومٍ صُغْفًا وَ رُجْمَتْ ذَرَارِي الْجَبَانِ بِالشُّهْبِ

پس منور ہو گئی وہ ملت جو معدوم کی طرح تھی ضعف میں۔ اور شیطان کی ذریت شہابوں سے سنگسار کی گئی

وَ زَحْزَحَتْ دَخْنًا عَشِيًّا عَلَى مِلَلٍ وَسَاقَطَتْ لَوْلُؤًا رَطْبًا عَلَى حَطَبِ

اور اس ملت نے ان تاریکیوں کو دور کر دیا جو قوموں پر چھائی ہوئی تھیں اور سوکھی لکڑیوں پر تروتازہ موتی برسائے۔

وَنَصَّرَتْ شَجَرَ ذِكْرِ اللَّهِ فِي زَمَنِ مَحَلِّ يُمَيِّتُ قُلُوبَ النَّاسِ مِنْ لَعِبِ

اور اس ملت نے شاداب کر دیا اللہ کے ذکر کے درخت کو ایسے خشک سالی کے زمانے میں جو دلوں کو کھیل کود سے مردہ کر رہا تھا۔

فَلَا حَ نُورٌ عَلَى أَرْضٍ مُكَدَّرَةٍ حَقًّا وَ مُزَقَّتِ الْأَشْرَارُ بِالْقَضْبِ

پس ظاہر ہوا ایک نور تاریک زمین پر یقینی طور پر اور پارہ پارہ کر دیے گئے شریر کاٹنے والی تیز تلواروں سے۔

وَمَا بَقِيَ أَثَرٌ مِنْ ظُلْمٍ وَ بَدْعَاتٍ بِسُورِ مُهْجَةِ خَيْرِ الْعَجْمِ وَالْعَرَبِ

اور ظلم اور بدعات کا کوئی نشان باقی نہ رہا عرب و عجم میں سے بہترین شخص کی جان کے نور کی جگہ سے

کرامات الصادقین میں اپنے دعاوی کے دلائل کو پیش کرتے ہوئے بہت ہی خوبصورت نعت میں فرمایا کہ

آپ نے خدا تعالیٰ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حاصل کیا ہے اور پھر آپ کے محاسن بیان کئے ہیں۔

رَيْنَاهُ مِنْ نُورِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى وَ لَوْلَاهُ مَا تَبْنَا وَ لَا تَقَرَّبُ

ہم نے اس (خدا) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے ذریعہ پایا۔ اگر وہ نبی نہ ہوتا تو نہ ہم رجوع (الی اللہ) کرتے اور نہ ہم (خدا کے) مقرب بنتے۔

لَهُ دَرَجَاتٌ فِي الْمَحَبَّةِ تَامَّةً لَهُ كَمَعَاتٌ زَالَ مِنْهَا الْعَيْهَبُ
اس نبی کو محبتِ الہی میں کامل درجات حاصل ہیں۔ اس کو ایسی شعاعیں ملی ہیں جن کے ذریعہ
تاریکی دور ہو گئی ہے

ذُكَاةٌ مُنِيرٌ قَدْ أَنْارَ قُلُوبَنَا وَ لَهُ إِلَى يَوْمِ النُّشُورِ مُعَقَّبٌ
وہ روشنی کرنے والا آفتاب ہے اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے اور اس کا قیامت کے دن
تک کوئی نہ کوئی جا نشین ہوتا رہے گا

وَ فِي اللَّيْلِ بَعْدَ الشَّمْسِ قَمَرٌ مُنَوَّرٌ كَمَا فِي الزَّمَانِ نَشَاهِدُنْ وَ نُجْرِبُ
اور رات کو سورج کے بعد روشن چاند ہوتا ہے جیسا کہ ہم زمانہ میں مشاہدہ کرتے اور تجربہ رکھتے ہیں
وَ لِلَّهِ الطَّاقُ عَلَى مَنْ أَحَبَّهُ فَوَابِلُهُ فِي كُلِّ قَرْنٍ يَسْكَبُ
اور خدا کی اس شخص پر مہربانیاں ہیں جو آپ سے محبت کرے پس آپ کی موسلا دھار بارش ہر
صدی میں برساکرتی ہے

وَ شَيْمَتُهُ قَدْ أُفْرِدَتْ فِي فَضَائِلِ وَ قَدْ فَاقَ أَحْلَامَ الْوَرَى اِفْتَعَجَبُ
اور آپ کا خلق فضائل میں یکتا ہو گیا ایسے حال میں کہ آپ (اپنے اخلاق میں) مخلوق کی
عقلوں (کے اندازے) پر بھی فوقیت لے گئے۔ پس کیا تو حیران ہو رہا ہے
کرامات الصادقین کے ایک اور قصیدے میں قرآن کریم کے فرمان بِالْمُؤْمِنِينَ رَوْفٌ رَّحِيمٌ
(التوبة: 128) کا اتباع کرتے ہوئے آنحضرتؐ کو صاحبِ حوض کوثر اور نایبِ خدا کہتے ہیں۔

تَخَيَّرَهُ الرَّحْمَنُ مِنْ بَيْنِ خَلْقِهِ ذُكَاةٌ بِجَلْوَتِهِ وَ بَدْرٌ مُنَوَّرٌ
اسے خدائے رحمان نے اپنی مخلوق میں سے منتخب کر لیا ہے وہ اپنے جلوے میں سورج ہے اور
چودھویں کاروشن چاند

وَ كَأَنَّ جَلَالَ فِي عَرَائِنِ وَبِلِهِ خَفَى الْفَارَ مِنْ أَنْفَاقِهِنَّ الْمُمِطْرُ
اس کی موسلا دھار بارش کے اوائل میں ہی عظیم الشان برسنے والے بادل نے چوبوں کو ان کے
بلوں سے نکال دیا

رَوْفٌ رَّحِيمٌ كَهْفٌ أَمِمْ جَمِيعِهَا شَفِيعُ الْوَرَى سَلَى إِذَا مَا أُضْجِرُوا
وہ مہربان۔ رحیم ہے۔ سب قوموں کی پناہ ہے۔ مخلوق کا شفیع ہے۔ جب وہ تنگی میں پڑ جائیں تو تسلی دیتا ہے

أَلَا مَا هَرَفْنَا فِي نَسَاءِ رَسُولِنَا لَه رُتْبَةٌ فِيهِ الْمَدَائِحُ تُحْصَرُ
سنو! ہم نے اپنے رسول کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا۔ اسے تو ایسا مرتبہ حاصل ہے جس میں
تعریفیں ختم ہو جاتی ہیں

فَذَا لَكَ رُوحِي يَا حَبِيبِي وَ سَيِّدِي فَذَا لَكَ رُوحِي أَنْتَ وَرَدٌ مُنْضَرٌ
میری روح تجھ پر قربان! اے میرے پیارے اور میرے سردار! میری جان تجھ پر فدا ہو۔ آپ تو
ترد تازہ گلاب ہیں

وَمَا أَنْتَ إِلَّا نَائِبُ اللَّهِ فِي الْوَرَى وَأَعْطَاكَ رَبُّكَ هَذِهِ ثُمَّ كَوَّنَهُ
اور تو ہی مخلوق میں اللہ کا نائب ہے اور خدا نے تجھے یہ نعمت بھی دی ہے اور کوثر بھی
وَيَعْجَزُ عَنْ تَحْمِيدِ حُسْنِكَ مُؤْمِنٌ فَكَيْفَ مُحَمَّدَكَ الَّذِي هُوَ يَكْفُرُ
اور تیرے حسن کی تعریف کرنے سے تو مؤمن بھی عاجز ہے پھر کفر اختیار کرنے والا شخص تیری
تعریف کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے؟

انجام آتھم میں تحریر شدہ عظیم الشان قصیدے میں بہت ہی درد بھری اور محبت رسول سے لبریز نعت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم رقم فرمائی ہے۔ اس کا مطالعہ یہ ہے

عَلِمَ مِنْ الرَّحْمَنِ ذِي الْأَلَاءِ بِاللَّهِ حُزْتُ الْفَضْلَ لَا بِدَهَاءِ
میرا علم خدائے رحمان کی طرف سے ہے جو نعمتوں والا ہے۔ میں نے خدا کے ذریعہ سے فضل
الہی کو حاصل کیا ہے نہ کہ عقل کے ذریعہ
فرماتے ہیں:

مَنْ مُخْبِرٌ مِّنْ ذِلَّتِي وَ مُصِيبَتِي مَوْلَايَ حَتَّمِ الرَّسُلَ بِحَرَ عَطَاءِ
کوئی ہے جو میری ذلت اور مصیبت کی خبر دے میرے مولا خاتم الرسل کو جو بخشش کا سمندر ہیں
يَا طَيْبَ الْأَخْلَاقِ وَالْأَسْمَاءِ أَفَأَنْتَ تُبْعِدُنَا مِنَ الْأَلَاءِ
اے پاکیزہ اخلاق اور پاک ناموں والے نبی! کیا تو ہمیں اپنی نعمتوں سے دور رکھے گا
أَنْتَ الَّذِي شَغَفَ الْجَنَانَ مَحَبَّةً أَنْتَ الَّذِي كَالرُّوحِ فِي حَوَائِي
تو وہ ہے جس کی محبت دل میں گھر کر گئی ہے۔ تو وہ ہے جو میرے بدن میں روح کی طرح ہے
أَنْتَ الَّذِي قَدْ جَذَبَ قَلْبِي نَحْوَهُ أَنْتَ الَّذِي قَدْ قَامَ لِلْأَصْبَاءِ
تو وہ ہے کہ جس کی طرف میرا دل کچھا ہوا ہے تو وہ ہے جو میری دلبری کے لئے کھڑا ہے

أَنْتَ الَّذِي بَوَدَّادِهِ وَبِحَبِّهِ
تو وہ ہے کہ جس کی محبت اور دوستی کے باعث میں الہام اور القاء الہی سے تائید یافتہ ہوا
مزید فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمَحَبَّةَ لَا تُضَاعُ وَتُشْتَرَى
محبت ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس کی قیمت پڑتی ہے۔ اے آفتاب سخاوت! یقیناً ہم تجھ سے محبت رکھتے ہیں۔

يَا شَمْسُنَا انْظُرْ رَحْمَةً وَتَحَنُّنًا
اے ہمارے آفتاب! رحمت اور مہربانی کی نگاہ ڈالنے۔ مخلوق آپ کی پناہ کے لئے دوڑی آرہی ہے

أَنْتَ الَّذِي هُوَ عَيْنٌ كُلِّ سَعَادَةٍ
تو ہی ہے جو ہر سعادت کا چشمہ ہے۔ اہل صفاء کے دل تیری طرف مائل ہو رہے ہیں

أَنْتَ الَّذِي هُوَ مَبْدَأُ الْأَنْوَارِ
تو ہی ہے جو مبدع انوار ہے تو نے شہروں اور بیابان کے چہرے کو منور کر دیا ہے

إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِكَ الْمُتَهَلِّلِ
میں تیرے روشن چہرے میں دیکھ رہا ہوں ایسی شان جو آفتاب کے چہرے کی شانوں سے بھی بڑھ کر ہے

شَمْسُ الْهُدَى طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَكَّةَ
ہمارے لئے مکہ سے ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا اور ہمارے لئے بخشش کا چشمہ غار حراء سے پھوٹا

فَإِذَا رَأَيْتُ فَهَاجَ مِنْهُ بُكَائِي
آفتاب کی روشنی آپ کی روشنی سے کچھ ہی مشابہت رکھتی ہے۔ جب میں نے (آپ کو) دیکھا

تو اس سے میری گریہ و زاری میں جوش آ گیا

اور آخر پر ایک بہت ہی دل فریب قطعہ مشاہدہ کریں۔

پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار کی جناب میں سلام ارسال کیا ہے اس طور پر محبت بھرا سلام کس نے بھیجا۔

حَمَامَتُنَا تَطِيرُ بِرَيْشِ شَوْقِ
ہماری کبوتری چونچ میں سلامتی کے خفے لئے ہوئے شوق کے پروں کے ساتھ اڑ رہی ہے

إِلَى وَطَنِ النَّبِيِّ حَبِيبِ رَبِّي
میرے رب کے محبوب اور نبیوں کے سردار، سرور کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کی طرف

وَسَيِّدِ رُسُلِهِ خَيْرِ الْأَنْامِ

مدحت و ترغیب دین اسلام

اُردو زبان میں

حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعری کے ضمن میں ہم نے عرض کیا تھا کہ آپ حضرت کے بہت سے موضوعاتِ شعر ایسے ہیں جن کا اسلامی تعلیم و تہذیب سے بہت گہرا تعلق ہونے کے باوجود اسلامی ادب کے شعری سرمایہ میں ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔ مثلاً زیرِ قلم موضوع اور مدحِ قرآن اور مدح صحابہؓ ہے اور اعمال میں تقویٰ۔ صدق اور عجز و انکساری۔ یہ سب مضامین آپ حضرت کے کلام میں مستقل موضوعات کے طور پر اختیار فرمائے گئے ہیں۔

اسلامی ادب میں ان اہم مضامین کو پیش کرنے کا افتخار ہمارے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کے نصیب میں ہی لکھا تھا کیونکہ آپ امتِ مسلمہ کے مسیحِ دوراں اور امامِ آخر زمان تھے۔

زیرِ قلم موضوع کے تعلق میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امتِ مسلمہ میں مجددینِ کرام اور اصفیاء اور علماء ربانی نے اپنے قول اور فعل سے تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کا فریضہ بہت احسن طریق سے ادا کیا ہے اور ان ہی کی مساعی سے اسلام کی ترقی اور فروغ ہوا ہے۔ مگر اس موقع پر ہم اسلامی ادب کی بات کر رہے ہیں کہ آپ کے سرمایہ شعر میں تبلیغ و ترغیبِ اسلام کو ایک جداگانہ موضوع کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ اس مضمون کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا افتخار بھی آپ حضرت ہی کا ہے۔ یہ ہونا بھی تھا کیونکہ الہام الہی میں آپ ہی کے لیے یہ مقدر تھا کہ آپ احیاءِ دین اور قیامِ شریعت کریں گے۔

الہام حضرت اقدس:

يُحْيِي الدِّينَ وَ يُقِيمُ الشَّرِيعَةَ

زندہ کرے گا دین کو اور قائم کرے گا شریعت

(تذکرہ صفحہ 55 مطبوعہ 2004ء)

دین کا لفظ دراصل ”اسلام“ کا مترادف ہے جیسا کہ فرمایا

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ اور پھر یہ پُرتمکنت اور پُرشکوہ الہام بھی تو ہے

الہام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام:

چو دَورِ خسروی آغاز کردند مسلمان را مسلمان باز کردند

جب فارسی بادشاہ کا دور شروع ہوگا۔ تو نام نہاد مسلمانوں کو از سر نو مسلمان کیا جائے گا

مقام او میں از راہ تحقیر بدور انش رسولان ناز کردند
اس کے مقام کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھو کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے
(مصرع نمبر 1 تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 514-516)

اور خدا تعالیٰ کی جناب سے جو منصب آپ کو احیاء اسلام کی نسبت سے دیا گیا تھا۔ اس کا پر شوکت اور جری
اللہی فرمان بھی قابل دید ہے۔

مجھ کو خود اس نے دیا ہے چشمہ توحید پاک

تا لگا دے از سر نو باغ دین میں لالہ زار

دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اُس یار نے

پھر اگر قدرت ہے اے منکر تو یہ چادر اُتار

خیرگی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں

ان دنوں میں جب کہ ہے شور قیامت آشکار

ایک طوفان ہے خدا کے تہر کا اب جوش پر

نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں ہصار

پہنتی دیوارِ دین اور مامنِ اسلام ہوں

نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ این جدار

در اصل اسلام ہی وہ دین ہے جس کو تمام انبیاء لے کر آئے اور حضرت ابراہیمؑ کو تاکید فرمایا ہے۔

إذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (البقرة: 132)

جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ ہماری فرمانبرداری اختیار کر تو اس نے جواب میں کہا کہ میں تو تمام

جہانوں کے رب کی فرمانبرداری اختیار کر چکا ہوں۔

اور فرمایا:

وَوَصَّي بِهَا آبْنَاءَهُمْ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا

(البقرة: 133)

تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

ترجمہ: اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو اس بات کی تاکید کی

اور کہا اے میرے بیٹو اللہ نے یقیناً اس دین کو تمہارے لیے چن لیا ہے پس ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے پورے فرمانبردار ہو۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مَلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ (الحج: 79)

مومنو! اپنے باپ ابراہیم کے دین کو اختیار کرو۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اور اسی فرمان کی تفصیلی وضاحت میں خدا تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔

فَرَمَا: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام: 163-164)

آپ حضرت اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں:

”مخالفین کو) کہہ دے (میں جان کو عزیز نہیں رکھتا) میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا

خدا کے لیے ہے وہی حق دار خدا جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے“

اور وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

”ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ’’اول المسلمین‘‘ ٹھہرے تو اس کا باعث یہ ہوا کہ اوروں

کی نسبت علوم معرفت الہی میں اعلیٰ ہیں یعنی علم ان کا معارف الہیہ کے بارے میں سب سے بڑھ

کر ہے اس لیے ان کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے اور اول المسلمین ہیں“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ وہ نور اسلام ہے جو روز اول سے انبیاء کی تعلیم میں منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ہمارے آقا اور مطاع محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ کے بعد آپ کے مہدی اور نائب کو عطا کیا گیا۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ

حضرت کا تمام کلام خواہ تحریر ہو یا تقریر تمام تر صداقت اسلام اور تبلیغ اسلام ہی کے گرد طواف کرتا ہے۔ آپ کے

اول مخاطب عیسائی اور ہندو تھے کہ آپ کے وقت میں ان دو مذاہب کے ماننے والے سب سے بڑے مخالف

اسلام تھے اور ان کے بعد آپ کے مخاطب خود مسلمان تھے کیونکہ انہوں نے حقیقی اسلام کو پس پشت ڈال کر من

گھڑت عقائد بنا لیے تھے اور تعلیم قرآن اور سنت رسول اکرم کے خلاف اسلام کو اختیار کر لیا تھا۔

ان عنوانات میں ہم اپنے مضمون ”ابلاغ رسالت“ میں آپ کا کلام پیش کر چکے ہیں اس لیے زیر نظر مضمون

میں صرف وہ کلام پیش کیا جائے گا جس میں آپ حضرت نے اسلام کی حمایت اور اس کی کسمپرسی کے غم اور فکر کا اظہار کیا ہے اور اسلام کے روحانی منصب عالی کو بیان کیا ہے۔ دین اسلام کی شان میں آپ کا کس قدر خوبصورت شعر ہے

مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت

اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

اور فرمایا۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

ان تعارفی الفاظ کے بعد ہم اپنے دستور کے مطابق اول اس عنوان کے تحت قرآن کریم کے اصولی فرمودات کو پیش کریں گے یہ اس لیے کہ درحقیقت قرآن کریم کی تمام تعلیم دین اسلام کی دعوت و تبلیغ ہی ہے کیونکہ یہ مختصر مضمون اس تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لیے ہم نہایت اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اول قدم پر قرآن کریم کے اصولی اور بنیادی فرمان پیش کرتے ہیں۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (ال عمران: 20) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سچا دین جو نجات کا باعث ہوتا ہے اسلام ہے اگر کوئی عیسائی ہو جاوے یا یہودی ہو یا آریہ ہو وہ خدا کے نزدیک عزت پانے کے لائق نہیں۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ (ال عمران: 86)

ان دونوں فرمودات کا ترجمہ کرتے ہوئے آپ حضرت فرماتے ہیں:

قرآن کریم نے اسلام کی نسبت جس کو وہ پیش کرتا ہے یہ فرمایا ہے إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (سپارہ 3 رکوع 10) وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ (سپارہ 3 رکوع 17) ترجمہ: یعنی دین سچا اور کامل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور جو کوئی بجز اسلام کے کسی اور دین کو چاہے گا تو ہرگز قبول نہیں کیا جاوے گا۔ اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دوسرے مقام پر اسلام کی عظمت اور شان کے بیان میں قرآن کریم نے فرمایا ہے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدة: 4)

آپ حضرت اس فرمان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں
آج میں نے تمہارے لیے دین تمہارا کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے
تمہارے لیے اسلام کو پسندیدہ کر لیا۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس فرمان خداوندی کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

غرض یہ آیت اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ مسلمانوں کے لیے کیسے فخر کی بات ہے..... اکمال
سے یہی مطلب نہیں کہ سورتیں اتار دیں بلکہ تکمیل نفس اور تطہیر قلب کی۔ وحشیوں سے انسان
پھر اس کے بعد عقل مند اور بااخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا۔ اور تطہیر نفس۔ تکمیل اور
تہذیب نفس کے مدارج طے کرادئے
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مقام تک ہم نے تین فرمودات باری تعالیٰ پیش کئے ہیں اوّل فرمان ایک اعلان عام کی صورت میں ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حقیقی دین صرف اسلام ہے اور دوسرے فرمان میں ایک تشبیہ ہے کہ اسلام کے سوا کوئی
اور دین رکھنے والا مقبول نہیں ہوگا اور نقصان اٹھائیگا۔ اور تیسرے فرمان میں دین اسلام کی خوبی کو بیان کر کے
اس کو انسانیت کیلئے نعمت قرار دیا ہے
مشاہدہ کریں کہ ان تین مضامین کو ہمارے پیارے مسیح دورانے نے کس خوبصورتی اور قلبی درد کیساتھ پیش کیا
ہے اور اس بیان میں آپ حضرت کا اتباع قرآن بھی دیدنی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ ان آیات کا شعر
میں ترجمہ فرما رہے ہیں۔
فرماتے ہیں:

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدٰی یہی ہے
اے سونے والو جاگو! شمس الضحٰی یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا
اب آسمان کے نیچے دینِ خدا یہی ہے
وہ دستاں نہاں ہے کس رہ سے اُس کو دیکھیں
ان مشکلوں کا یارو! مشکل کُشا یہی ہے

اگر آیت اِنِّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ال عمران: 20) کو سامنے رکھ کر ان اشعار کو پڑھیں تو پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ اتباع لفظ معانی کس کو کہتے ہیں۔

جیسے کہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا (ال عمران: 86) کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:
اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا

ترک رضائے خویش پئے مرضیٰ خدا

یہاں پر عَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا کے یہی معانی ہیں کہ خدا کی رضا کے خلاف دین۔ حقیقی اسلام کو حضرت نے موت قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات

اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممت

اسی طور سے دیگر فرمودات قرآن کا اتباع ہے جو معمولی ذوق ادب رکھنے والے کے لئے بھی واضح ہوگا۔
فرماتے ہیں:

اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سُوْرَج
پر دیکھتے نہیں ہیں دُشْمَنِ بِلَا یہی ہے
جب کھل گئی سچائی پھر اس کو مان لینا
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہِ حیا یہی ہے
جو ہو مفید لینا جو بد ہو اُس سے بچنا
عقل و خرد یہی ہے فہم و ذکا یہی ہے
ملتی ہے بادشاہی اس دیں سے آسانی
اے طالبانِ دَوْلَتِ! ظَلَمِ ہُمَا یہی ہے
سب دیں ہیں اکِ فِسانہِ شُرکُوں کا آشیانہ
اُس کا ہے جو یگانہ چہرہ نما یہی ہے
سُوْ نِشاں دکھا کر لاتا ہے وہ بِلَا کر
مجھ کو جو اُس نے بھیجا بس مَدَّعا یہی ہے
کرتا ہے مُعْجروں سے وَہ یارِ دِیں کو تازہ
اسلام کے چمن کی بادِ صبا یہی ہے

یہ سب نہاں ہیں جن سے دیں اب تلک ہے تازہ
اے گرنے والو دوڑو دیں کا عصا یہی ہے
کس کام کا وہ دیں ہے جس میں نہاں نہیں ہے
دیں کی مرے پیارو! زریں قبا یہی ہے

دوسرے مقام پر آپ کی عالیشان نظم ہے۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے کوئی دیں دین محمد سنا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے یہ ثمر باغ محمد سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ٹور ہے ٹور اٹھو دیکھو سُنا یا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں ٹور نہ تھا کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لیے کوئی نہ آیا ہر چند ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
اس طور سے کلام کہنا اور باغ محمد سے روحانی انما روش کرنا اُسی کے نصیب ہو سکتا ہے جو اصل باللہ ہو اور
جس کو باری تعالیٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کے نشان دکھائے ہوں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلیٰ کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ ٹور ملا ٹور پیسیر سے ہمیں ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفیٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت اُس سے یہ نور لیا بارِ خدا یا ہم نے

رہط ہے جان محمد سے میری جاں کو مُدام

دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

چولہ بابا نانک کی نظم میں بھی اسی صداقت کو پیش کر رہے ہیں کہ بابا صاحب کو الہام میں بتایا گیا تھا کہ جس خدا
کی وہ تلاش کر رہے ہیں وہ اُن کو اسلام میں ہی ملے گا۔

وہ ہے مہربان و کریم و قدیر قسم اُس کی، اُس کی نہیں ہے نظیر
جو ہوں دل سے قربانِ ربِّ جلیل نہ نقصان اٹھائیں نہ ہوویں ذلیل
اسی سے تو نانک ہوا کامیاب کہ دل سے تھا قربانِ عالی جناب

بتایا گیا اس کو الہام میں کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں
 یقین ہے کہ ناک تھا ملہم ضرور نہ کر وید کا پاس اے پر غرور!
 دیا اس کو کرتار نے وہ گیان کہ ویدوں میں اُس کا نہیں کچھ نشان
 اس نظم میں مزید فرماتے ہیں:

تُو ڈرتا ہے لوگوں سے اے بے ہنر خدا سے تجھے کیوں نہیں ہے خطر؟
 یہ تحریر چولہ کی ہے اک زباں! سنو وہ زباں سے کرے کیا بیباں
 کہ دینِ خُدا دینِ اسلام ہے
 جو ہو متکر اُس کا بد انجام ہے

دینِ اسلام کے غم میں فرماتے ہیں:

اے مرے یارِ یگانہ! اے مری جاں کی پناہ!
 کروہ دن اپنے کرم سے دیں کے پھیلانے کے دن
 پھر بہارِ دیں کو دکھلا اے مرے پیارے قدیر!
 کب تک دیکھیں گے ہم لوگوں کے بہکانے کے دن
 دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے
 اے مرے سوج دکھا اس دیں کے چکانے کے دن
 دل گھٹا جاتا ہے ہر دم جاں بھی ہے زیرِ وزر
 اک نظر فرما کہ جلد آئیں ترے آنے کے دن
 چہرہ دکھلا کر تجھے کر دیتیے غم سے رہا
 کب تک لبے چلے جائیں گے ترسانے کے دن
 گچھ خبر لے تیرے گُوچہ میں یہ کس کا شور ہے
 کیا مرے دلدار تُو آئے گا مرجانے کے دن
 ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخُدا
 آگئے اس باغ پر اے یارِ مر جھانے کے دن
 تیرے ہاتھوں سے مرے پیارے اگر کچھ ہو تو ہو
 ورنہ دیں میت ہے اور یہ دن ہیں دفنانے کے دن

اک نشان دکھلا کہ اب دیں ہو گیا ہے بے نشاں
دل چلا ہے ہاتھ سے لاجلہ ٹھہرانے کے دن

اسلام کے غم میں ایک اور مناجات بھی سُن لیں:

دِن چڑھا ہے دُشمنانِ دِیں کا ہم پر رات ہے

اے مرے سُو رَج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا

پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے

خاک میں ہوگا یہ سرگر تو نہ آیا بن کے یار

فضل کے ہاتھوں سے اب اسوقت کر میری مدد

کشتیِ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

میرے سقم و عیب سے اب کیجئے قطعِ نظر

تا نہ خوش ہو دشمنِ دِیں جس پہ ہے لعنت کی مار

مرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں

میری فریادوں کو سُن میں ہو گیا زار و نزار

دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعیفِ دینِ مصطفیٰ

مجھکو کر اے میرے سُلطان کامیاب و کامگار

کیا سُلّائے گا مجھے تو خاک میں قبل از مُراد

یہ تو تیرے پر نہیں اُمید اے میرے حصار

یا الہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا

اِس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پکار

قوم میں فسق و فجور و معصیت کا زور ہے

چھارہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر

پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

مدحت و ترغیبِ اسلام

فارسی زبان میں

جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ دراصل شعرا اس وقت تخلیق ہوتا ہے جب جذبات قلبی محبت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ حضرت کے قلبی جذبات اور رجحانات محبتِ الہی۔ محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے گرد ہی طواف کرتے ہیں اور یہی آپ کے شعر کے بنیادی موضوعات ہیں اور آپ حضرت نے انہی تینوں زبانوں میں قلبی محبت سے کلام فرمایا ہے اور ان سب کے ادبی اقدار کو قائم رکھتے ہوئے فرمایا ہے مگر روحانی احساسات اور جذبات کے بیان میں فارسی زبان کے اشعار میں آپ کی حسن بیان کی لفظی اور معنوی خوبی سب زبانوں پر فائق نظر آتی ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ فارسی زبان نے بہت قدیم سے روحانی موضوعات کو اختیار کر کے ان کے اظہار کا ایک عظیم لفظی اور مجازی سرمایہ مرتب کر لیا تھا اس وجہ سے ان جذبات کا اظہار اس زبان میں بہتر طور سے ہو سکتا تھا مگر ایک اہم وجہ یہ بھی تو ہے کہ آپ فارسی الاصل ہیں اور آپ کے شعر کی خوبی اور دیگر شعراء پر فائق ہونے کی حیثیت کو اللہ تعالیٰ نے فارسی ہی میں بیان کیا ہے۔

فرمایا (الہام حضرت اقدس):

”در کلام تو چیزے است کہ شعراء را در آں دخلے نیست“

ترجمہ: تیرے کلام میں ایک ایسی چیز (خوبی) ہے جو شعروں کو نصیب نہیں ہوئی۔

(تذکرہ صفحہ 508۔ مطبوعہ 2004ء)

گو یہ بات بہت مرتبہ کہی جا چکی ہے مگر ہمارے لیے اس تکرار میں ایک مزا ہے جو ہم بار بار چاہتے ہیں۔ اس کوشش میں ہی ہم اسی حقیقت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس موضوع کا تعلق بھی آپ کے اشعار کا بنیادی عنوان ہے اس لیے فارسی زبان میں بھی آپ حضرت نے اس مضمون کو بار بار اختیار فرمایا ہے اور نظم کی ہر صنف میں اس کو بیان کیا ہے۔ ”حمایت و اعانتِ اسلام“ ابیات میں بھی موجود ہے۔ قصیدے میں اور نظم اور غزل میں بھی ہے ہم کوشش کریں گے کہ ان کونفس مضمون کے مطابق ترتیب سے لکھیں۔

اول مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت نے دین اسلام کی صداقت کو پانے کے لیے بہت محنت اور

کاوش کی ہے۔

فرماتے ہیں:

بہر مذہبے غور کردم بسے! شنیدم بدل چجت ہر کسے
 میں نے ہر مذہب پر خوب غور کیا اور ہر شخص کی دلیل کو توجہ سے سنا
 بخواندم ز ہر ملتے دفترے بدیدم ز ہر قوم دانشورے
 میں نے ہر مذہب کی بہت سی کتابوں کو پڑھا اور ہر قوم کے عقلمندوں کو دیکھا
 ہم از کودکی سوئے این تاختم دریں شغل خود را بیندختم
 بچپن سے ہی میں نے اس (راہ) کی طرف توجہ کی اور اپنے تئیں اسی شغل میں ڈال دیا
 جوانی ہمہ اندریں باختم دل از غیر این کار پرداختم!
 اپنی جوانی بھی میں نے اسی میں خرچ کی اور دل کو اور کاموں سے فارغ کر دیا
 بماندم دریں غم زمان دراز نختتم ز فکرش شبان دراز
 میں ایک لمبا عرصہ اسی غم میں مبتلا رہا اور اس بات کی فکر میں راتوں نہیں سویا
 نگہ کردم از روئے صدق و سداد پتریں خدا و بعدل و بہ داد
 میں نے حق اور راستی کو مد نظر رکھ کر اور خدا کا خوف کر کے عدل و انصاف کے ساتھ خوب غور کیا
 چو اسلام دینے قوی و متین ندیدم کہ بر منبش آفرین
 تو میں نے اسلام کی مانند قوی اور مضبوط دین اور کوئی نہیں پایا۔ اس کے منج پر آفرین ہو
 اور دین اسلام کے صدق کو قبول کر کے فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ چہ پاک دین ست این رحمت ربّ العالمین ست این
 اللہ اللہ یہ کیسا پاک مذہب ہے جو سراسر ربّ العالمین کی رحمت ہے
 آفتاب رہ صواب است این بخدا بہ ز آفتاب ست این
 یہ راہ راست کا سورج ہے۔ خدا کی قسم یہ دین سورج سے بھی بہتر ہے
 مے بر آرد ز جہل و تاریکی! سوئے انوارِ قُرب و نزدیکی
 جہالت اور اندھیرے سے نکال کر قرب و وصل کے انوار کی طرف لاتا ہے
 دین پاک ست ملتِ اسلام از خدائیکہ ہست علمش تام
 پاک دین صرف اسلام کا دین ہے اور یہ اُس خدا کی طرف سے ہے جس کا علم کامل ہے

زیں کہ دیں از برائے آں باشد کہ ز باطل بحق کشاں باشد
 چونکہ دین اس لیے ہوتا ہے کہ باطل سے چھڑا کر حق کی طرف کھینچ کر لے جائے
 فرماتے ہیں سچے دین کی یہ خوبی ہے کہ باطل سے حق کی طرف کھینچتا ہے اور اس سے ”لقاء“ باری تعالیٰ
 حاصل ہوتی ہے اور یہی وہ خوبی ہے جو بجز اسلام کے دیگر ادیان میں پائی نہیں جاتی۔
 فرماتے ہیں۔

دین ہماں باشد کہ نورش باقی است و از شراب دید ہر دم ساقی است
 دین وہی ہے جس کا نور قائم دائم ہے اور ہر وقت شراب معرفت کے جام پلاتا ہے
 اور فرماتے ہیں۔

جان کنی صد کن بکین مصطفیٰ راہ نہ بنی جز بہ دین مصطفیٰ
 مصطفیٰ کی دشمنی میں صد بار تیری نوبت جائی تک پہنچ جائے پھر بھی تو مصطفیٰ کے دین کے سوا
 سیدھا راستہ نہ پائے گا
 اور فرماتے ہیں:

تا نہ نور احمد آید چارہ گر کس نے گیرد ز تاریکی بدر
 جب تک احمد کا نور چارہ گر نہ ہو تب تک کوئی تاریکی سے باہر نہیں آسکتا
 دین اسلام کی اسی خوبی کو کہ اولیاء اور واصلیں باری تعالیٰ صرف اس دین میں ہوتے ہیں حضرت بیان
 کرتے ہیں۔

الغرض ذات اولیاء کرام ہست مخصوص ملت اسلام
 خلاصہ کلام یہ ہے کہ اولیاء کرام کی ذات مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہے
 خدمت دین کے شوق کا اظہار بھی مشاہدہ کریں۔
 فرماتے ہیں:

یارب بزاریم نظرے کن بلطف و فضل جز دستِ رحمت تو دگر کیست یاورم
 اے میرے رب میری گریہ و زاری کو دیکھ کر لطف و کرم کی ایک نظر کر کہ تیری رحمت کے ہاتھ کے
 سوا اور کون میرا مددگار ہے۔

جانم فدا شود برہ دین مصطفیٰ این است کام دل اگر آید میسر
 میرے جان مصطفیٰ کے دین کی راہ میں فدا ہو یہی میرے دل کا مدعا ہے کاش میسر آجائے

اور فرماتے ہیں:

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روحِ قدس کہ مرا در دلِ شاں دیو نظر مے آید
 میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیونکر کر سکتا ہوں کہ مجھے تو ان کے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے
 ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں کہ بہر عصر میجائے دگر مے آید
 اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لئے نیا مسیحا آتا ہے
 آپ کے وقت میں اسلام کی بیکسی کے غم میں ایک بہت ہی مؤثر اور دردناک نظم میں فرماتے ہیں۔
 بیکسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست ہر کسے در کارِ خود بادین احمد کار نیست
 دین احمد بیکس ہو گیا کوئی اس کا غم خوار نہیں ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہے احمد کے دین سے کچھ واسطہ نہیں
 ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن ر بود حیف بر چشمے کہ انکوں نیز ہم ہشیار نیست
 گمراہی کا سیلاب ہر طرف لاکھوں انسانوں کو بہا کر لے گیا اُس آنکھ پر افسوس جواب بھی ہشیار نہیں ہوئی
 اے خداوندانِ نعمت ایں چین غفلت چراست بیخود از خوابید یا خود بخت دین بیدار نیست
 اے دولت مندو! اس قدر غفلت کیوں ہے۔ تم ہی نیند سے بے ہوش ہو یا دین کی قسمت سو گئی ہے
 اے مسلماناں خدا را یک نظر بر حال دین آنچہ مے پئم بلا حاجتِ اظہار نیست
 اے مسلمانو! خدا کے لیے دین کی طرف ایک نظر تو دیکھ لو میں جو بلائیں دیکھ رہا ہوں ان کے اظہار کی حاجت نہیں
 خون دین پئم رواں چوں کشتگان کر بلا اے عجب ایں مردمانِ مہر آں دلدار نیست
 کشتگان کر بلا کی طرح میں دین کا خون بہتا ہوا دیکھتا ہوں مگر تعجب ہے کہ ان لوگوں کو اس محبوب
 سے کچھ بھی محبت نہیں

مزید فرمایا:

ہر زماں از بہر دین در خون دل من می تپد محرم ایں در دما مجو عالم اسرار نیست
 میرا دل دین کی خاطر ہر وقت خون میں تڑپ رہا ہے ہمارے اس درد کا واقف خدا کے سوا اور کوئی نہیں
 آنچہ برامی رود از غم کہ داند مجو خدا زہر مے نوشیم لیکن زہرہ گفتار نیست
 غم جو ہم پر گذر رہا ہے اسے خدا کے سوا کون جان سکتا ہے ہم زہر پی رہے ہیں لیکن بولنے کی طاقت نہیں رکھتے
 اور یہ شعر بھی سن لیں۔

جانم فدا شود برہ دینِ مصطفےٰ این است کامِ دل اگر آید میترم!
 میری جان مصطفیٰ کے دین کی راہ میں فدا ہو یہی میرے دل کا مدعا ہے کاش میسر آجائے

اور فرماتے ہیں:

بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبے خواہم مگر اعانتِ اسلام مدعا باشد
خدا کی قسم میں ہرگز کوئی عزت اور مرتبہ نہیں چاہتا میرا مطلب تو صرف تائیدِ اسلام ہے
سیاہ بادِ رُخِ بختِ من اگر بہ دلم دگر غرض بجز از یار آشنا باشد
میری قسمت کا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں سوائے خدا کے اور کوئی غرض ہو
رہِ خلاص کجا باشد آں سیہ دل را کہ باچنین دلِ من درپئے جفا باشد
اُس سیاہ دل انسان کو نجات کیونکر مل سکتی ہے جو میرے جیسے دل والے پر ظلم کرنے کے درپے ہو
غزل کے انداز میں بہت دردِ دل سے اسلام کی خدمت کی دعوت فرماتے ہیں۔

دوستاں خود را نثارِ حضرتِ جاناں کنید در رہ آں یارِ جانی جان و دل قرباں کنید
اے دوستو اپنے تینیں محبوبِ حقیقی پر قربان کر دو اور اس جانی دوست کی راہ میں جان و دل نثار کر دو
آں دلِ خوش باش را کاندرا جہاں جوید خوشی از پئے دینِ محمد کلبہٴ احزاں کنید
اس آرام پسند دل کو جو اس جہان میں خوشیاں ڈھونڈتا ہے محمد کے دین کی خاطر بیتِ الحزن بنا دو
از تعیش ہا بروں آئید اے مردانِ حق خویشتن را از پئے اسلام سرگرداں کنید
اے مردانِ خدا عیش و عشرت کی زندگی چھوڑ دو اور اب اپنے آپ کو اسلام کی خاطر سرگرداں کرو
دینِ محمد کی محبت میں کس قدر پیارا فرمان ہے کہ اس دل کو جو دنیا کی خوشیاں تلاش کرتا رہتا ہے۔ دینِ محمد
کی محبت میں غم کدہ بنا دو۔

ایک نہایت درجہ مؤثر نظم میں تلقین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم نے دینِ اسلام کی خدمت کی تو خدا تعالیٰ
کے نزدیک تمہارا صحابہٴ رسول سے ایک تعلق پیدا ہو جائے گا۔

بکشید اے جواناں تابدیں قوت شود پیدا بہار و رونق اندر روضہٴ ملت شود پیدا
اے جوانو! کوشش کرو کہ دین میں قوت پیدا ہو اور ملتِ اسلام کے باغ میں بہار اور رونق آئے
اگر یاراں کنوں بر غربتِ اسلام رحم آید باصحابِ نبیؐ نزد خدا نسبت شود پیدا
اے دوستو! اگر اب تم اسلام کی غربت پر رحم کرو تو خدا کے ہاں تمہیں آنحضرتؐ کے صحابہؓ سے مناسبت پیدا ہو جائے
پھر خدمت گزارانِ اسلام کو دعا دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

کریمہ صدم کر مکن برکے گونا صردین است بلائے او بگرداں گر گہے آفت شود پیدا
 اے خداوند کریم سینکڑوں مہربانیاں اس شخص پر کر جو دین کا مدگار ہے اگر کبھی آفت آئے تو اس کی مصیبت کو ٹال دے
 چنان خوش دار اور اے خدائے قادر مطلق کہ در ہر کار و بار و حال او جنت شود پیدا
 اے خداوند قادر مطلق اُسے ایسا خوش رکھ کہ اس کی حالت اور سب کار و بار میں ایک جنت پیدا ہو جائے
 اور اس نظم کے آخر پر فرماتے ہیں کہ کیا آپ کی اس نصیحت سے یہ ظاہر نہیں ہو گیا کہ آپ کو مصلح امت بنا کر
 مبعوث کیا گیا ہے۔

عجب دارید اے نا آشنا یاں غافلاں از دیں کہ از حق چشمہ حیواں دریں ظلمت شود پیدا
 اے دین سے غافل اور ناواقف انسانو کیا تمہیں تعجب آتا ہے کہ اس اندھیرے میں خدا کی طرف
 سے ایک چشمہ حیات پیدا ہو گیا ہے
 چرا انساں تعجب ہا کند در فکرِ این معنی کہ خواب آلودگاں رارافع غفلت شود پیدا
 آدمی یہ بات سوچ کر کیوں حیران ہو کہ نیند کے متوالوں کے لیے ایک غفلت کا دور کرنے والا پیدا ہو گیا
 فراموش شد اے قوم احادیث نبی اللہ کہ نزد ہر صدی یک مصلح امت شود پیدا
 اے میری قوم۔ تو رسول اللہ کی حدیثوں کو بھی بھول گئی کہ ہر صدی کے سر پر امت کے لیے ایک
 مصلح پیدا ہوا کرتا ہے

اور اسی مضمون میں ہے کہ آپ کی بعثت احیاء دین اسلام کے لیے ہوئی ہے۔
 فرماتے ہیں:

ہر کہ آمد بدو بصدق و صفا یابد از وے شفا بحکم خدا
 جو شخص اس کے پاس صدق و صفا کے ساتھ آتا ہے وہ خدا کے حکم سے شفا پاتا ہے
 گفت پیغمبر ستودہ صفات از خدائے علیم مخفیات
 ستودہ صفات پیغمبر نے غیب دان علیم خدا سے علم پا کر کہا ہے
 بر سر ہر صدی بروں آید آنکہ این کار را ہے شاید
 کہ ہر صدی کے سر پر ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے جو اس کام کے لائق ہوتا ہے
 تا شود پاک ملت از بدعات تا بیابند خلق زو برکات
 تا کہ مذہب بدعات سے پاک ہو جائے۔ اور مخلوق اس سے برکتیں حاصل کرے

الغرض ذاتِ اولیائے کرام ہست مخصوص ملتِ اسلام
 خلاصہ کلام یہ کہ اولیائے کرام کی ذاتِ مذہبِ اسلام کے ساتھ مخصوص ہے
 ترتیب کے اعتبار سے آخر پر مگر موضوع کے اعتبار سے سب سے اول وہ قصیدہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو آپ
 حضرت نے دینِ اسلام کی بے بسی اور پریشان حالی کے بیان میں تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ
 قصیدہ سعدی کے قصیدے کے جواب میں ہے جو انہوں نے خلافتِ عباسیہ کی شکست و ریخت کے غم میں تحریر کیا
 تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ خلافتِ عباسیہ کے خاتمے سے اسلام کی عظمت و شان ختم ہو گئی ہے۔
 کہتے ہیں:

آسمانِ راحق بود گر خونِ ببارد بر زمین بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین
 آسمان پر فرض ہے کہ مستعصم امیر المومنین کی تباہی پر زمین پر خون برسائے
 آپ حضرت نے سعدی ہی کی زمین اور قافیہ میں اُس کا جواب پیش کیا ہے اور فرمایا کہ خون کے آنسو رونے
 کا مقام تو یہ ہے کہ اسلام بے یار و مددگار ہو گیا اور مسلمانوں میں کوئی اس کا حامی اور مددگار نہ رہا۔
 فرماتے ہیں:

مے سزد گر خونِ ببارد دیدہ ہر اہلِ دیں بر پریشاں حالیِ اسلام و قحطِ المسلمین
 مناسب ہے کہ ہر دیندار کی آنکھ خون کے آنسو روئے۔ اسلام کی پریشان حالی اور قحطِ المسلمین پر
 دینِ حق را گردش آمد صعبناک و سہمگس سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کس
 خدا کے دین پر نہایت خوفناک اور پرخطر گردش آگئی۔ کفر و شقاوت کی وجہ سے دنیا میں سخت فساد برپا ہو گیا
 آنکہ نفسِ اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب مے تراشد عیبہا در ذاتِ خیر المرسلین
 وہ شخص جس کا نفس ہر ایک خیر و خوبی سے محروم ہے وہ بھی حضرت خیر الرسل کی ذات میں عیب نکالتا ہے
 آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر ہست در شانِ امام پاکبازاں نکتہ چیں!
 وہ جو خود ناپاکی کے قید خانے میں اسیر و گرفتار ہے وہ بھی پاکبازوں کے سردار کی شان میں نکتہ چینی کرتا ہے
 تیر بر معصوم مے بارد چپینے بد گہر آسمانِ مے سزد گر سنگِ بارد بر زمین
 بداصل اور خبیث انسان اُس معصوم پر تیر چلاتا ہے آسمان کو مناسب ہے کہ زمین پر پتھر برسائے
 پیشِ چشمانِ شما اسلام در خاک اوفتاد چیست عذرے پیشِ حق اے مجمعِ المنتعمین
 تمہاری آنکھوں کے سامنے اسلام خاک میں مل گیا۔ پس اے گروہِ امراء تمہارا خدا کے حضور میں کیا عذر ہے

ہر طرف کفر است جو شاں ہجو افواج یزید دین حق پیار و یکس ہجو زین العابدین
 افواج یزیدی کی مانند ہر طرف کفر جوش میں ہے اور دین حق زین العابدین کی طرح بیمار و یکس ہے
 اور اسلام کی اس دردناک حالت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں کہ اسلام کی عظمت اور شوکت اول بھی اس
 کے دین کی صداقت اور روحانیت کی بنا پر تھی اور آج بھی اسی طور سے دوبارہ قائم ہوگی۔
 فرماتے ہیں:

آں زمان دولت اقبال ایشاں درگذشت شو مئی اعمال شاں آورد ایتا مے چنین
 ان کے دولت و اقبال کا زمانہ تو گذر گیا۔ اب ان کے اعمال کی نحوست ایسے دن لے آئی
 از رہ دین پروری آمد عروج اندر نخست باز چوں آید بیاید ہم ازین رہ بالیقین
 پہلے جو ترقی ہوئی تھی وہ دین پروری کے راستہ سے ہوئی تھی پھر بھی جب ہوگی یقیناً اسی راہ سے ہوگی
 یا الہی باز کے آید ز تو وقت مدد باز کے یتیم آں فرخندہ ایام و سنیں
 اے خدا پھر کب تیری طرف سے مدد کا وقت آئے گا اور ہم پھر وہ مبارک دن اور سال کب دیکھیں گے
 ایں دو فکر دین احمد مغز جان ما گداخت کثرت اعدائے ملت قلت انصار دین
 دین احمد کے متعلق ان دو فکروں نے میری جان کا مغز گھلا دیا اعدائے ملت کی کثرت اور انصار دین کی قلت
 اے خدا زود آ و بر ما آب نصرت ہا بار یا مرا بر دار یارب زیں مقام آتشیں
 اے خدا جلد آ اور ہم پر اپنی نصرت کی بارش برساور نہ اے میرے رب اس آتشیں جگہ سے مجھ کو اٹھالے
 اے خدا نور ہدیٰ از مشرق رحمت برار گم رہاں را چشم گن روشن ز آیاتے مبین
 اے خدا رحمت کے مطلع سے ہدایت کا نور طلوع کر اور چمکتے ہوئے نشان دکھلا کر گمراہوں کی آنکھیں روشن کر

مدحت و ترغیب دین اسلام

عربی زبان میں

جیسا کہ بہت مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس کے ادبی شاہ پاروں کی ایک عظیم الشان خوبی یہ ہے کہ وہ ہر زبان کے ادب عالیہ کے اقدار کی پاسداری کیساتھ بیان ہوئے ہیں اور پاسداری بھی ایسی کہ تینوں زبانوں کے اساتذہ شعر آپ کے موضوعات میں اپنی ہی زبان میں آپ کے کلام کے مقابل پر نہیں آسکتے

عربی زبان کا کلاسیکی دستور ادب جاہلیہ نے متعین کیا ہے اور اس کی اوّل پہچان مبارزت ہے یعنی زندگی کے تمام جذبات کے اظہار میں تقابل اور تقاخر۔ باجوہ اس کے کہ آپ حضرت کے موضوعات ادب جاہلیہ سے کوئی اشتراک نہیں رکھتے۔ آپ حضرت نے عربی کی اس ادبی قدر کو بہت احسن انداز میں برقرار رکھا ہے

زیر نظر موضوع کی امثال کو مشاہدہ کریں تو یہ حقیقت بہت واضح ہو جائے گی حمایت اسلام میں فرماتے ہیں:

شَمْسُ الْهُدَى طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَكَّةَ عَيْنُ النُّدَا نَبَعَتْ لَنَا بِحِرَاءِ

ہدایت کا آفتاب ہمارے لئے مکہ سے طلوع ہوا۔ بخششوں کا چشمہ ہمارے لئے حراء سے پھوٹ پڑا

ضَاهَتْ آيَةُ الشَّمْسِ بَعْضَ ضِيَائِهِ فَاذَا رَأَيْتُ فَهَاجَ مِنْهُ بُكَائِي

سورج کی شعاعیں اس کی ضیاء کے ایک حصہ سے مشابہ ہیں جب میں نے (اس سورج کو)

دیکھا تو اس سے میرے رونے میں ہیجان پیدا ہو گیا

أَعْلَى الْمُهَيِّمِنُ هَمَمْنَا فِي دِينِهِ نَبِيٌّ مَنَّا لَنَا عَلَى الْجَوْرَاءِ

خدا نے مہمیں نے اپنے دین کے بارہ میں ہماری ہمتوں کو بلند کیا (چنانچہ) ہم اپنی منزلیں

ستارہ جوزاء پر بنا رہے ہیں

نَسَعَى كَفَيْتِيَانِ بَدِينِ مُحَمَّدٍ لَسْنَا كَرَجَلٍ فَاقِدِ الْأَعْضَاءِ

ہم محمد کے دین کے لئے نوجوانوں کی طرح سعی و کوشش کرتے ہیں۔ ہم اس آدمی کی طرح

نہیں جس کے اعضاء ہی مفقود ہو گئے ہوں

نَلْنَا ثُرِيَاءَ السَّمَاءِ وَ سَمَكُهُ لِنَرُدَّ إِيمَانًا إِلَى الصَّيْدَاءِ

ہم آسمان کے ثریا اور اس کی بلندیوں تک پہنچ گئے تاکہ ہم ایمان کو زمین پر واپس لے آئیں

إِنَّا جَعَلْنَا كَالسِّيُوفِ فَنَدْمَعُ رَأْسَ اللَّيَامِ وَ هَامَةَ الْأَعْدَاءِ

ہمیں تلواروں کی طرح بنایا گیا ہے سو ہم کمینوں کے سر اور دشمنوں کی کھوپڑیاں توڑ ڈالتے ہیں

دین اسلام کی زبوں حالی کے بیان میں فرماتے ہیں:

عَلَىٰ جُدُرِ الْإِسْلَامِ نَزَلَتْ حَوَادِثٌ ۖ وَ ذَاكَ بِسَيِّئَاتٍ تُدَاعُ وَ تُنَشَّرُ
اسلام کی دیواروں پر حوادث نازل ہو چکے ہیں اور یہ ان برائیوں کی وجہ سے جو عام ہو رہی ہیں
اور پھیلائی جا رہی ہیں

وَ فِي كُلِّ طَرْفٍ نَارٌ فَتَنٍ تَاجَجَتْ ۖ وَ فِي كُلِّ ذَنْبٍ قَدْ تَرَاءَى التَّقَعُّرُ
ہر طرف فتنوں کی آگ بھڑک رہی ہے اور ہر گناہ میں گہرائی دکھائی دے رہی ہے
وَ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ كُلُّ ذَنْبٍ وَ نَمْرَةٍ ۖ يَعِيْثُ بِوَثْبٍ وَ الْعَقَارِبُ تَابُرُ
اور ہر طرف سے ہر بھڑیا اور جیتا حملے کے ذریعہ تباہی ڈال رہا ہے اور کچھوکاٹ رہے ہیں

وَ عَيْنُ هَدَايَاتِ الْكِتَابِ تَكْدَرَتْ ۖ بِهَا الْعَيْنُ وَ الْأَرَامُ يَمْشِي وَ يَعْبُرُ
اور کتاب اللہ کی ہدایتوں کا چشمہ گدلا ہو گیا ہے۔ اس چشمے میں جنگلی گائیں اور ہرن چل اور گزر رہے ہیں

تَرَاءَتْ غَوَايَاتُ كَرِيحٍ عَاصِفٍ ۖ وَ أَرْخَى سُدُولُ الْعَيِّ لَيْلٌ مُّكْدَرُ
گمراہیاں شند ہوا کی طرح نظر آ رہی ہیں اور تاریکی پیدا کرنے والی رات نے گمراہی کے پردے لٹکا دیئے ہیں
وَ لِلدِّينِ أَطْلَالٌ أَرَاهَا كَلَاهِفٍ ۖ وَ دَمْعِي بِذِكْرِ قُصُورِهِ يَتَحَدَّرُ
اور دین کے صرف کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں جنہیں میں افسردہ شخص کی طرح دیکھ رہا ہوں اور

میرے آنسو اس کے محلات کی یاد میں بہ رہے ہیں

أَرَى الْعَصْرَ مِنْ نَوْمِ الْبَطَالَةِ نَائِمًا ۖ وَ كُلُّ جَهْوَلٍ فِي الْهَوَىٰ يَتَبَخَّرُ
میں زمانہ کو باطل پرستی کی نیند میں سویا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ہر جاہل اپنی خواہشوں میں اتر رہا ہے
حمایت دین کے لیے آپ کی تڑپ اور جوش کو مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

نَسَعَى كَفْتِيَانِ بَدِينِ مُحَمَّدٍ ۖ لَسْنَا كَرَجُلٍ فَاقِدِ الْأَعْضَاءِ
ہم جوانوں کی طرح دین محمد کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم ایسے آدمی کی طرح نہیں جو بے دست و پا ہو
أَعْلَى الْمُهْتَمِنِ هَمَمْنَا فِي دِينِهِ ۖ نَبِيٌّ مَنَّا لَنَا عَلَى الْجَوْرَاءِ
خدا کے نگہبان نے ہماری ہمتوں کو دین کے بارے میں بلند کر دیا ہے۔ ہم اپنی منزلیں برج

جوزاء پر بنا رہے ہیں

إِنَّا جَعَلْنَا كَالسِّيُوفِ فَنَدْمَعُ رَأْسَ اللَّيَامِ وَهَامَةَ الْأَعْدَاءِ
ہم کو تلواروں کی طرح بنا دیا گیا ہے پس ہم کمینوں کے سر اور دشمنوں کی کھوپڑی پھوڑ دیتے ہیں
اس مضمون میں مزید فرماتے ہیں۔

وَلِدِينِهِ فِي جَدْرِ قَلْبِي لَوْعَةٌ وَإِنَّ بَيَانِي عَنْ جَنَانِي يُخْبِرُ
اور آپ کے دین کے لیے میرے دل کی گہرائیوں میں ایک تڑپ ہے اور یقیناً میرا بیان میرے
دل کی حالت کی خبر دے رہا ہے

وَرِثْتُ عُلُومَ الْمُصْطَفَى فَاخَذْتُهَا وَكَيْفَ أَرَدْتُ عَطَاءَ رَبِّي وَأَفْجُرُ
میں مصطفیٰ کے علوم کا وارث ہوا سو میں نے ان کو لے لیا اور میں اپنے رب کی عطا کو کیسے رد کروں
اور گنہگار ہوں

وَكَيفَ وَ لِلْإِسْلَامِ قُمْتُ صَبَابَةً وَ أَبْكِي لَهُ لَيْلًا نَهَارًا وَ أَضَجُرُ
اور یہ ہو کیسے سکتا ہے حالانکہ اسلام کی تائید کے لئے میں ازراہ عشق کھڑا ہوں اور اسی کے لیے
رات دن رونا ہوں اور کڑھتا ہوں

وَ عِنْدِي دُمُوعٌ قَدْ طَلَعْنَ الْمَاقِبَا وَ عِنْدِي صُرَاخٌ مِثْلَ نَارٍ مُسَعَّرُ
اور میرے آنسو آنکھوں کے کونوں سے باہر آگئے اور میری چیخ و پکار بھڑکائی ہوئی آگ کی طرح ہے
دین اسلام کی حقیقی خوبی اور عظمت کے بیان میں فرماتے ہیں:

وَ ذَلِكَ لِلدِّينِ الْقَوِيمِ كَرَامَةً إِذَا مَا تَبِعْتَ هُدَاهُ فَاللَّهُ يُؤْتِرُ
اور یہ امر سچے دین کے لئے بطور کرامت کے ہے کہ جب تو اس کی ہدایت کی پیروی کرے تو اللہ (تجھے) برگزیدہ
کر دے گا

وَ يَشْغِفُكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ مَحَبَّةً وَ يَأْخُذُ قَلْبَكَ حُبِّ حَبٍّ وَ يَاطِرُ
اور خدائے عزیز تجھ کو اپنی محبت سے شیفٹہ کر دے گا اور محبوب کی محبت تیرے دل کو لے لے گی اور ماں کر لے گی
فَطُوبَى لِمَنْ صَافَى صِرَاطَ مُحَمَّدٍ وَ كَمِثْلِ هَذَا النُّورِ مَا بَانَ نِيرُ

خوشی اس شخص کے لئے جس نے تیرے دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو چاہا اور اس نور کی مانند کوئی نور دینے والا ظاہر نہیں ہوا
وَ صَلْنَا إِلَى الْمَوْلَى بِهِدَى نَبِينَا فَدَعُ مَا يَقُولُ الْكَافِرُ الْمُنْتَصِرُ
ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے مولیٰ سے جا ملے۔ پس چھوڑ دے اس بات کو جو نصرانی کافر کہتا ہے

اور فرماتے ہیں کہ دین اسلام کے احیاء کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے

إِنِّي صَدُوقٌ مُّصْلِحٌ مُّتَرَدِّمٌ سَمُّ مُعَادَاتِي وَ سِلْمِي أَسْلَمٌ

میں صادق اور مصلح ہوں اور میری دشمنی زہر اور میری صلح سلامتی ہے

إِنِّي أَنَا الْبُسْتَانُ بُسْتَانُ الْهُدَى تَأْتِي إِلَيَّ الْعَيْنُ لَا تَصْرَمُ

میں باغ ہدایت ہوں۔ میری طرف وہ چشمہ آتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا

رُوحِي لِتَقْدِيسِ الْعَلِيِّ حَمَامَةٌ أَوْ عِنْدَ لَيْبٍ غَارِدٌ مُتَرَنِّمٌ

میری رُوح خدا کی تقدیس کے لئے ایک کبوتر ہے یا بلبل ہے جو خوش آوازی سے بول رہی ہے

مَا جِئْتُكُمْ فِي غَيْرِ وَقْتٍ عَابَثًا قَدْ جِئْتُكُمْ وَالْوَقْتُ لَيْلٌ مُّظْلَمٌ

میں تمہارے پاس بے وقت نہیں آیا۔ میں اس وقت آیا کہ ایک اندھیری رات تھی

صَارَتْ بِلَادُ الدِّينِ مِنْ جَذَبِ عَنَّا أَقْوَى وَأَقْفَرُ بَعْدَ رَوْضِ تَعْلَمُ

دین کی ولایت باعثِ حُظ کے، جو غالب آگیا، خالی ہوگئی بعد اس کے جو وہ ایک باغ کی طرح تھی

هَلْ بَقِيَ قَوْمٌ خَادِمُونَ لِدِينِنَا أَمْ هَلْ رَنَيْتَ الدِّينَ كَيْفَ يُحْطَمُ

کیا وہ قوم باقی ہے جو ہمارے دین کی خدمت کریں اور کیا تو نے نہیں دیکھا کہ دین کو کس طرح مسمار کیا جاتا ہے

فَاللَّهُ أَرْسَلَنِي لِأُحْيِيَ دِينَهُ حَقٌّ فَهَلْ مِنْ رَأْسِدٍ يَسْتَسْلِمُ

سو خدا نے مجھے بھیجا تاکہ میں اس کے دین کو زندہ کروں یہ سچ ہے۔ پس کیا کوئی ہے جو اطاعت کرے

جَهْدُ الْمُخَالَفِ بَاطِلٌ فِي أَمْرِنَا سَيْفٌ مِنَ الرَّحْمَنِ لَا يَتَشَلَّمُ

مخالف کی کوشش ہمارے امر میں باطل ہے یہ خدا کی تلوار ہے جس میں رخنہ نہیں ہو سکتا

فِي وَجْهِنَا نُورُ الْمُهْمِيمِ لِأَيْحِ إِنْ كَانَ فِيكُمْ نَاطِرٌ مُتَوَسِّمٌ

ہمارے منہ میں خدا تعالیٰ کا نور واضح ہے اگر کوئی تم میں دیکھنے والا ہو

الْيَوْمَ يُنْقَضُ كُلُّ حَيْطٍ مَكَائِدِ لَيْسَ سَحِيلٌ أَوْ شَدِيدٌ مُبْرَمٌ

آج ہر ایک مکر کا تاگا توڑ دیا جائے گا، نرم اک تارہ ہو یا سخت دو تارہ ہو

اور آخر پر خدمت اسلام کو احسن طریق سے بجالانے کے لیے خدا تعالیٰ کی جناب میں ایک دردناک

مناجات میں فرماتے ہیں۔

فَخُذْ بِيَدِي يَا رَبِّ فِي كُلِّ مَوْطِنٍ وَ أَيْدِ غَرِيبًا يُلْعَنَنَّ وَيُكْفَرُ

اے میرے رب! ہر معرکہ میں میرا ہاتھ پکڑ اور اس بے یار و مددگار کی تائید فرما جو لعنت اور تکفیر کیا جا رہا ہے

آتَيْتَكَ مَسْكِينًا وَ عَوْنِكَ أَعْظَمُ وَ جِئْتِكَ عَطْشَانًا وَ بَحْرُكَ أَرْحَرُ
میں مسکین ہو کر تیرے حضور آیا ہوں اور تیری مدد سب سے بڑی ہے اور میں پیاسا ہو کر تیرے
پاس آیا ہوں اور تیرا سمندر بہت موجزن ہے

قَدْ أَنْدَرَسَتْ أثارُ دِينَ مُحَمَّدٍ فَأَشْكُو إِلَيْكَ وَ أَنْتَ تَبْنِي وَ تَعْمُرُ
دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نشان مٹ چکے ہیں۔ پس میں تیرے حضور شکایت کرتا ہوں، تو
ہی تعمیر کرتا اور آباد کرتا ہے

أَرَى كُلَّ يَوْمٍ فِتْنَةً قَدْ مَدَدَتْ وَ مَنَّا وَ أَمْوَاطُ الْأَعَادِي بُعْثِرُوا
میں ہر روز ایک فتنہ دیکھتا ہوں جو پھیلا یا گیا ہے اور ہم مر گئے ہیں اور دشمنوں کے مُردے جی اٹھے ہیں
وَ قَدْ أَرْمَعُوا أَنْ يُزْعَجُوا سُبُلَ الْهُدَى وَ كَمْ مِنْ أَرَاذِلَ مِنْ شَقَاهُمْ تَنْصَرُوا
اور انہوں نے عزم کر لیا ہے کہ ہدایت کے راستوں کو جڑ سے اکھیڑ دیں اور بہت سے کمینے اپنی
بدبختی سے عیسائی ہو گئے ہیں

أَرَى كُلَّ مَحْجُوبٍ لِدُنْيَاهُ بَاكِيًا فَ مَنَ ذَا الدُّنْيَى يَبْكِي لِ دِينٍ يُحَقَّرُ
میں دین سے ہر بے بہرہ کو اپنی دنیا کے لئے رونے والا پاتا ہوں۔ پس کون ہے وہ جو روئے اس
دین کے لئے جس کی تحقیر کی جا رہی ہے

فَيَا نَاصِرَ الْإِسْلَامِ يَا رَبَّ أَحْمَدًا أَغْنِنِي بِتَائِيدِكَ فَإِنِّي مُذْخَرُ
اے اسلام کے ناصر! اے احمد کے رب! تائید کے ساتھ میری فریاد رسی کر۔ میں تو ذلیل کیا گیا ہوں



مدحتِ قرآنِ کریم

اس کتاب میں حضرت اقدس کے موضوعاتِ شعر کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ حضرت کے بعض موضوعاتِ شعر ایسے ہیں جنکا آپ سے قبل یا مابعد اسلامی ادب میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا اور یہ بھی کہ اگر کسی شاعر نے ان موضوعات پر کچھ کہا بھی ہے تو مختصر اور سرسری انداز میں ہے یعنی یہ کہ کسی نے ان موضوعات کو اپنے کلام کا مستقل اور اہم موضوع نہیں بنایا۔ ان موضوعات میں سرفہرست مدحت و ستائشِ قرآن ہے۔

گو امت محمدیہ میں ان گنت صلحاء و اصفیاء گذرے ہیں اور ان سب نے قرآنِ کریم کی صداقت اور اسکی ترویج و تبلیغ میں عظیم الشان خدمات کی ہیں اور دینِ اسلام کا چراغ روشن رکھا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ کسی نے اس موضوع کو اپنے شعری کلام کا اہم عنوان نہیں بنایا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآنِ کریم کی حقیقی اور کامل برکات کا ظہور دو ہی ہستیوں پر ہونا تھا اور ان دو کو ہی یہ سعادت نصیب ہوئی تھی کہ قرآنِ کریم کی برکات کو حقیقی اور قلبی طور پر حاصل کریں اور پھر اُس کے فضائل بیان کریں۔

ان دو ہستیوں میں اول اور ہر مقام پر اول ہستی تو ہمارے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسری آپ کی دوسری تجلی ہے جس نے آپ ہی کی پیشگوئی کے مطابق مہدی آخر زمان کے طور پر آنا تھا یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت اقدس آیتِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فَحَاصِلُ هَذَا الْبَيَانِ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ أَحْمَدَيْنِ فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ وَ فِي الْآخِرِ
الزَّمَانِ . وَ أَشَارَ إِلَيْهِمَا بِتَكَرَّرِ لَفْظِ الْحَمْدِ فِي أَوَّلِ الْفَاتِحَةِ وَ فِي آخِرِهَا لِأَهْلِ
الْعِرْفَانِ . وَ فَعَلَ كَذَلِكَ لِيُرَدَّ عَلَى النَّصْرَانِيِّينَ . وَ أَنْزَلَ أَحْمَدَيْنِ مِنَ السَّمَاءِ
لِيَكُونَا كَالْجِدَارَيْنِ لِحِمَايَةِ الْأَوَّلَيْنِ وَ الْآخِرِينَ .

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ترجمہ از مرتب: پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے (ایک) اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور (ایک) آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لیے سورہ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں اَلْحَمْدُ کا لفظاً و معنئاً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لیے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لیے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا محور قرآن کریم کی اطاعت اور اُس کی محبت ہے اور اسی پیغام ربانی کی علمی اور عملی اشاعت آپ کی بعثت کا مقصد تھا۔
جیسے کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

الرَّكِيبُ أَحْكَمْتُ آيَتُهُ ثُمَّ فُصِّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ حَبِيبٍ (ہود: 2)
حضرت اقدس ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
”یہ کتاب الہی ہے کہ اس کی آیات پکی اور استوار ہیں“

اور فرمایا:

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ (ہود: 3)
ایک عجیب بات سوال مقدر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ یعنی اس قدر تفصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذریات: 57) پھر فرمایا إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ۔ چونکہ یہ تعبد تام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اُسوہ حسنہ اور نمونہ کاملہ کے اور کسی قوت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اس لئے رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں اُسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور پھر خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی وحدانیت کے قیام کے لیے من کو قربان کرنے کے لیے باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی تو ہے۔

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام: 163، 164)

ترجمہ: تو (ان سے) کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے (اور) اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس (امر) کا حکم دیا گیا اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اسی طور پر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور نائب ہیں کہ آپ جناب قرآن کے عاشق صادق ہیں

فرماتے ہیں:

زِ عَشَاقِ فِرْقَانِ وَ پِنْبِغِيمِ
 بَدِیْ اَمْدِیْمِ وَ بَدِیْ بَکْدَرِیْمِ
 ترجمہ: ہم قرآن اور پینبغیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے عاشقوں میں سے ہیں۔ اسی (عشق) کے
 ساتھ ہم آئے ہیں اور اسی کے ساتھ جائیں گے۔
 اس شعر میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عشق قرآن آپ کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور محبت سے نصیب
 ہوا ہے۔ اور پھر اس عشق کا یہ والہانہ انداز بھی دیکھیں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
 قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

اور عربی میں فرماتے ہیں:

وَ جَاءَ بِقُرْآنٍ مَّجِيدٍ مُّكْمَلٍ
 مُنِيرٍ فَنَوَّرَ عَالَمًا وَيُنَوِّرُ
 ترجمہ: اور وہ مکمل قرآن مجید لے کر آیا جو روشنی بخشنے والا ہے۔ سو اس نے ایک دنیا کو منور کر دیا اور آئندہ بھی
 منور کرتا رہے گا۔ وہ ایک عزت والی کتاب ہے جو تمام فضیلتوں کی جامع ہے۔ معارف کے جام پلاتی ہے۔

وَ اِنَّ سُرُوْرِيْ فِىْ اِدَارَةِ كِتَابِهٖ
 فَهَلْ مِنَ النَّدَامِىْ حَاضِرٌ مِّنْ يُكْرَرُ
 ترجمہ: اور میری خوشی اس پیمانے کو گردش میں لانے میں رہی ہے۔ کیا میرے ہم مجلسوں میں کوئی ہے جو
 بار بار پلائے۔

یہاں تک تو بات ہوئی قرآن کریم کے نزول اور مقصد اعلیٰ کی اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پاک محمدؐ
 مصطفیٰ نبیوں کے سردار اور آپ کے نائب مسیحؑ دوراں اور امام آخر الزماں کی۔

اب ہم اپنے دستور کے مطابق اول یہ پیش کریں گے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے حسن و خوبی اور اس کی
 صفات کو کس طور سے بیان کیا ہے۔

قرآن کریم نے اول تو باری تعالیٰ کی ہستی کو ”نور“ کی علامت قرار دیا ہے۔
 جیسے کہ فرمایا

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اِلَى الْآخِرِ (النور: 36)

سچ بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی ذات علوی کے بعد اگر تو اتر اور تکرار سے کسی کے
 اوصاف بیان کیے ہیں تو ان میں اول قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو موقع اور محل کے تحت بیان کیا ہے اس لیے ان صفات کی حقیقی عظمت تو تسلسل بیان

کی روشنی میں ہی آشکار ہو سکتی ہے۔ مگر اس تفصیل بیان کی یہ کوشش متحمل نہیں ہو سکتی اس لیے حصول برکت کی غرض سے اُن میں سے چند ایک صفات بیان کر دیئے ہیں۔

صداقت۔ لاریب۔ نور۔ شفاء۔ رحمت۔ مبارک۔ موعظہ اور ذکر یہ چند قرآن کریم کے ذاتی اوصاف ہیں۔ اور تاثیرات قرآن کے اعتبار سے بھی اس کی صفات بیان ہوئی ہیں۔

یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کی منقبت اور عظمت کے بیان میں ہیں اور ابھی بہت سی اور بھی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر تین بنیادی صفات قرآن کریم کو حضرت اقدس کی تعبیر و تفسیر کیساتھ پیش کرتے ہیں۔

اول۔ نور

دوم۔ ہدایت

سوم۔ تاثیرات قرآن



مدحتِ قرآن - اردو زبان میں

نور:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ علوی کے لیے ”نور“ کی علامت کو اختیار فرمایا اور اس نور کی تجلیات خاص میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شمار کیا ہے۔ دراصل قرآن کریم کی مدح و توصیف میں یہ مقام بہت اعلیٰ اور مکرم ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے نور کی تجلی خاص ہے۔

فرمایا:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمُصْبَاحُ فِي رُجَاةٍ الزُّجَاةِ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
(النور: 36)

خدا آسمان و زمین کا نور ہے یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے۔ خواہ خارجی۔ اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اُس کے فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبداء ہے اور تمام انوار کا علل العلیل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس فیض عام کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فیض خاص کو بیان فرماتا ہے
حضرت اقدس کہتے ہیں:

خداوند تعالیٰ نے اول فیضانِ عام کو (جو بدیہی الظہور ہے) بیان کر کے پھر اُس فیضانِ خاص کو بغرض کیفیتِ او حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثال میں بیان فرمایا ہے کہ جو اس آیت سے شروع ہوتی ہے مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ... الخ
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور پھر فرمایا جو قرآن اسی نور کو پکارتی ہے:

سوقرآن شریف بھی اسی طرزِ موزون و معتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدت و رحمت و ہیبت و

شفقت و نرمی و درشتی ہے۔ سو اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ چراغِ وحی فرقانِ اس شجرہ مبارک سے روشن کیا گیا ہے کہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ یعنی طہیتِ معتدلہ محمدیہ کے موافق نازل ہوا ہے جس میں نہ مزاجِ موسوی کی طرح درشتی ہے نہ مزاجِ عیسوی کی مانند نرمی۔ بلکہ درشتی اور نرمی اور قہر اور لطف کا جامع ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؒ زیر آیت)

اور پھر بہت واضح طور پر فرماتے ہیں تمام انوارِ کامل ہونے کے بعد آنحضرتؐ پر نورِ وحی الہی وارد ہوا۔ نُورٌ عَلٰی نُورٍ۔ نورِ فائض ہو انور پر (یعنی جب کہ وجودِ مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے۔ سو ان نوروں پر ایک نورِ آسمانی جو وحی الہی ہے وارد ہو گیا اور اُس نور کے وارد ہونے سے وجودِ باجوہ خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا۔ پس اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ نورِ وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے تاریکی پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ فیضان کیلئے مناسبت شرط ہے اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؒ زیر آیت)

ان فرموداتِ خداوندی اور تفسیرِ حضرت اقدسؒ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ

اول: نورِ خدا تعالیٰ کی ہستی ہے۔

دوم: اس نور کی تجلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔

سوم: آنحضرت پر نورِ وحی الہی یعنی قرآن کریم نازل ہوا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(المائدة: 16)

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراجِ منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (المائدة: 16) وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّبِينًا (الاحزاب: 47) یہی حکمت ہے کہ نورِ وحی جس کے لیے نورِ فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔

ظلمانی زمانہ کے تدارک کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے نور آتا ہے وہ نور اُس کا رسول اور اس کی کتاب ہے خدا اُس نور سے ان لوگوں کو راہ دکھلاتا ہے کہ جو اُس کی خوشنودی کے

خواہاں ہیں سو ان کو خدا کی ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ
أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
(الاعراف: 158)

حضرت اقدس اس فرمان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے۔ اور اپنی شمولیت کے ساتھ اس کو قوت دیں گے اور اس نور
کی مدد کریں گے جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہ دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات پائیں گے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہدایت

ہمارے نزدیک قرآن کریم میں اس کتاب کی عظمت و شان کے بیان میں عمومی طور پر جو حقیقی صفت بیان
ہوئی ہے وہ ”ہدایت“ ہے۔ یعنی قرآن کریم کو ایک ہدایت کہا گیا ہے۔

ہم دو بنیادی اور اصولی فرمودات پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اول قدم پر اپنی صفات میں صفت
ہدایت کو پیش کیا ہے اور حضرت اقدس نے اس صفت کو قرآن کی علت غائی قرار دیا ہے۔

الْحَٰذِلُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ لِيْ رَيْبٍ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرة: 2، 3)

حضرت اقدس فرماتے ہیں:

اللہ جلّ شانہ نے قرآن کریم کے نزول کی علت غائی ہُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ قرار دی ہے
اور قرآن کریم سے رشد اور ہدایت اور فیض حاصل کرنے والے بالخصوص متقیوں کو ہی ٹھہرایا
ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے الْحَٰذِلُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ لِيْ رَيْبٍ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

اور ان آیات میں جو معرفت کا نکتہ مخفی ہے وہ یہ ہے کہ آیات ممدوحہ بالا میں خدا تعالیٰ نے یہ
فرمایا ہے کہ الْحَٰذِلُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ لِيْ رَيْبٍ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ وہ کتاب ہے
جو خدا تعالیٰ کے علم سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور چونکہ اُس کا علم جہل اور نسیان سے پاک ہے اس

لیے یہ کتاب ہر ایک شک و شبہ سے خالی ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کا علم انسانوں کی تکمیل کے لیے اپنے اندر ایک کامل طاقت رکھتا ہے اس لیے یہ کتاب متقین کے لیے ایک کامل ہدایت ہے اور ان کو اُس مقام تک پہنچاتی ہے جو انسانی فطرت کی ترقیات کے لیے آخری مقام ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

صفت ہدایت کے تحت دوسرا فرمان یہ ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا
(بنی اسرائیل: 10)
حضرت اقدس اس صفت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہ قرآن اُس سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے جس میں ذرا کجی نہیں اور انسانی سرشت سے بالکل مطابقت رکھتی ہے اور درحقیقت قرآن کی خوبیوں میں سے یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ ایک کامل دائرہ کی طرح بنی آدم کی تمام قوی پر محیط ہو رہا ہے۔ اور آیت موصوفہ میں سیدھی راہ سے وہی راہ مراد ہے کہ جو راہ انسان کی فطرت سے نہایت نزدیک ہے یعنی جن کمالات کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے ان تمام کمالات کی راہ اس کو دکھلا دینا اور وہ راہیں اس کے لئے میسر اور آسان کر دینا جن کے حصول کے لئے اُس کی فطرت میں استعداد رکھی گئی ہے اور لفظ أَقْوَمُ سے آیت يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ میں یہی راستی مراد ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

تاثيراتِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تاثیر کے اعتبار سے بہت مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔ ہم اختصار کے طور پر دو بہت اہم فرمودات پیش کرتے ہیں۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي تَقْشَعْرُهُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ
(الزمر: 24)

حضرت اقدس تفسیر میں فرماتے ہیں:

يَعْنِي ذَٰلِكَ الْكِتَابُ كِتَابٌ مُتَشَابِهٌ يَشْبَهُ بَعْضُهُ بَعْضًا لَيْسَ فِيهِ تَنَافُضٌ وَلَا

اِخْتِلَافٌ مَّشْنَىٰ فِيهِ كُلُّ ذِكْرٍ لَيَكُونُ بَعْضُ الذِّكْرِ تَفْسِيرًا لِبَعْضِهِ تَقْشَعْرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَعْنِي يَسْتَوَلِي جَلَالَهُ وَهَيْبَتَهُ عَلَى قُلُوبِ الْعَشَاقِ لَتَقْشَعِرَ جُلُودَهُمْ مِنْ كَمَالِ الْخَشْيَةِ وَالْخَوْفِ يَجَاهِدُونَ فِي طَاعَةِ اللَّهِ لَيْلًا وَنَهَارًا بِتَحْرِيكِ تَأْثِيرَاتِ جَلَالِيَّةٍ وَتَنْبِيهَاتِ قَهْرِيَّةٍ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ يَبْدَلُ اللَّهُ حَالَتَهُمْ مِنَ التَّأَلُّمِ إِلَى التَّلَذُّذِ

(تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

(ترجمہ ایڈیٹر ”الحق“): یعنی یہ کتاب متشابہ ہے جس کی آیتیں اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں۔ ہر ذکر اور وعظ اس میں دوہرا کر بیان کئے گئے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے اس لئے کہ ان کی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے روٹ گئے کھڑے ہو جائیں۔ وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ اطاعت میں بدل و جان کوشش کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو جو پہلے دکھ درد کی حالت ہوتی ہے لذت اور سرور سے بدل ڈالتا ہے۔

دوم۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الحشر: 22)

ترجمہ از حضرت اقدس: یہ قرآن جو تم پر اتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوف الہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلام الہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غور اور فکر کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ایک تو یہ معنی ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اترتا تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور دوسرے اس کے معنی

یہ ہیں کہ کوئی شخص محبتِ الہی اور رضائے الہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اول تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہو اپہاڑ جس نے سر اُنچا کیا ہو اہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر مُتَصَدِّعًا ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جُدا ہو جاتی ہے (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اللہ تعالیٰ نے جو صفات قرآن بیان کی ہیں ان کا ایک نہایت درجہ مختصر اور محدود ذکر کرنے کے بعد ہم اپنے پیارے آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرمودات نعتِ قرآن کے تعلق میں پیش کرتے ہیں مشاہدہ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کس قدر قرآن کریم کے فرمودات کے اتباع میں ہیں اول قدم پر ہم ”اللَّهُ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ“ کے قرآنی فرمان کے اتباع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بہت ہی حسین احادیث کو پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے حسین کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے حسین ہدایت محمد کی ہدایت ہے۔ (نسائی کتاب السہو)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی خوبیوں کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ قرآن پڑھتا ہے؟

(مسند احمد بن حنبل باقی مسند الانصار فی مسند عائشہؓ)

دیکھ لیں کہ ”نور“ اور ”ہدایت“ دونوں صفات بیان ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان میں سے پہلی تو اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب سے چمٹ جاؤ اور اسے پکڑ لو آپؐ نے اس پر بہت ترغیب دلائی پھر فرمایا میرے اہل بیت۔

(دارمی کتاب فضائل القرآن)

اور پھر قرآن کریم سے محبت اور اس کو پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے سینہ میں قرآن کا کچھ حصہ بھی نہ ہو

وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسا ویران گھر جس میں کوئی رہ نہ سکے۔

(دارمی کتاب فضائل القرآن)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں سے اہل

اللہ ہیں عرض کیا گیا وہ کون ہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا: قرآن والے۔ (دارمی کتاب فضائل القرآن)

زیر نظر مضمون میں اب ہم اس مقام تک پہنچے ہیں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت قرآن کے نمونے پیش کریں اور مشاہدہ کروائیں کہ آپ حضرت کی مدح و منقبت قرآن کس قدر قرآن کریم اور ہمارے پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور نقش قدم پر ہے

اول مقام پر تو یہ عظیم الشان نعت ہے کہ خالص طور پر لفظاً و معنیاً قرآن کریم اور حدیث کا اتباع ہے۔

فرماتے ہیں:

جمال و حسن قرآن نور جانِ ہر مسلمان ہے

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

نظیر اُس کی نہیں جتنی نظر میں فکر کر دیکھا

بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت میں

نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز

اگر لولؤئے عیماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو

وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی

سخن میں اُس کے ہمتائی، کہاں مقدور انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز

تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

اسی انداز بیان اور قلبی محبت سے فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلی نکلا

پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
 ناگہاں غیب سے یہ چشمہٴ اصفیٰ نکلا
 یا الہی تیرا فُرقاں ہے کہ اک عالم ہے
 جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
 سب جہاں چھان چکے ساری دکائیں دیکھیں
 سُنئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
 کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
 وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
 پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
 پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
 ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
 ایسا چمکا ہے کہ صد نیر بیضا نکلا
 زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں
 جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اُٹلی نکلا
 جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
 جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پُتلا نکلا

منقبت قرآن میں اس شعر کی عظمت کا مشاہدہ کریں

حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
 ناگہاں غیب سے یہ چشمہٴ اصفیٰ نکلا

صفتِ نور سب سے نمایاں ہے مگر صفتِ ہدایت کو آپ حضرت نے اسلام کے پودے کی آبیاری کے لئے
 قرآن کریم کو زندگی اور تروتازگی بخش مصطفیٰ چشمہ کہا ہے۔ کس قدر خوبصورت کلام ہے اور اپنے دامن میں ہزار
 معانی کو سمیٹے ہوئے ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن کریم کے فضائل کے بیان کیساتھ دیگر کتب ساوی کا تقابل بھی فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

شُکْرِ خُدَائِ رَحْمَا! حَسَّ نَعْنِي دِيَا هِي قَرَأَا
 غَنَجِي تَحِي سَارِي پِيلِي اَبْ كَلْ كِهْلَا يِهِي هِي
 كِيَا وَصْفِ اس كِي كِهْنَا هِرْحَرْفِ اس كَا كِهْنَا
 دِلْبَرِ بَهْتِ هِي دِي كِهِي دِلْ لِي كِيَا يِهِي هِي
 دِي كِهِي هِي سَبْ كِتَابِي مَجْمَلِ هِي جِي سِي خَوَابِي

خَالِي هِي اُنْ كِي قَائِي خَوَانِ هُدَا يِهِي هِي
 اُسْ نِي خُدَا مَلَا يُوْهْ يَارِ اُسْ سِي پَايَا
 رَاتِي تَحِي جَنِّي كُرِّي اَبْ دِنْ چُرْ هَا يِهِي هِي
 اُسْ نِي نَشَا دَكْهَائِي طَالِبِ سَبْ بِلَائِي
 سَوْتِي هُوِي جَكَا لِي سَحَقْ نُمَا يِهِي هِي
 پِيلِي صَحْفِي سَارِي لُو كُو نِي جَبْ بَكَا رِي

دُنْيَا سِي وُو سَدْهَارِي نُو شِي نِيَا يِهِي هِي
 كِهْتِي هِي حَسَنِ يُوْسُفْ دَكْشِ بَهْتِ تَحَا لِي كِنِ
 حُوْبِي وَ دِلْبَرِي مِي سَبْ سِي سَوَا يِهِي هِي
 يُوْسُفْ تُو سُنْ چَكِي هُو اَكْ چَاهِ مِي كِرَا تَحَا
 يِي چَاهِ سِي نَكَالِي حَسَّ كِي صَدَا يِهِي هِي

اس کلام میں قرآن کے تین بنیادی اوصاف بیان ہوئے ہیں جو کہ ہر سچے دین میں پائے جانے ضروری ہیں۔
 اول قرآن کریم تمام دینی علوم کو مفصل بیان کرتا ہے جبکہ دیگر کتب میں یہ خوبی نہیں ہے۔ فرمایا:

دِي كِهِي هِي سَبْ كِتَابِي مَجْمَلِ هِي جِي سِي خَوَابِي
 خَالِي هِي اُنْ كِي قَائِي خَوَانِ هُدَا يِهِي هِي

دینی راہنمائی کی دعوت میں دیگر ادیان کی قابوں کا خالی ہونا اور قرآن کی ہدایت کے ماندہ کا دسترخوان بھر پور

ہونا بہت ہی خوبصورت مثال ہے۔

دوم قرآن کریم کے وسیلے سے وصالِ باری تعالیٰ حاصل ہوتا ہے۔

☆ غنچے: تورات، انجیل، زبور وغیرہ

فرمایا:

اُس نے خُدا ملایا وہ یار اُس سے پایا
 راتیں تھیں جتنی گزریں اب دن چڑھا بھی ہے
 یعنی گذشتہ کتب میں یہ خوبی ناپید ہوگئی تھی۔ مگر قرآن کے نور نے طلوعِ شمس کیا اور ہزاروں لاکھوں
 واصل باللہ پیدا ہوئے اس فوج کے اوّل سالار ہمارے پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کے سردار ہیں اور دوم جری اللہ
 فی حلال الانبیاء ہیں۔

تیسری صفت یہ ہے صرف قرآن ہی لفظاً و معنیاً محفوظ ہے جبکہ دیگر کتب میں تحریف اور تبدیلی کا عمل ہو چکا ہے
 جیسے فرمایا:

پہلے صحیفے سارے لوگوں نے جب بگاڑے
 دُنیا سے وہ سدھارے نوشہ نیا یہی ہے
 ایک اور مقام پر قرآن کریم کی یہ خوبی شان سے بیان ہوئی ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی کی لقا اور وصال کا ذریعہ بن
 سکتا ہے۔ بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان ہوئی ہے اور فرمایا کہ وہ تمام روحانی انعامات جو صحیفہ قرآن کریم
 ہی کی برکت سے عطا ہوئے ہیں۔

ہمارے خیال میں آپ کی یہ نظم قرآن کریم کے فضائل و برکات میں ایک لاجواب شاہکار ہے۔ تمام ادبی
 محاسن کی حامل اور عقل اور معرفت سے بھرپور اور محبتِ الہی میں سرشار اور تاثیرات قرآن کا ایک مفصل بیان ہے:
 فرماتے ہیں:

ہے شکر ربِّ عزّوجلّ خارج از بیان
 جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشان
 وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
 ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
 اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہو گیا
 وہ اپنے مُنہ کا آپ ہی آئینہ ہو گیا
 اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا
 ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا

اُس سے خُدا کا چہرہ نمودار ہو گیا
 شیطان کا مکر و دَسوسہ بے کار ہو گیا
 وہ رہ جو ذاتِ عز و جل کو دکھاتی ہے
 وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے
 وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو کھینچ لاتی ہے
 وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے
 وہ رہ جو اس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے
 وہ رہ جو اُس کے پانے کی کامل سبیل ہے
 اُس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا
 جتنے شکوک و ہُبہ تھے سب کو مٹا دیا
 افسردگی جو سیوں میں تھی دُور ہو گئی
 ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نور ہو گئی
 جو دَور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
 چلنے لگی نسیمِ عنایاتِ یار سے
 جاڑے کی رُتِ ظہور سے اس کے پلٹ گئی
 عشقِ خدا کی آگ ہر اکِ دل میں اٹ گئی
 جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے
 پھل اس قدر پڑا کہ وہ میوں سے لَد گئے
 موجوں سے اُسکی پردے وساوس کے پھٹ گئے
 جو کُفر اور فسق کے ٹیلے تھے کٹ گئے
 قرآنِ خُدا نُما ہے خُدا کا کلام ہے!
 بے اِس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

اور آخر میں قرآن کریم کو حرز جان بنانے اور اس سے محبت کا رشتہ باندھنے کے لیے ایک نہایت درجہ درود دل سے بیان کی ہوئی نصیحت ہے۔
فرماتے ہیں:

قرآن کتابِ رحمانِ سکھلائے راہِ عرفاں
جو اسکے پڑھنے والے اُن پر خدا کے فیضان
اُن پر خُدا کی رحمت جو اس پہ لائے ایماں
یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
ہے چشمہٴ ہدایت جس کو ہو یہ عنایت
یہ ہیں خُدا کی باتیں اِن سے ملے ولایت
یہ نُورِ دِل کو بخشے دِل میں کرے سرایت
یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
قرآن کو یاد رکھنا پاکِ اعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي



مدحتِ قرآنِ کریم

فارسی زبان میں

گزشتہ میں تعین کی گئی ہے کہ ہم قرآن کریم کی بے شمار صفات اور عظمت و شان میں اس کی ان تین صفات کو پیش کرتے ہیں جو کہ قرآن میں بنیادی صفات کے طور پر بار بار بیان ہوئی ہیں۔
وہ صفات اوّل۔ نور

دوم۔ ہدایت

سوم۔ قرآن کی تاثیرات ہیں۔

مدحِ قرآن میں حضرت اقدس کے کلام میں بھی یہی بنیادی عناصر ہیں۔ یہی عناصر ثلاثہ آپ کے تینوں زبانوں کے کلام میں روشن اور عیاں ہیں۔ اردو زبان کے نمونے پیش کئے جا چکے ہیں اب فارسی اور عربی کے کلام کو پیش کیا جائیگا۔

اوّل قدم پر ہم آپ حضرت کی ایک عظیم الشان غزل نمائعتِ قرآن پیش کرتے ہیں جس میں ان تینوں صفات کا بیان بھی ہے اور قرآن کریم سے والہانہ محبت کا اظہار بھی۔
فرماتے ہیں:

از نورِ پاکِ قرآنِ صبحِ صفا دمیدہ بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہوئی اور دلوں کے غنچوں پر بادِ صبا چلنے لگی۔
ایں روشنی و لمعانِ شمسِ الضحیٰ ندارد وایں دلبری و خوبی کس در قمر نہ دیدہ
ایسی روشنی اور چمک تو دو پہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندنی میں بھی نہیں
یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنها وایں یوسف کہ تن ہا از چاہ بر کشیدہ
یوسف تو ایک کنویں کی تہ میں اکیلا تھا مگر اس یوسف نے بہت سے لوگوں کو کنوئیں میں سے نکالا ہے
از مشرقِ معانی صدا ہا دقایقِ آورد قدّ ہلالِ نازکِ زان نازکی خمیدہ
منہجِ حقائق سے یہ سینکڑوں حقائق اپنے ہمراہ لایا ہے۔ ہلالِ نازک کی کمران حقائق سے جھک گئی ہے
کیفیتِ علوشِ دانی چہ شان دارد شہدیتِ آسمانی از وحی حق چکیدہ
تجھے کیا پتہ کہ اس کے علوم کی حقیقت کس شان کی ہے وہ آسمانی شہد ہے جو خدا کی وحی سے پکا ہے
آں نیرِ صداقتِ چوں رو بہ عالم آورد ہر بومِ شب پرستے در گنجِ خود خزیدہ
یہ سچائی کا سورج جب اس دنیا میں ظاہر ہوا تو رات کے عجباری آٹو اپنے اپنے کونوں میں جا گھسے

روئے یقین نہ بیند ہرگز کسے بدُنیا اِلا کسے کہ باشد بارویش آرمیدہ
دنیا میں کسی کو یقین کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مگر اسی شخص کو جو اُس کے منہ سے محبت رکھتا ہے
آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف واں بیخبر ز عالم کیں عالے ندیدہ
جو اس کا عالم ہو گیا وہ خود معرفت کا ترزا نہ بن گیا اور جس نے اس عالم کو نہیں دیکھا اُسے دُنیا کی کچھ خبر ہی نہیں
بارانِ فضلِ رحمان آمد بمقدم او! بدقسمت آنکہ از وے سوائے دگر دویدہ
رحمان کے فضل کی بارش ایسے شخص کی پیشوائی کو آتی ہے بدقسمت وہ ہے جو اسے چھوڑ کر دوسری طرف بھاگا
میلِ بدی نباشد اِلا رگے ز شیطان آں را بشر بدنام کز ہر شرے رہیدہ
بدی کی طرف رغبت ایک شیطانی رگ ہے میں تو اُسے بشر سمجھتا ہوں جو ہر شر سے نجات پائے
اے کانِ دلربائیِ دانم کہ از کجائی تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
اے کانِ حسن میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے تو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی
میلیم نمائد باکس محبوب من توئی بس زیرا کہ ز اں فغاں رس نورت بمارسیدہ
مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس خدا نے فریاد رس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے
مشاہدہ کر لیں کہ اس میں ”نور“ اور ”ہدایت“ کا مضمون بھی ہے اور قرآن کریم کی ایسی تاثیر کا ذکر بھی ہے جو
اس سے محبت والفت پیدا کرتی ہے۔ محبت کے اظہار میں دو شعر دوبارہ سُن لیں

اے کانِ دلربائیِ دانم کہ از کجائی تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
اے حُسن کی کان میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے تو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی
میلیم نمائد باکس محبوب من توئی بس زیرا کہ ز اں فغاں رس نورت بمارسیدہ
مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس خدا نے فریاد رس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے
دوسرے مقام پر ایک طویل مثنوی میں قرآن کے حسن و خوبی کو تفصیل کیساتھ بیان فرماتے ہیں۔
فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں نہ تافت است چناں کو بماندے نہاں ز دیدہ وراں
قرآن کا نور ایسا نہیں چمکتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی رہ سکے
آں چراغِ ہدیست دُنیا را رہبر و رہنماست دنیا را
وہ تو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا چراغ ہے اور جہاں بھر کے لیے رہبر اور رہنما
رحمتے از حُداست دُنیا را نعمتے از سماست دُنیا را
وہ خدا کی طرف سے دنیا کے لیے ایک رحمت ہے اور آسمان سے اہل جہان کے لیے ایک نعمت

مخزنِ راز ہائے ربانی از خدا آله خدا دانی
 وہ خداوند کے اسرار کا خزانہ ہے۔ اور خدا کی طرف سے خدا شناسی کا آلہ ہے
 برتر از پایہ بشر بکمال دستگیرِ قیاس و استدلال
 وہ اپنے کمالات میں انسان کے مرتبہ سے بالاتر ہے اور قیاس اور استدلال کی دستگیری کرتا ہے
 کارسازِ اتم بعلم و عمل حجتش اعظم و اثرِ اکمل
 وہ علم و عمل میں ہمارے لیے کامل کارساز ہے اُس کی دلیل پختہ اور اس کا اثر نہایت کامل ہے
 اس مضمون میں اوصافِ قرآن بیان فرماتے ہیں کہ قرآن علمِ دین کا آفتاب ہے اور انسان کو شک سے نکال
 کر یقین کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جبلِ امین ہے۔ فرماتے ہیں:

ہست فرقاں آفتابِ علم و دین تا برمدت از گماں سوئے یقین
 قرآن مجید علم اور دین کا سورج ہے اور وہ تجھے شک سے یقین کی طرف لے جائیگا
 ہست فرقاں از خدا جبلِ امین تا کھندت سوئے رب العالمین
 قرآن خدا کی مضبوط رسی ہے اور وہ تجھے رب العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائیگی
 ہست فرقاں روزِ روشن از خدا تا دہندت روشنی دیدہ ہا
 قرآن خدا کی طرف سے ایک روشن دن ہے تاکہ تجھے روحانی آنکھوں کی روشنی بخشنے
 حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال تا رسی در حضرتِ قدس و جلال
 خدا نے اس بے نظیر کلام کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ تو اس پاک اور ذوالجلال کی درگاہ میں پہنچ جائے
 داروئے شکستِ ست الہامِ خدا کاں نماید قدرتِ تامِ خدا
 خدا تعالیٰ کا الہامِ شک کی دوا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی کامل قدرت کو ظاہر کرتا ہے
 ہر کہ روئے خود ز فرقاں در کشید جان او روئے یقین ہرگز نندید
 جس نے قرآن سے روگردانی اختیار کی اُس نے یقین کا منہ ہرگز نہیں دیکھا
 وحی فرقاں مُردگاں را جاں دہد صد خبر از کوچہ عرفاں دہد
 قرآن کی وحی مُردوں میں جان ڈالتی ہے اور معرفتِ الہی کی سینکڑوں باتیں بتاتی ہے
 از یقین ہا می نماید عالے! کاں نہ بیند کس بصد عالم ہے
 اور یقینی علوم کا ایسا جہاں دکھاتی ہے جو کوئی سو جہانوں میں بھی نہیں دیکھ سکتا
 ایک بہت ہی مؤثر اور دل فریب نعت بھی سن لیں قرآن سے اپنی وابستگی اور محبت کو بیان کر کے ان لوگوں پر

افسوس کرتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔

فرماتے ہیں:

از وحی خدا صبح صداقت بدمیدہ چشمیکہ ندید آں صحفِ پاک چہ دیدہ
 خدا کی وحی سے صبح صداقت روشن ہوگئی جس آنکھ نے یہ صحفِ پاک نہیں دیکھے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا
 کاخِ دلِ ما شد ز ہماں نافہ مُعطر وَاں یار بیامد کہ زما بود رمیدہ
 ہمارا دل اُس نافہ سے معطر ہے اور وہ یار جو ہم سے بھاگا ہوا تھا پھر آگیا
 آں دیدہ کہ نورے گرفت ست ز فرقاں حقا کہ ہمہ عمر ز کوری نہ رہیدہ
 وہ آنکھ جس نے قرآن سے نور اخذ نہیں کیا خدا کی قسم وہ ساری عمر اندھے پن سے خلاصی نہ پائے گی
 آں دل کہ جواز وے گل گزار خدا جست سو گند تو اں خورد کہ بولیش نشمیدہ
 وہ دل جس نے اُسے چھوڑ کر گل گزار خدا ڈھونڈا۔ خدا کی قسم کہ اس شخص نے اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھی
 باخور ندہم نسبت آں نور کہ بنم صدخور کہ بہ پیرامن او حلقہ کشیدہ
 میں سورج سے اس نور کو تشبیہ نہیں دے سکتا کیونکہ دیکھتا ہوں کہ اس کے گریسٹیکلزوں اُفتاب حلقہ باندھے کھڑے ہیں
 بے دولت و بد بخت کسا ایکہ از اں نور سرتافتہ از نخوت و پیوند بریدہ
 وہ لوگ بد قسمت اور بد نصیب ہیں جنہوں نے اس نور سے تکبر کی وجہ سے رُوگردانی کی اور تعلق توڑ لیا
 تاثیرات قرآن پر ایک اور مؤثر کلام بھی سن لیں۔

آں کتابے ہچو خور داذش خدا کز رخش روشن شد ایں ظلمت سرا
 خدا نے اُسے سورج کی طرح ایک ایسی کتاب عطا کی کہ اُس کے رونے روشن سے یہ اندھیرا جہان چمک اٹھا
 ہست فرقاں طیب و طاہر شجر از نشانہا مے دہد ہر دم ثمر
 فرقان ایک پاک اور طیب درخت ہے اور ہر زمانہ میں نشانات کے پھل دیتا ہے
 صد نشان راستی در وے پدید نے چو دین تو بنالیش بر شنید
 سچائی کے سیکلزوں نشان اس میں ظاہر ہیں تیرے دین کی طرح اُس کی بنیاد شنید پر نہیں ہے
 پُر ز اعجاز است آں عالی کلام نور یزدانی در و زشد تمام
 وہ بزرگ کتاب معجزات سے بھری ہوئی ہے اُس میں خدائی نور پورا پورا چمکتا ہے
 از خدائی ہا نمودہ کار را! بر دریدہ پردہ کفار را!
 اُس نے خدائی طاقتوں کے ساتھ کام کیا ہے اور کفار کے پردے پھاڑ کر دکھائے ہیں

آفتاب است و کند چوں آفتاب گر نہ کوری بیا بنگر شتاب
وہ خود آفتاب ہے اور دوسروں کو بھی آفتاب کی طرح بنا دیتا ہے اگر تو اندھا نہیں ہے تو جلدی آ اور دیکھ
فرماتے ہیں کہ جو صحابہؓ میں روحانی انقلاب آیا اور انہوں نے دنیا کو یکسر بھلا دیا وہ تاثیرات قرآن ہی تھیں۔

بود آں جذبہ کلام خدا کہ دلِ شاں ربود از دُنیا
یہ کلامِ الہی کی کشش ہی تو تھی۔ جس نے اُن کے دلوں کو دنیا کی طرف سے ہٹا دیا
سینہ شاں ز غیر حق پرداخت و از مئے عشق آں یگاں پُرساخت
ان کے سینہ کو غیر اللہ سے خالی کر دیا۔ اور اُس یگانہ کی محبت کی شراب سے بھر دیا
چوں شد آں نورِ پاک شاملِ شاں تافت از پردہ بدرِ کاملِ شاں
جب وہ پاک نور ان میں رچ گیا۔ تو پردہ میں سے بدرِ کامل چمکا
دور شد ہر حجابِ ظلمانی شد سراسر وجودِ نورانی
وہ ظلمت کے حجابوں سے دور ہو گیا اور سراسر نورانی وجود بن گیا
خاطرِ شاں بجز پنهانی کرد مائل بہ عشقِ ربانی
اُن کے دل کو ایک مخفی کشش سے خدا کی طرف مائل کر دیا

حضرت اقدس کی قرآن سے محبت اور اس کے فیوض کا ایک بہت دلفریب بیان بھی سن لیں
فرماتے ہیں۔

الغرض فرقاں مدارِ دین ماست او انیس خاطرِ غمگین ماست
الغرض قرآن ہمارے دین کی بنیاد ہے۔ وہ ہمارے غمگین دل کو تسلی دینے والا ہے۔
نورِ فرقاں میکشد سوئے خدا سے تو اں دیدن ازو روئے خدا
فرقاں کا نور خدا کی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے ذریعہ خدا کا چہرہ دیکھا جاسکتا ہے
ماچہ ساں بندیم زاں دلبرِ نظر ہچو روئے او گجا روئے دگر
میں اس محبوب سے اپنی آنکھیں کیونکر بند کر سکتا ہوں۔ اس کے خوبصورت چہرے کے مقابل کونسا چہرہ ہے
روئے من از نورِ روئے او بتافت یافت از فیضِ دلِ من ہر چہ یافت
میرا چہرہ اس کے منہ کے نور سے چمک اٹھا۔ میرے دل نے جو پایا اسی کے فیض سے پایا

آخر پر آپ حضرت کی قرآنِ کریم سے محبت اور مسلمانوں کی اس طرف سے بے اعتنائی اور بے رغبتی کے
بیان میں آپ حضرت کی ایک بہت ہی دردناک نظم پیش کرتے ہیں۔ اس نظم کے مضمون کے تعلق میں ایک

خوبصورت بات یہ بھی ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس دردناک پکار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کہا ہے کیونکہ آنحضرتؐ کی قوم نے قرآن کریم کو مجبور کی طرح سے پس پشت ڈال دیا ہے۔

جیسے فرمایا:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان: 31)

ترجمہ: اے میرے رب میری قوم نے تو اس فرقان کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔

گویا کہ اوّل یہ دردناک پکار حضرت اقدسؑ کے آقا اور مطاع کی طرف سے خدا تک پہنچی ہے اور پھر آپ کے نائب اور وارث کی طرف سے اس غم کا اظہار ہوا ہے۔

فرماتے ہیں:

دردا کہ حسن صورتِ فرقاں عیاں نمائد آں خود عیاں مگر اثر عارفاں نمائد

افسوس کہ قرآن کے چہرے کی خوبصورتی ظاہر نہ رہی مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ خود تو ظاہر ہے لیکن اس کے قدر شناس نہ رہے

مردم طلب کنند کہ اعجاز آں کجاست صد درد و صد درنج کہ اعجاز داں نمائد

لوگ پوچھتے ہیں کہ اس کا اعجاز کہاں گیا (اعجاز تو ہے) لیکن سخت رنج اس کا ہے کہ کوئی اعجاز داں نہیں رہا

یوسف شنیدہ ام کہ شدش کارواں معین این یوسف کہ ہیج کشش کارواں نمائد

میں نے یوسف کی بابت سنا تھا کہ قافلہ نے اُس کی مدد کی تھی اور یہ یوسف ہے جس کا کوئی کارواں نہیں ہے

جانم کباب شد ز غم این کتاب پاک چنداں بسوختم کہ خود امید جاں نمائد

اس کتاب کے غم میں میری جان کباب ہو گئی اور میں اس قدر جل گیا ہوں کہ بچنے کی کوئی امید نہیں

اے سیدالورای مددے وقت نصرت است در بوستاں سرائے تو کس باغبان نمائد

اے مخلوقات کے سردار مدد فرما یہ نصرت کا وقت ہے کیونکہ تیرے باغ میں کوئی بھی باغبان نہیں رہا

صدبار رقص ہا کنم از خرمی اگر پنم کہ حسن دلکش فرقاں نہاں نمائد

میں خوشی کے مارے سینکڑوں دفعہ رقص کروں۔ اگر یہ دیکھ لوں کہ قرآن کا دلکش جمال پوشیدہ نہیں رہا

یارب چه بہر من غم فرقاں مقدر است یا خود دریں زمانہ کسے راز داں نمائد

اے رب کیا میری تقدیر میں ہی فرقان کے لیے غم کھانا لکھا ہے یا اس زمانہ میں میرے سوا اور کوئی واقف حقیقت ہی نہیں

دیدم کہ زاہداں رہ فرقاں گذاشتند ناچار در دلم اثر مہر شاں نمائد

میں نے دیکھا کہ زاہدوں نے قرآن کا راستہ چھوڑ دیا ہے اس لیے میرے دل میں بھی ان کی محبت کا نشان باقی نہیں رہا

اے خواجہ بیچ روز بود لطفِ زندگی کس از پئے مدام دریں خاکداں نماوند
 اے خواجہ! زندگی کا لطف چند دن کے لیے ہے کہ کوئی بھی اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہا
 امروز گر دل از پئے قرآن نسوزدت عذرے دگر ترا بجناب یگاں نماوند
 اگر آج کے دن تیرا دل قرآن کے لیے نہیں جلتا تو پھر خدا کی درگاہ میں تیرا کوئی عذر باقی نہیں رہا
 اور اس نظم کے مقطع میں قرآن کریم کی خدمت کی تلقین فرما کر سعدیؒ کے مصرعے کو زندہ و جاوید کر دیتے ہیں۔
 اے بے خبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند زان پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماوند!¹
 اے بے خبر فرقاں کی خدمت کے لیے کمر باندھ لے اس سے پہلے کہ یہ آواز آئے کہ فلاں شخص مر گیا



مدحتِ قرآنِ کریم

عربی زبان میں

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نعت قرآن میں ہم ان تین صفات کا ذکر کریں گے جو قرآن کریم میں بار بار بیان ہوئی ہیں۔

یعنی اڈل۔ نور

دوم۔ ہدایت

سوم۔ تاثیرات

اڈل ہم عربی میں ایک نعت پیش کرتے ہیں جس میں یہی درج بالا تمام موضوعات آجاتے ہیں اور بہت مؤثر اور مفصل طور پر آجاتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

هَلَمَّ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ صِدْقًا وَ إِيْمَانًا بِتَصْدِيقِ الْجَنَانِ

خدا کی کتاب کی طرف۔ صدق اور دلی ایمان سے آجا

شَغَفْتُمْ أَيُّهَا النَّوْكَى بِشَوْكٍ وَ أَعْرَضْتُمْ عَنِ الزَّهْرِ الْحَسَنِ

بے وقوفو! تم کانٹوں پر فریفتہ ہو گئے۔ اور خوبصورت پھولوں سے کنارہ کیا

وَ أَثَرْتُمْ أَمَاعِرَ ذَاتِ صَخْرٍ عَلٰى مُخَضَّرَةِ قَاعِ هِجَانَ

اور تم نے کنکریوں اور بڑے پتھروں والی زمین جو بہت سخت ہے اختیار کی۔ اور ایسی زمین کو

چھوڑا جو برسبزہ اور نرم اور نہایت عمدہ اور قابلِ زراعت ہے

وَمَا الْقُرْآنُ إِلَّا مِثْلُ ذُرِّ فَرَائِدَ زَانِهًا حُسْنُ الْبَيَانَ

اور قرآن درحقیقت بہت عمدہ اور یکدانه موتیوں کی طرح ہے۔ جو حسنِ بیان سے اور بھی اس کی

زینت اور خوبصورتی نکلی ہے

وَمَا مَسَّتْ أَكْفُ الْكَاشِحِينَ مَعَارِفُهُ النَّسِي مِثْلَ الْحِصَانِ

اور دشمنوں کی تھیلیاں ان معارف کو چھوئی بھی نہیں۔ جو قرآن میں ایسے طور پر چھپی ہوئی ہیں

جیسے پردہ نشین پارسا عورت چھپی ہوئی ہوتی ہے

بِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِلْمٍ وَ عَقْلِ وَ أَسْرَارٍ وَ أَبْكَارِ الْمَعَانِي

اس میں ہر یک وہ علم اور عقل ہے جس کا تو طالب ہے۔ اور انواع و اقسام کے بھید اور نئی صدائیں اس میں بھری ہیں

يُسْكَتُ كُلُّ مَنْ يَعْدُو بِضَعْنٍ يُسْكَتُ كُلُّ كَذَّابٍ وَ جَانِيٍّ
ہر ایک ایسے دشمن کا منہ بند کرتا ہے جو مخالفانہ طور پر دوڑ پڑتا ہے۔ اور ہر ایک ایسے شخص پر اتمام
حجت کرتا ہے جو دروغگو اور گناہگار ہے۔

رَيْنَا دَرُّ مُزْنَيْهِ كَثِيرًا فَدَيْنَا رَبَّنَا ذَا الْإِمْتِنَانِ
ہم نے اس کے مینہ کا پانی بہت ہی دیکھا ہے۔ سو ہم اس خدا پر قربان ہیں جس نے ایسے احسان کئے
وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقُرْآنُ قَيْضًا خَفِيرٌ جَالِبٌ نَحْوَ الْجَنَانِ
اور تو کچھ جانتا ہے کہ قرآن فیض کے رو سے کیا شے ہے؟ وہ ایک راہر ہے جو بہشت کی طرف کھینچتا ہے
لَهُ نُورَانِ نُورٌ مِّنْ غُلُومٍ وَ نُورٌ مِّنْ بَيَانَ كَالْجَمَانِ
اس میں دو نور ہیں ایک تو علوم کا نور اور دوسرے۔ فصاحت اور بلاغت کا نور جو دانہ نقرہ کی طرح چمکتا ہے
كَالْمَاءِ فَائِقٌ مَا رَاقَ طَرْفِي جَمَالٌ بَعْدَهُ وَ النَّيِّرَانِ
وہ ایک ایسا کلام ہے جو ہر ایک کلام سے فوقیت لے گیا ہے۔ اور اس کے بعد مجھے کوئی جمال اچھا
معلوم نہ ہوا اور آفتاب اور قمر بھی اچھے دکھائی نہ دیئے۔

آيَةُ الشَّمْسِ عِنْدَ سَنَاهُ دَخْنٍ وَ مَا لِلْعُلَى وَ السَّبْتِ الْيَمَانِيٍّ
آفتاب کی روشنی اس کی چمک کے آگے ایک دھواں سا ہے۔ اور عسل سے فری کے سرخ چمڑے کو
نسبت ہی کیا ہے گو یمن کی ساخت ہو۔

وَ آيْنِ يَكُونُ لِقُرْآنٍ مِثْلٍ وَ لَيْسَ لَهُ بِهَذَا الْفَضْلِ ثَانِيٍّ
اور قرآن کی مثال کوئی دوسری چیز کیوں کر ہو۔ کیونکہ وہ تو اپنے فضائل میں بے مثل ہے
وَ رَتْنَا الصُّحُفَ فَاقَتْ كُلَّ كُتُبٍ وَ سَبَقَتْ كُلَّ أَسْفَارٍ بِشَانِ
ہم اس کتاب کے وارث بنائے گئے جو سب کتابوں پر فائق ہے۔ ایسی کتاب جو اپنے کمالات
میں تمام کتابوں پر سبقت لے گئی ہے۔

وَ جَاءَتْ بَعْدَ مَا خَرَّتْ خِيَامٌ وَ خُرِبَتِ الْبُيُوتُ مَعَ الْمَبَانِيٍّ
اور اس وقت آئی جبکہ سب پہلے خیمے منہ کے بل گر چکے تھے۔ اور تمام گھر مع بنیاد کی جگہوں کے
خراب ہو چکے تھے۔

مَحَتْ كُلَّ الطَّرَائِقِ غَيْرَ بَرٍّ وَ جَدَّتْ رَأْسَ بَدَعَاتِ الزَّمَانِ
ہر ایک راہ کو بغیر نیکی کے راہ کے معدوم کر دیا۔ اور ان تمام بدعتوں کا سر کاٹ دیا جو زمانہ میں شائع تھیں

كَأَنَّ سُيُوفَهَا كَانَتْ كَنَارٍ بِهَا حُرِقَتْ مَخَارِيقُ الْأَدَانِي
گو یا اس کی تلواریں ایک آگ کی طرح تھیں۔ ان سے تمام گد کے جل گئے جو سفلہ لوگوں کے
ہاتھ میں تھے۔

إِذَا اسْتَدْعَى كِتَابَ اللَّهِ مِثْلًا فَعَيَّى الْقَوْمَ وَاسْتَرَوْا كَفَانِي
جب کتاب اللہ نے اپنے مثل کا مطالبہ کیا۔ سو قوم مقابلہ سے عاجز ہو گئی اور ناشدہ چیز کی طرح چھپ گئی
وَسَلَبَتْ جُرْءَهُ الْإِسْنَابَ مِنْهُمْ مِنَ الْهَوْلِ الَّذِي حَلَّ الْجَنَانِ
اور پیشقدمی کی ہمت اس سے مسلوب ہو گئی۔ اور یہ بہت الہی تھی جو ان کے دل میں بیٹھ گئی
فَمِنْ عَجَبٍ أَكْبُوا مِثْلَ مَيِّتٍ وَقَدْ مَرَنُوا عَلَى لُطْفِ الْبَيَانِ
سو یہ تعجب کی بات ہے کہ وہ مردہ کی طرح منہ کے بل جا پڑے۔ حالانکہ وہ فصیح کلمات کی مشق اور
عادت رکھتے تھے۔

وَأَنْزَلَهُ مُهَيِّمِنًا حُدَيْيًا فَفَرُّوا كُتْلُهُمْ كَالْمُسْتَهَانِ
اور خدا تعالیٰ نے اس کو بیٹھل اور طالب معارض نازل کیا۔ پس کفار اس کی مثل بنانے پر قادر نہ
ہو سکے اور سرگردان ہو کر بھاگ گئے۔

وَصَارَتْ غَضْبُهُمْ فِرْقًا ثُبِينًا فَمِنْهُمْ مَنْ آتَى بَعْدَ الْحِرَانِ
اور ان کی جماعتیں کئی فرقوں میں متفرق ہو گئے۔ پس بعض ان میں سے تو سرکشی سے باز آ گئے
وَمِنْهُمْ مَنْ تَلَبَّبَ مُسْتَشِيطًا لِحَرْبِ الصَّادِقِينَ وَاللِّطْعَانِ
اور بعض نے قرآن کے مقابلہ سے عاجز آ کر ہتھیار باندھے۔ اور غضب میں آ کر راستبازوں
کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اور فرماتے ہیں کہ تمام انوار قرآن ہی میں ہیں:

وَ كُلُّ النُّورِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ يَمِيلُ الْهَالِكُونَ إِلَى الدُّخَانِ
اور تمام ہر قسم کے نور قرآن ہی میں ہیں۔ مگر مرنے والے دھوئیں کی طرف دوڑتے ہیں
بِهِ نَلْنَا تَرَاتِ الْكَامِلِينَ بِهِ سَرْنَا إِلَى أَقْصَى الْمَعَانِي
ہم نے اس کے وسیلہ سے کاملوں کی وراثت پائی۔ ہم نے اس کے وسیلہ سے حقیقتوں کے اخیر تک سیر کیا
فَقُمُّ وَ اطْلُبْ مَعَارِفَهُ بِجُهْدٍ وَ خَفَّ شَرَّ الْعَوَاقِبِ وَ الْهَوَانِ
پس اٹھ اور کوشش کے ساتھ اس کے معارف طلب کر۔ اور انجامِ بد اور ذلت کی بدیوں سے خوف کر

ذیل کی نعت میں مشاہدہ کریں کہ کس قدر اتباع قرآن ہے۔
اؤل سے آخر تک

اول: قَبَائِحِ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (الاعراف: 186)

دوم: أَحْكَمْتَ آيَتَهُ ثُمَّ فَصَلْتَ (هود: 2)

سوم: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعة: 80)

بہت ہی خوبصورت نعت ہے اور فرماتے ہیں کہ آپ نے اس کتاب کی برکات سے فیض اٹھایا ہے۔

هَلِ الْعِلْمُ شَيْءٌ غَيْرُ تَعْلِيمِ رَبِّنَا وَ أَيْ حَدِيثٍ بَعْدَهُ تَتَّخِرُ

کیا وہ علم کوئی چیز ہے جسے ہمارے رب نے نہ سکھایا ہو اور کوئی بات ہم اس کے بعد اختیار کر سکتے ہیں؟

كِتَابٌ كَرِيمٌ أَحْكَمْتَ آيَاتِهِ وَ حَيَاتُهُ يُخَيِّمُ الْقُلُوبَ وَ يُزْهِرُ

وہ کتاب کریم ہے اس کی آیات محکم ہیں اور اس کی زندگی دلوں کو زندہ اور روشن کرتی ہے

يَدْعُ الشَّقِيَّ وَ لَا يَمَسُّ نِكَاتَهُ وَ يُرْوِي التَّقِيَّ هُدًى فَيَنُمُو وَ يُثْمَرُ

وہ بد بخت کو دھکے دیتی ہے اور وہ اس کے نکات کو نہیں چھوسکتا اور وہ پرہیزگار کو ہدایت سے

سیراب کرتی ہے سو وہ نشوونما پاتا ہے اور پھل دیتا ہے

وَ مَتَّعِنِي مِنْ فَيْضِهِ لَطْفُ خَالِقِي وَ إِنِّي رَضِيعُ كِتَابِهِ وَ مُخَفَّرُ

اور میرے رب کی مہربانی نے اپنے فیض سے مجھے بہرہ ور کیا ہے۔ میں اس کی کتاب کا شیرخوار

ہوں اور اس کی حفاظت میں ہوں

كَرِيمٌ فَيُوتِي مَنْ يَشَاءُ عُلُومَهُ قَدِيرٌ فَكَيْفَ تُكَذِّبَنَّ وَ تَهْكَرُ

وہ کریم ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے علوم دیتا ہے، وہ قدیر ہے۔ سو تو (اس بات کی) کیسے

تکذیب کرتا ہے اور کیسے (اس پر) تعجب کرتا ہے

وَ إِنِّي نَظَّمْتُ قَصِيدَتِي مِنْ فَضْلِهِ لِنَعْلَمَ فَضْلُ اللَّهِ كَيْفَ يُخَيِّرُ

اور میں نے خدا کے فضل سے اپنا قصیدہ منظوم کیا ہے تاکہ تو جان لے کہ اللہ کا فضل کس طرح

برگزیدہ بنا دیتا ہے

اور آخر پر ایک بہت ہی مؤثر نمونہ نعت قرآن مشاہدہ کریں اس میں قرآن کریم کی تمام تاثیرات کو بیان کیا

گیا ہے اور بہت ہی خوبصورتی سے کہا گیا ہے۔ آخری شعر کو مشاہدہ کریں کیسی محبت اور فدائیت ہے۔

وَهَذَا هُدَى اللَّهِ الَّذِي هُوَ رَبُّنَا فَإِنْ كُنْتَ تَرَعْبُ عَنْ هُدَى لَا تَرَعْبُ
 اور یہ اس اللہ کی ہدایت ہے جو ہمارا رب ہے سو اگر تو ہدایت سے اعراض کرتا ہے تو ہم اعراض نہیں کریں گے۔
 وَإِنَّ سِرَاجِي قَوْلُهُ وَكِتَابُهُ فَإِنْ أَعْصِهِ فَسَنَاهُ مِنْ أَيْنَ أَطْلُبُ
 اور میرا چراغ تو اس کا فرمودہ اور اس کی کتاب ہے اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کی روشنی کہاں سے طلب کروں۔
 وَإِنَّ كِتَابَ اللَّهِ بِحَرِّ مَعَارِفِ وَ نَجِدَنَّ فِيهِ عُيُونَ مَا نَسْتَعِذُّبُ
 اور بے شک اللہ کی کتاب تو معارف کا سمندر ہے اور ہم اس میں ضرور ایسے چشمے پاتے ہیں
 جنہیں ہم شیریں پاتے ہیں۔

وَ كَمْ مِنْ نِكَاتٍ مِثْلَ غَيْدٍ تَمْتَعَتْ بِهَا مُهَجَّتِي مِنْ هُدَى رَبِّي فَجَرَبُوا
 اور بہت سے نکتے نازک اندام دلرباؤں کی طرح ہیں کہ لطف اندوز ہوئی ان سے میری جان
 اپنے رب کی رہنمائی سے۔ پس تم بھی تجربہ کرو۔

إِذَا مَا نَظَرْتُ إِلَى ضِيَاءِ جَمَالِهِ فَإِذَا الْجَمَالَ عَلَى سَنَا الْبُرْقِ يُغْلِبُ
 جب میں نے اس کے جمال کی روشنی کو دیکھا تو ناگاہ اس کا حسن بجلی کی روشنی پر بھی غالب آ رہا تھا۔
 رَيْثُ بِنُورِ نُورِهِ فَتَيَّيْنَتْ عَلَيَّ حَقَائِقُهُ فَفِيهَا أُقَلِّبُ
 میں نے نور (بصیرت) کے ذریعہ قرآن کا نور دیکھا تو ظاہر ہو گئے مجھ پر اس کے حقائق اور انہی پر میں غور کرتا رہتا ہوں۔
 يَصُدُّ عَنِ الطُّغْوَى وَيَهْدِي إِلَى التَّقَى خَفِيرٌ إِلَى طُرُقِ السَّلَامَةِ يَجْلِبُ
 وہ سرکشی سے روکتا ہے اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ پناہ دینے والا ہے (اور) سلامتی
 کی راہوں کی طرف کھینچتا ہے۔

يَجْرُ إِلَى الْعُلْيَا وَ جَاءَ مِنَ الْعُلَى كَمَا هُوَ أَمْرٌ ظَاهِرٌ لَيْسَ يُحْجَبُ
 وہ بلندی کی طرف کھینچتا ہے اور بلندی سے آیا ہے جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے پردہ میں نہیں۔
 وَسِرٌّ لَطِيفٌ فِي هِدَاةٍ وَ نُكْتَةٌ كَنَجْمٍ بَعِيدٍ نُورُهَا تَتَغَيَّبُ
 وہ اپنی ہدایت میں ایک لطیف بھید اور ایک نکتہ ہے دور کے ستارے کی طرح جس کا نور چھپا رہتا ہے۔
 وَمَنْ يَأْتِهِ يُقْبَلُ وَ مَنْ يَهْدُ قَلْبُهُ إِلَى مَأْمَنِ الْفُرْقَانِ لَا يَتَدَبَّدَبُ
 اور جو اس کے پاس آتا ہے قبول کیا جاتا ہے اور جس کے دل کی رہنمائی کی جائے وہ فرقان کی
 امن گاہ کی طرف (آنے میں) مذذب نہیں ہوتا۔

يُضِيءُ الْقُلُوبَ وَيَدْفَعَنَّ ظَلَامَهَا وَيَشْفِي الصُّدُورَ سَوَادُهُ وَيَهْدِي
 وہ دلوں کو روشن کرتا اور ان کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے اور اس کی تحریر سینوں کو شفا دیتی ہے اور
 مہذب کرتی ہے۔

فَقُلْتُ لَهُ لَمَّا شَرِبْتُ زُلَالَهُ فِدَى لَكَ رُوحِي أَنْتَ عَيْنِي وَمَشْرَبِي
 پس میں نے قرآن سے کہا جب میں نے اس کا صاف پانی پیا۔ تجھ پر میری جان قربان ہو کہ تو
 میرا چشمہ اور گھاٹ ہے۔



مدح صحابہ کرامؓ

اسلامی شعری ادب میں یہ بھی ایک ایسا موضوع ہے جس کو مسلمان شعراء نے اپنے ادب میں مطلقاً اختیار نہیں کیا۔

قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ افتخار حضرت اقدس ہی کو ملا ہے۔ آپ نے عربی زبان میں (جو کہ صحابہ کرامؓ کی زبان تھی) صحابہؓ کی مدح و توصیف کہی ہے۔ اول حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی مدح بیان کی ہے اور پھر عمومی طور پر تمام صحابہؓ کی مدحت میں اشعار پیش کئے ہیں۔

ہم اپنے دستور کے مطابق اول قرآن کریم کی مدح صحابہؓ کو پیش کرتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مدحت و ثناء کے مضمون میں قرآن کریم صرف تین ہستیوں ہی کو یہ اعزاز دیتا ہے کہ ان کی مدح و ستائش کی جائے۔

ان میں اول مقام تو ہستی باری تعالیٰ کا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہے جیسے فرمایا:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (بنی اسرائیل: 45)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو اُس میں بسنے والے ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اور دنیا کی ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہوئی اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں یقیناً وہ حلیم اور غفور ہے۔

اور دوسرے مقام پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ظاہر کرنے والے اور اس کی منشاء اور تعلیم کو پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

تیسرے مقام پر وہ ہستیاں ہیں جن کو ہم صحابہ کرامؓ کہتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے تعلیم حاصل کر کے تربیت پائی اور اپنے عمل سے باری تعالیٰ کی ہستی اور انبیاء اور ان کی تعلیم کی صداقت کا ثبوت فراہم کیا یہ وہ صداقت ہے جس کو ہم نے حضرت اقدس کے اس فرمان سے حاصل کیا ہے۔

فرمان حضرت اقدس:

قرآن شریف کے لئے تین تجلیات ہیں۔ وہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعود کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے۔ وَ لِكُلِّ أَمْرٍ وَقْتُ مَعْلُومٌ۔ اور جیسا کہ آسمان سے نازل ہوا تھا ویسا ہی آسمان تک اس کا نور پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس کے ہر ایک پہلو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور مسیح موعود کے وقت میں اس کے روحانی فضائل اور اسرار کے

ظہور کی تکمیل ہوئی۔

(براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ 66 حاشیہ)

یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔

فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ
لِنَفْيِ ضَلَالٍ مُّبِينٍ

(ال عمران: 165)

ترجمہ۔ اللہ نے مومنوں میں سے ایک ایسا رسول بھیج کر جو انہیں اس کے نشان پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً ان پر احسان کیا ہے اور اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

صحابہ نے بھی اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو ایسے احسن طریق سے قبول کیا کہ اللہ نے ان کا حسن اطاعت دیکھ کر فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(ال عمران: 111)

ترجمہ۔ تم سب سے بہتر جماعت ہو جسے لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔
حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”میں پوچھتا ہوں کہ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں اس بارہ میں شہادت دینا تسلی بخش امر نہیں ہے کیا اس نے صحابہ کرامؓ کے حق میں نہیں فرمایا کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ پھر جس حالت میں خدا تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو امم سابقہ سے جمع کمالات میں بہتر اور برتر و بزرگ تر ٹھہراتا ہے۔“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور صحابہ کرامؓ کی امت کو (کیونکہ قرآن کے اول مخاطب وہی تھے) ان اعمال صالحہ اور اطاعت رسول کو کمال تک پہنچانے پر فرماتا ہے۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْمُقْلِحُونَ

(المجادلة: 23)

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”جو جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر تھی اور جس نے آپ کی قوتِ قدسی سے اثر پایا تھا اس کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا نتیجہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجوہِ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لیکر آخر تک کسی کو نہیں ملی“

اور فرماتے ہیں:

”وہ جماعت (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے کہ انہوں نے ایسے اعمالِ صالحہ کیے کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے) صرف ترکِ بدی ہی سے نہ بنی تھی انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیچ سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا تب جا کر ان مدارج اور مراتب پر پہنچنے کے آواز آئی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (المجادلة: 23) (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

مزید فرماتے ہیں:

صحابہؓ کی جو تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان کی نسبت فرماتا ہے مِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ اور پھر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مدح میں دو عظیم الشان فرمودات قرآن بھی ہیں اول کا تعلق صحابہؓ کے اخلاق اور عبادتِ الہی کے آثار سے ہے۔

جیسے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ
مَنْ أَشَرُّ السُّجُودِ (الفتح: 30)

حضرت اقدس اس فرمان قرآن کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں یعنی

کفار ان کے سامنے لا جواب اور عاجز ہیں اور ان کی حقانیت کی ہیبت کافروں کے دلوں پر مستولی ہے اور وہ لوگ آپس میں رحم کرتے ہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس آیت کے دوسرے حصے کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

جو لوگ خدائے تعالیٰ کے نزدیک فی الحقیقت مومن ہیں اور جن کو خدائے تعالیٰ نے خاص اپنے لئے چن لیا ہے اور اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہے اور اپنے برگزیدہ گروہ میں جگہ دے دی ہے اور جن کے حق میں فرمایا ہے سَيَمَاهُم فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ان میں آثار سجود اور عبودیت کے ضرور پائے جانے چاہئیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کے وعدوں میں خطا اور تخلف نہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دوسرے فرمان کا تعلق صحابہ کی جاں نثاری اور کامل فداانیت کے بیان میں ہے۔

فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (الاحزاب: 24)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں صحابہ کی تعریف و توصیف میں یہ آیت

اول مقام پر ہے۔

فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف میں کیا خوب فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ پارہ 21 رکوع 19۔ مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ سو ان میں سے بعض اپنی جانیں دے چکے ہیں اور بعض جانیں دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔ صحابہ کی تعریف میں قرآن شریف سے آیات اکٹھی کی جائیں تو اس سے بڑھ کر کوئی اُسوۂ حسنہ نہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

صحابہ کی یہ وفا اور ان کے ایمان کا صدق اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس نے ان میں ایسی صفات

پیدا کر دیں جن کو خدا تعالیٰ نے بھی قبول فرمایا۔ حضرت اقدس صحابہؓ کے اس منصب کو صرف اطاعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ سورۃ ال عمران کی آیت

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبَّبْكُمْ اللّٰهُ (ال عمران: 32)
کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

صحابہ نے چلہ کشیاں نہیں کی تھیں اذہ اور نفی اثبات کے ذکر نہیں کئے تھے بلکہ ان کے پاس ایک اور بھی چیز تھی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نور آپ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہ کے قلب پر گرتا تھا اور اسوا اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کے بجائے ان سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس نور کو حاصل کرنے پر ہی صحابہ کرام کا یہ منصب ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بَايِهِمْ اِفْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ

ترجمہ۔ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

یہی وہ نور تھا جو اصحاب نبی سے مخصوص ہوا اور دین اسلام کی خدمت کرنے والوں کے لئے ضروری ہوا کہ ان کے نمونے اور اسوہ کو اختیار کریں تا اللہ کے نزدیک عزت کا مقام حاصل ہو۔
حضرت اقدس فرماتے ہیں:

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا بہار و رونق اندر روضہ ملت شود پیدا
اے جوانو! کوشش کرو کہ دین میں قوت پیدا ہو اور ملتِ اسلام کے باغ میں بہار اور رونق آئے
اگر یاراں کنوں بر غربتِ اسلام رحم آرید باصحابِ نبیؐ نزد خدا نسبت شود پیدا
اے دوستو! اگر اب تم اسلام کی غربت پر رحم کرو تو خدا کے ہاں تمہیں آنحضرت کے صحابہ سے مناسبت پیدا ہو جائے

نفاق و اختلافِ ناشناساں از میاں خیزد کمالِ اتفاق و خلّت و اُلقت شود پیدا
نااہل لوگوں کا آپس میں اختلاف اور نفاق دور ہو جائے اور کمالِ درجہ کا اتفاق دوستی اور محبت پیدا ہو جائے
بہ جنمید از پئے کوشش کہ از درگاہِ ربّانی ز بہر ناصرانِ دینِ حق نصرت شود پیدا

کوشش کے لیے حرکت میں آؤ کہ خدا کی درگاہ سے مددگارِ انِ اسلام کے لیے ضرور نصرت ظاہر ہوگی
 اگر امروز فکرِ عزت دیں درشا جو شد شہرا نیز واللہ رتبت و عزت شود پیدا
 اگر آج دین کی عزت کا خیال تمہارے دل میں جوش مارے تو خدا کی قسم خود تمہارے لیے بھی عزت و مرتبت پیدا ہو جائے
 اور اسی اطاعت رسول اکرمؐ کے تحت آنحضرتؐ کے نائب اور مہدیؑ دوراں بھی یہی فرماتے ہیں کہ اصحاب
 رسول کا مقام حاصل کرنے کے لیے اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ کی
 اطاعت بھی لازمی ہے۔

فرماتے ہیں:

وہ آیا منتظر جس کے تھے دنِ رات
 معتمہ کھل گیا روشن ہوئی بات
 دکھائیں آسمان نے ساری آیات
 زمیں نے وقت کی دے دیں شہادت
 پھر اس کے بعد کون آئیگا ہیبت
 خدا سے کچھ ڈرو چھوڑو معادات
 خدا نے اک جہاں کو یہ سنادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْأَعَادِي
 مسیحِ وقت اب دُنیا میں آیا
 خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
 مبارک وہ جو اب ایمان لایا
 صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
 وہی نے اُن کو ساقی نے پلا دی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْأَعَادِي

عربی زبان میں مدح صحابہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ كَذَكَاةٍ
 قَدْ نَوَّرُوا وَجْهَ الْوَرَى بِضِيَاءِ
 یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کر دیا

تَرْكُوا أَقَارِبَهُمْ وَحُبَّ عِيَالِهِمْ جَاءَ وَرَسُولَ اللَّهِ كَأَلْفَقَرَاءٍ
انہوں نے اپنے اقارب کو اور عیال کی محبت کو بھی چھوڑ دیا اور رسول اللہ کے حضور میں فقراء کی طرح حاضر ہو گئے

ذُبِحُوا وَمَا خَافُوا الْوَرَى مِنْ صِدْقِهِمْ بَلْ أَثَرُوا الرَّحْمَانَ عِنْدَ بَلَاءٍ
وہ ذبح کئے گئے اور اپنے صدق کی وجہ سے مخلوق سے نہ ڈرے بلکہ مصیبت کے وقت انہوں نے خدائے رحمان کو اختیار کیا

تَحَتَّ السُّيُوفُ تَشَهَّدُوا لِخُلُوصِهِمْ شَهَدُوا بِصِدْقِ الْقَلْبِ فِي الْأَمْلَاءِ
اپنے خلوص کی وجہ سے وہ تلواروں کے نیچے شہید ہو گئے اور مجالس میں انہوں نے صدق قلب سے گواہی دی

حَضَرُوا الْمَوَاطِنَ كُلَّهَا مِنْ صِدْقِهِمْ حَفَدُوا لَهَا فِي حَرَّةٍ رَجُلَاءٍ
اپنے صدق کی وجہ سے وہ تمام میدانوں میں حاضر ہو گئے۔ وہ ان میدانوں کی سنگلاخ سخت زمین میں جمع ہو گئے

الصَّالِحُونَ الْخَاشِعُونَ لِرَبِّهِمْ الْبَائِسُونَ بِذُنُوبِهِمْ وَبُكَاءٍ
وہ صالح تھے، اپنے رب کے حضور عاجزی کرنے والے تھے وہ اس کے ذکر میں رو رو کر تپیں گزرنے والے تھے

قَوْمٌ كَرَامٌ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَهُمْ كَانُوا لِخَيْرِ الرُّسُلِ كَأَلْفِ أَعْضَاءٍ
وہ بزرگ لوگ ہیں۔ ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ وہ خیر الرسل کے لیے بمنزلہ اعضاء کے تھے

مَا كَانَ طَعْنُ النَّاسِ فِيهِمْ صَادِقًا بَلْ حَسَنَةٌ نَشَأَتْ مِنَ الْآهْوَاءِ
لوگوں کے طعن ان کے بارے میں سچے نہ تھے بلکہ وہ ایک کینہ ہے جو ہوا و ہوس سے پیدا ہوا ہے

إِنِّي أَرَى صَحْبَ الرَّسُولِ جَمِيعَهُمْ عِنْدَ الْمَلِيكِ بِعِزَّةٍ قَعَسَاءٍ
میں رسول کے تمام کے تمام صحابہ کو خدا کے حضور میں دائمی عزت کے مقام پر پاتا ہوں

تَبِعُوا الرَّسُولَ بِرَحْلِهِ وَثَوَاءٍ صَارُوا بِسُبُلِ حَبِيبِهِمْ كَعَفَاءٍ
انہوں نے رسول کی پیروی کی سفر اور حضر میں اور وہ اپنے حبیب کی راہوں میں خاک راہ ہو گئے

نَهَضُوا لِنَصْرِ نَبِيِّنَا بِوَفَاءٍ عِنْدَ الضَّلَالِ وَفِتْنَةِ صَمَاءٍ
وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے وفاداروں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے مگر ابھی اور سخت فتنہ کے وقت میں

وَ تَخَيَّرُوا لِلَّهِ كُلَّ مُصِيبَةٍ وَ تَهَلَّلُوا بِالْقَتْلِ وَ الْإِجْلَاءِ
اور انہوں نے اللہ کی خاطر ہر مصیبت کو اختیار کر لیا اور قتل اور جلا وطنی کو بھی بخوشی قبول کر لیا

أَنْوَارُهُمْ فَاقَتْ بَيَانَ مُبِينٍ يَسُودُ مِنْهَا وَجْهٌ ذِي الشَّحْنَاءِ
ان کے انوار بیان کرنے والے کے بیان سے بھی بالا ہو گئے۔ کینہ و رکاوٹ چہرہ ان انوار کے مقابلہ میں سیاہ ہو رہا ہے

اور صحابہ کرامؓ کے مخالفین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

رُوَيْدَكَ لَا تَهْجُ الصَّحَابَةَ وَاحْذِرِ وَلَا تَقْفُ كُلَّ مُزَوَّرٍ وَتَبَصَّرِ
 سنبھل جا۔ صحابہ کی جھوٹ نہ کر اور ڈراور ہر فریبی کے پیچھے نہ چل اور بصیرت سے کام لے
 وَلَا تَتَّخِيزُ سُبُلَ غَيِّ وَ شَقُوَّةَ وَلَا تَلْعَنَنَّ قَوْمًا اَنَارُوا كَثِيرَ
 گمراہی اور بدبختی کے راستوں کو اختیار نہ کر اور ایسے لوگوں پر لعنت نہ کر جو آفتاب کی طرح روشن ہوئے
 اُولَئِكَ اَهْلُ اللّٰهِ فَاحْشَ فَنَاءَهُمْ وَلَا تَقْدَحَنَّ فِي عِرْضِهِمْ بِتَهْوُّرٍ
 یہ لوگ اہل اللہ ہیں۔ سوان کے صحن میں داخل ہونے سے ڈراور دیدہ دلیری سے ان کی عزت و
 آبرو پر طعنہ زنی نہ کر

اُولَئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ حِفْظًا دِيْنِهِ وَاِيْذَاءَهُمْ اِيْذَاءَ مَوْلٰى مُؤْتِرٍ
 یہ سب اللہ کا گروہ ہیں اور اس کے دین کے محافظ ہیں اور ان کو ایذا دینا انہیں پسند کرنے والے
 مولیٰ کو ایذا دینا ہے

تَصَدَّقُوا لِلدِّينِ اللّٰهِ صِدْقًا وَ طَاعَةً لِكُلِّ عَذَابٍ مُّحْرِقٍ اَوْ مُدْمِرٍ
 وہ تیار ہو گئے دین الہی کی خاطر صدق اور اطاعت سے، ہر جلانے والے یا مہلک عذاب کے
 اٹھانے کے لئے

وَ طَهَّرَ وَاْدِى الْعِشْقِ بَحْرَ قُلُوْبِهِمْ فَمَا الزَّبْدُ وَ الْغَضَاءُ بَعْدَ التَّطَهُّرِ
 عشق کی وادی نے ان کے دلوں کے سمندر کو پاک کر دیا پس جھاگ اور میل کچیل پاک ہو جانے
 کے بعد باقی نہیں رہی

وَ جَاءَ وَا نَبِىَّ اللّٰهِ صِدْقًا فَنُوْرُوا وَ لَمْ يَبْقَ اَثْرٌ مِّنْ ظَلَامٍ مُّكْدِرٍ
 اور وہ اللہ کے نبی کے پاس صدق دل سے آئے تو روشن کر دیئے گئے اور کدورت پیدا کرنے والی
 تاریکی کا کوئی اثر باقی نہ رہا

بِأَجْنِحَةِ الْأَشْوَاقِ طَارُوا اِطَاعَةً وَ صَارُوا جَوَارِحَ لِلنَّبِيِّ الْمُؤْتِرِ
 وہ فرمانبرداری کرتے ہوئے شوق کے پروں کے ساتھ اڑے اور نبی محترم کے لئے وہ دست و بازو بن گئے

حضرت ابوبکرؓ کی شان میں عظیم الشان منقبت بیان کرتے ہیں:

وَإِنِّي أَرَى الصِّدْقَ كَالشَّمْسِ فِي الصُّحَى
مَآثِرُهُ مَقْبُولَةٌ عِنْدَ هُوَجِرِ
میں (ابوبکر) صدیق کو چاشت کے سورج کی طرح پاتا ہوں آپ کے مناقب و اخلاق ایک روشن ضمیر انسان کی نگاہ میں مقبول ہیں

وَكَانَ لِدَاتِ الْمُصْطَفَى مِثْلَ ظِلِّهِ
وَمَهْمَا أَشَارَ الْمُصْطَفَى قَامَ كَالْجَرِيِّ
وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے سائے کی مثل تھا اور جب بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تو وہ بہادر کی طرح اٹھ کھڑا ہوا

وَاعْطَى لِنَصْرِ الدِّينِ أَمْوَالَ بَيْتِهِ
جَمِيعًا سِوَى الشَّيْءِ الْحَقِيرِ الْمُحَقَّرِ
اور اس نے دین کی نصرت کے لئے اپنے گھر کے سب اموال دے دیئے سوائے ناچیز اور معمولی اشیاء کے
وَلَمَّا دَعَاهُ نَبِينًا لِرِفَاقَةٍ
عَلَى الْمَوْتِ أَقْبَلَ شَائِقًا غَيْرَ مُدْبِرِ
اور جب ہمارے نبی نے اسے رفاقت کے لئے بلایا تو وہ موت پر شوق کے ساتھ آگے بڑھا اس حال میں کہ وہ پیٹھ پھیرنے والا نہ تھا

وَلَيْسَ مَحَلَّ الطَّعْنِ حُسْنُ صِفَاتِهِ
وَإِنْ كُنْتَ قَدْ أَرَمَعْتَ جَوْرًا فَعَبِّرِ
اور اس کی اچھی صفات طعن کا محل نہیں۔ اگر تو نے ظلم سے ارادہ کیا ہے تو عیب لگا تا رہ
أَبَادَ هَوَى الدُّنْيَا لِأَحْيَاءِ دِينِهِ
وَجَاءَ رَسُولَ اللَّهِ مِنْ كُلِّ مَعْبَرِ
اس نے دنیا کی خواہشات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے احیاء کی خاطر مٹا دیا اور رسول اللہ کے پاس ہر گزرگاہ سے آیا

عَلَيْكَ بِصُحْفِ اللَّهِ يَا طَالِبَ الْهُدَى
لِنَنْظُرَ أَوْصَافَ الْعَتِيقِ الْمُطَهَّرِ
اے طالب ہدایت! اللہ کے صحیفوں کو لازم پکڑتا تو اس پاک شریف النفس کے اوصاف دیکھے
وَمَا إِنْ أَرَى وَاللَّهِ فِي الصَّحْبِ كُلِّهِمْ
كَمِثْلِ أَبِي بَكْرٍ بِقَلْبٍ مُعْطَرِ
اور خدا کی قسم! میں تمام کے تمام صحابہ میں کوئی شخص ابوبکر کی طرح معطر دل والا نہیں پاتا
تَخَيْرَهُ الْأَصْحَابُ طَوْعًا لِقُضْلِهِ
وَلِلْبَحْرِ سُلْطَانَ عَلَى كُلِّ جَعْفَرِ
صحابہ نے بخوشی اس کی بزرگی کی وجہ سے اس کا انتخاب کیا۔ اور سمندر کو غلبہ حاصل ہے ہر دریا پر

وَيُنْبِي عَلَى الصِّدْقِ رَبُّ مُهَيِّمٌ
فَمَا أَنْتَ يَا مَسْكِينُ إِنْ كُنْتَ تَزْدَرِي
اور رب تمھیں صدیق کی مدح کر رہا ہے۔ پس اے مسکین! تو کیا چیز ہے؟ اگر تو عیب لگاتا ہے

لَهُ بَاقِيَاتٌ صَالِحَاتٍ كَشَارِقِ لَهْ عَيْنُ آيَاتٍ لِهَذَا التَّطَهَّرِ

سورج کی طرح اس کے باقیات صالحات موجود ہیں اس پاکیزگی کی وجہ سے اس کے لئے نشانات کا ایک چشمہ موجود ہے

تَصَدَّى لِنَصْرِ الدِّينِ فِي وَفْتِ عُسْرَةٍ تَبَدَّى بَعَارٍ بِالرَّسُولِ الْمُؤَزَّرِ

دین کی تنگی کے وقت اس نے اس کی مدد کی ذمہ داری لی۔ اس نے تائید یافتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں جانے میں پہل کی

مَكِينٌ أَمِينٌ زَاهِدٌ عِنْدَ رَبِّهِ مُخْلِصٌ دِينَ الْحَقِّ مِنْ كُلِّ مُهْجِرِ

وہ اپنے رب کے حضور میں صاحب مرتبہ، امانتدار اور تارک دنیا ہے۔ دین حق کو خلاصی دینے والا ہے ہر ایک بیہودہ گو سے

وَمِنْ فِتْنٍ يُخْشَى عَلَى الدِّينِ شَرُّهَا وَمِنْ مَحْنٍ كَانَتْ كَصَخْرٍ مُكْسِرِ

اور خلاصی دینے والا ہے دین کو ایسے فتنوں سے جن کے شر سے دین کو خوف تھا اور ایسے دکھوں سے جو توڑنے والے پتھر کی طرح تھے

وَلَوْ كَانَ هَذَا الرَّجُلُ رَجُلًا مُنَافِقًا فَمَنْ لِسَبِيِّ الْمُصْطَفَى مِنْ مُعَزَّرِ

اگر یہ آدمی کوئی منافق آدمی تھا تو پھر نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار کون تھا؟

حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں فرماتے ہیں:

وَسَابَهَهُ الْفَارُوقُ فِي كُلِّ خُطَّةٍ وَ سَاسَ الْبَرِيَاءَ كَالْمَلِيكِ الْمُدَبِّرِ

اور (عمر) فاروق ہر فضیلت میں ان کے مشابہ ہوا اور اس نے ایک مدبر بادشاہ کی طرح رعایا کا انتظام کیا

سَعَى سَعَى إِخْلَاصٍ فَظَهَرَتْ عِزَّةٌ وَ شَأْنٌ عَظِيمٌ لِلْخِلَافَةِ فَا نَظَرَ

اس نے اخلاص سے کوشش کی تو ظاہر ہو گئی خلافت کے لئے عزت اور شان عظیم۔ سو دیکھ تو سہی

وَ صَبَغَ وَجْهَ الْأَرْضِ مِنْ قَتْلِ كُفْرَةٍ فَيَا عَجَبًا مِنْ عَزْمِهِ الْمُتَشَمِّرِ

اور اس نے زمین کی سطح کو کفار کو قتل کر کے رنگ دیا پس اس کا عزم مصمم کیا ہی عجیب تھا

وَ صَارَ ذُكَاءً كَوَكْبٍ فِي وَفْتِهِ فَوَاهَا لَهُ وَ لَوْ قَتَلَهُ الْمُتَطَهَّرِ

اور اس کے عہد میں ستارہ سورج بن گیا تھا۔ پس آفرین ہے اس پر بھی اس کے پاک وقت پر بھی

وَ بَارَى مُلُوكَ الْكُفْرِ فِي كُلِّ مَعْرَكٍ وَ أَهْلَكَ كُلَّ مُبَارِزٍ مُكْبِرِ

اور اس نے کافر بادشاہوں سے ہر معرکے میں مقابلہ کیا اور ہر متکبر جنگجو کو ہلاک کر دیا

أَرَىٰ آيَةً عَظْمَىٰ بِأَيْدٍ قَوِيَّةٍ فَوَاهَا لِهَذَا الْعَبْقَرِيِّ الْمُظَفَّرِ
 اس نے قوی ہاتھوں سے بڑا نشان دکھایا۔ پس آفرین ہے اس فتح مند جو ان مرد پر
 إِمَامٌ أَنَسٌ فِي بَجَادٍ مُّرْفَعٍ مَلِيكٌ دِيَارٍ فِي كِسَاءٍ مُّغَبَّرِ
 وہ پیوند شدہ کمل میں لوگوں کا امام تھا اور غبار آلود چادر میں ملکوں کا بادشاہ تھا
 وَأُعْطِيَ أَنْوَارًا فَصَارَ مُّحَدَّثًا وَكَلَّمَهُ الرَّحْمَنُ كَالْمُتَخَيَّرِ
 اور اسے انوار الہی دیئے گئے سو وہ خدا کا محدث بن گیا اور خدائے رحمان نے اس سے برگزیدوں کی طرح کلام کیا
 مَآثِرُهُ مَمْلُوءَةٌ فِي دَفَاتِرٍ فَضَائِلُهُ أَجْلَى كَبْدَرٍ أَنْوَرِ
 اس کی خوبیوں سے دفاتر بھرے پڑے ہیں اور اس کے فضائل بدر انور کی طرح زیادہ روشن ہیں
 فَوَاهَا لُهُ وَ لِسَعِيهِ وَ لِجُهْدِهِ وَ كَانَ لِدَيْنٍ مُحَمَّدٍ خَيْرٍ مِغْفِرِ
 پس آفرین ہے اس کے لئے اور اس کی کوشش اور جدوجہد کے لئے وہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہترین خود تھا
 وَ فِي وَفْتِهِ إِفْرَاسٌ خَيْلٍ مُحَمَّدٍ أَنْزَلَ غُبَارًا فِي بِلَادِ التَّنْصُرِ
 اور اس کے عہد میں محمد صلعم کے شاہسواروں کے گھوڑوں نے عیسائیوں کے ملک میں غبار اڑائی
 وَ كَسَرَ كِسْرَىٰ عَسْكَرِ الدِّينِ شَوْكَةً فَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ غَيْرُ صُورِ التَّنْصُورِ
 اور دین کے لشکر نے کسریٰ کو شوکت کے لحاظ سے توڑ ڈالا پس ان (اکاسرہ) میں سے خیالی
 صورتوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا

اور آخر پر خدا تعالیٰ کی جناب میں مناجات کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے طفیل ہم پر رحم فرما۔

يَا رَبِّ فَارْحَمْنَا بِصَحْبِ نَبِيِّنَا وَ اغْفِرْ وَ أَنْتَ اللَّهُ ذُو الْأَعْيُنِ
 اے میرے رب! ہم پر بھی نبی کے صحابہ کے طفیل رحم کر اور ہماری مغفرت فرما اور تو ہی نعمتوں والا اللہ ہے
 وَ اللَّهُ يَعْلَمُ لَوْ قَدَرْتُ وَ لَمْ أُمَّتْ لَا شَعْتُ مَدْحَ الصَّحْبِ فِي الْأَعْدَاءِ
 اللہ جانتا ہے اگر میں قدرت رکھتا تو میں مرتے دم تک صحابہ کی تعریف ان کے تمام دشمنوں میں خوب پھیلا کر چھوڑتا
 إِنْ كُنْتُ تَلْعَنُهُمْ وَ تَضْحَكُ خِسَّةً فَارْقُبْ لِنَفْسِكَ كُلَّ اسْتِهْزَاءِ
 اگر تو ان کو لعنت کرتا رہا اور کھینگی سے ہنتا رہا تو اپنے لئے ہر استہزاء کا انتظار کر
 مَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ فَقَدْ رَدَىٰ حَقٌّ فَمَا فِي الْحَقِّ مِنْ إِخْفَاءِ
 جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالی دی تو بے شک وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ ایک سچائی ہے سو اس
 سچائی میں کوئی اخفا نہیں

محبت الہی

اگر قرآن کریم کی تعلیم کا مقصدِ اول و آخر اس حقیقت کو کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اس غرض کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اُس سے ایسی محبت کرے جو عبادت کی حد تک پہنچی ہوئی ہو تو فرموداتِ قرآن کے مطابق یہ برحق بیان ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اس منشاء کے حصول کے لیے انسان کی پیدائش کے اول مرحلے پر ہی انسان کے دل میں اپنی محبت کا چراغ روشن کر دیا ہے۔

جیسے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ
(الاعراف: 173)

نجات کا تمام مدار خدا تعالیٰ کی محبت ذاتیہ پر ہے اور محبت ذاتیہ اس محبت کا نام ہے جو روحوں کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق ہے پھر جس حالت میں ارواح پر میسر کی مخلوق ہی نہیں ہیں تو پھر ان کی فطری محبت پر میسر سے کیونکر ہو سکتی ہے اور کب اور کس وقت پر میسر نہ ان کی فطرت کے اندر ہاتھ ڈال کر یہ محبت اس میں رکھ دی یہ تو غیر ممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فطرتی محبت اس محبت کا نام ہے جو فطرت کے ساتھ ہمیشہ سے لگی ہوئی ہو اور پیچھے سے لاحق نہ ہو جیسا کہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ اس کا یہ قول ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ (الاعراف: 173) یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا پیدا کنندہ نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے۔ پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً محبت ہے اس لیے کہ وہ اس کی پیدائش ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

قرآن کریم کے اس فرمان کو ہمارے پیارے مسیح نے کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک

اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

اور اس نمک پاشی کے بعد جو عاشقانِ الہی کا حال ہے اس کو بھی سُن لیں۔

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں دار کا

فارسی میں فرماتے ہیں:

جاں فدائے آنکہ او جاں آفرید دلِ نثارِ آنکہ زو شد دل پدید
جان اس پر قربانی ہے جس نے اس جان کو پیدا کیا ہے دل اس پر نثار ہے جس نے اس دل کو بنایا۔
جاں از و پیداست زیں سے جویدش رَبُّنَا اللَّهُ رَبُّنَا اللَّهُ گویدش
جان چونکہ اس کی مخلوق ہے اس لیے اسے ڈھونڈتی ہے اور کہتی ہے کہ تو ہی میرا رب ہے تو ہی میرا رب ہے
گر وجود جاں نبودے ، زو عیاں کے شدے مہر جمالش نقشِ جاں
اگر جان کا وجود اس کی طرف سے ظاہر نہ ہوتا۔ تو اس کے حسن کی محبت جان پر کس طرح نقش ہوتی
جسم و جاں را کرد پیدا آں یگاں زیں دَوَدِ دل سوئے او چوں عاشقان
جسم اور جان کو اسی یکتا نے پیدا کیا ہے اسی لیے عاشقوں کی طرح دل اس کی طرف دوڑتا ہے
ایک اور مقام پر درج ذیل فرمانِ خداوندی کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: 31)

اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور
اسلام کے لئے پیدا کیا ہے یعنی یہ چاہا ہے کہ اپنے تمام قوی کے ساتھ اس کی پرستش، اطاعت
اور محبت میں لگ جائے اسی وجہ سے اس قادر کریم خدا نے انسان کو تمام قوی اسلام کے مناسب
حال عطا کئے ہیں..... انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں
عنایت ہوئی ہیں اصل مقصود ان سے خدا تعالیٰ کی معرفت اور پرستش اور خدا تعالیٰ کی محبت ہے
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہی وہ محبت ذاتیہ باری تعالیٰ ہے جسکو آپ حضور کمال قلبی اور ادبی حسن و جمال کے ساتھ ”پیوند جاں“ کہتے ہیں۔
اردو زبان کے اسلوب میں محبتِ الہی کے مضمون میں ایسا بیان کہاں ملے گا۔ ایسے ادبی شاہکار تو قلب و جان
کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں اور نکلے ہیں۔

فرماتے ہیں:

مجھے اس یار سے پیوند جاں ہے

وہی جنت وہی دارالاماں ہے

بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے
 محبت کا تو اک دریا رواں ہے
 یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْآعَادِي

ہم نے ”محبت ذاتیہ“ کا لفظ حضرت اقدس ہی سے اخذ کیا ہے۔ آپ حضرت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰرِیَات: 57) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

میں نے پرستش کے لئے ہی جن وانس کو پیدا کیا ہے۔ ہاں یہ پرستش اور حضرت عزت کے سامنے دائمی حضور کے ساتھ کھڑا ہونا بجز محبت ذاتیہ کے ممکن نہیں اور محبت سے مراد یکطرفہ محبت نہیں بلکہ خالق اور مخلوق کی دونوں محبتیں مراد ہیں تا بجلی کی آگ کی طرح جو مرنے والے انسان پر گرتی ہے اور جو اس وقت اس انسان کے اندر سے نکلتی ہے بشریت کی کمزوریوں کو جلادیں اور دونوں مل کر تمام روحانی وجود پر قبضہ کر لیں۔

(دیکھو تفسیر زیر آیت)

محبت ذاتیہ اور عشق حقیقی کا ایک بیان اور سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

کسی نے یہ پُوچھی تھی عاشق سے بات
 وہ نسخہ بتا جس سے جاگے تو رات
 کہا نیند کی ہے دوا سوز و درد
 کہاں نیند جب غم کرے چہرہ زرد
 وہ آنکھیں نہیں جو کہ گریاں نہیں
 وہ خود دل نہیں جو کہ بریاں نہیں
 تُو انکار سے وقت کھوتا ہے کیا
 تجھے کیا خبر عشق ہوتا ہے کیا؟
 تجھے پُوچھو اور میرے دل سے یہ راز
 مگر کون پُوچھے بجز عشق باز

جو برباد ہونا کرے اختیار
خدا کے لیے، ہے وہی اختیار
جو اُس کے لیے کھوتے ہیں پاتے ہیں
جو مرتے ہیں وہ زندہ ہو جاتے ہیں

آپ حضرت محبت کے لفظ کے معانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور اس سوال کی تیسری جزیہ ہے کہ قرآن شریف میں یہ کہاں لکھا ہے کہ انسان انسان کے ساتھ محبت کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے اس جگہ بجائے محبت کے رحم اور ہمدردی کا لفظ لیا ہے کیونکہ محبت کا انہما عبادت ہے اس لئے محبت کا لفظ حقیقی طور پر خدا سے خاص ہے۔ اور نوع انسان کے لئے بجائے محبت کے خدا کے کلام میں رحم اور احسان کا لفظ آیا ہے کیونکہ کمال محبت پرستش کو چاہتا ہے اور کمال رحم ہمدردی کو چاہتا ہے۔ اس فرق کو غیر قوموں نے نہیں سمجھا۔ اور خدا کا حق غیروں کو دیا۔ میں یقین نہیں رکھتا کہ یسوع کے منہ سے ایسا مشرکانہ لفظ نکلا ہو۔ بلکہ میرا گمان ہے کہ پیچھے سے یہ مکروہ الفاظ انجیلوں میں ملا دیئے گئے ہیں۔ محبت کا لفظ جہاں کہیں باہم انسانوں کی نسبت آیا بھی ہو اس سے درحقیقت حقیقی محبت مراد نہیں بلکہ اسلامی تعلیم کی رو سے حقیقی محبت صرف خدا سے خاص ہے۔ اور دوسری محبتیں غیر حقیقی اور مجازی طور پر ہیں۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس محبت کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے جو راہنمائی فرمائی ہے۔ اُس کے لئے اول یہ فرمانِ قرآن ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ال عمران: 32)

ترجمہ از حضرت اقدس: ان کو کہہ دو کہ تم اگر چاہتے ہو کہ محبوب الہی بن جاؤ اور تمہارے گناہ بخش دیئے جاویں تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔

اور فرماتے ہیں:

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاوے اور آپ کی اطاعت اور پیروی میں ہر قسم کی موت اپنی جان پر وارد کر لے اس کو وہ نور ایمان۔ محبت اور عشق دیا جاتا ہے جو غیر اللہ سے رہائی دلا دیتا ہے۔ اور گناہوں سے رستگاری اور نجات کو موجب ہوتا ہے۔ اسی

دنیا میں وہ ایک پاک زندگی پاتا ہے۔ اور نفسانی جوش و جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے نکال دیا جاتا ہے اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشِرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِيْ يَعْنِيْ فِيْهِ وَهُ مُرْدُوْنَ كَمَا تُحْشَرُ النَّاسُ وَاللَّهُ يَخْتَارُ مَا يَشَاءُ وَيَهْدِيْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے مراتب معلوم تھے اور ہر ایک کی نورانیت باطنی کا اندازہ اس قلب منور پر مکشوف تھا۔ ہاں جو لوگ بیگانہ ہیں۔ وہ بیگانہ حضرت احدیت کو شناخت نہیں کر سکتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُصِرُونَ (الاعراف: 199) یعنی وہ تیری طرف (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ پر تو انہیں نظر نہیں آتا۔

(دیکھو تفسیر اقدس زیر آیت)

آپ حضرت نے اس نثری فرمان کی تصدیق میں کتنا خوبصورت کلام پیش کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

مصطفیٰؐ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت

اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

رہا ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مدام

دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اور مزید فرماتے ہیں۔

روحانیت کے نشوونما اور زندگی کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتباعِ رسول ہے..... قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو۔ اَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ كَمَا تَبْتَلِيْهِ رُغْبَتُهُ فِيْ رُحْمَتِيْ وَيُحِبُّكُمْ اللَّهُ بِرِجَالِكُمْ وَلَوْ كَرِهَ الْغَافِلُونَ (تبتل الیہ تبتیلاً کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ۔ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کر لو۔

(دیکھو تفسیر اقدس زیر آیت)

یہی وہ فرمودات حضرت اقدس ہیں۔ جن کی پُر نور راہ نمائی میں ہم نے ابتدا ہی میں عرض کیا تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم کا مقصد اعلیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کی جائے جو عبادت کا مقام رکھتی ہو اور جبکہ قرآن کریم کا یہ مقصد ہے تو پھر تمام صحفِ مقدسہ اسی مقصد کو لیکر نازل ہوئے ہیں کیونکہ قرآن کریم ان تمام صحف کا متمم ہے

اور اسی طور سے تمام انبیاء اور مرسلین کی تعلیم و تربیت محبتِ الہی کے حصول کے محور کے گرد ہی طواف کرتی ہے۔
محبتِ الہی کا یہی مقام ہے جس کو حاصل کرنے کی تلقین آپ حضرت کس قدر خوبصورتی اور صدق سے بیان
کر رہے ہیں۔

فرماتے ہیں:

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وہی اُس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُس کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر تو اللہ تعالیٰ نے محبتِ الہی کا جذبہ قلب میں ہونے کو آپ کی رسالت پر
ایمان لانے کے لئے ایک شرط کے طور پر قائم کر دیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خداتم سے محبت کرے تو رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو کیونکہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران: 32)
کے فرمان میں یہ بات مضمحل ہے کہ اگر ایسا نہیں تو تمہارا یہ حال ہوگا کہ
وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف: 199)
حضرت اقدس اس فرمان کی کس قدر خوبصورت تفسیر فرماتے ہیں۔

اس کا مرنا اور جینا اپنے لیے نہیں بلکہ خدا ہی کے لیے ہو جائے تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار
کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے
ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور
ہزاروں صدیقیوں اور ہرگزیدوں کا اسی لیے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا وہ اسی لیے مگار
اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرمایا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ یعنی وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ محبتِ الہی کا حصول ہی وہ مقصدِ اعلیٰ ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا۔ اور جس کو قلب میں زندہ کرنے کے لیے قرآنِ کریم اور دیگر صحیفِ سماوی نے انسان کی راہ نمائی کی ہے اور اسی طور پر انبیاء نے بھی اپنے پیغامِ الہی کے ماننے والوں کی ایسی ہی تعلیم و تربیت کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتا ہے۔“

(بخاری کتاب الذکر)

اور یادِ الہی کی تلقین میں فرماتے ہیں:

”تم اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں“

(حصن حصین)

محبتِ الہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کس قدر جامع اور آپ کی زندگی کے تمام لمحات کو اپنے دائرہ میں لیے ہوئے ہے۔

اللہ کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ اِنِّى اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِي اِلَى حُبِّكَ
وَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهَا حَقٌّ فَاذْرُسُوْهَا وَ تَعَلَّمُوْهَا.

(سنن ترمذی)

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا طلبگار ہوں اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جو میرے دل میں تیری محبت زندہ کر دے اور آپ نے فرمایا یہی حق ہے اور اسی کی تعلیم و تدریس کیا کرو۔

اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا بھی ہے جو ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھی۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّى
اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَ الْعَمَلِ الَّذِى يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ
حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْ نَفْسِيْ وَ اَهْلِيْ وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

(سنن ترمذی)

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد کی دعاؤں میں سے ایک یہ دعا تھی کہ اے میرے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا طلبگار ہوں اور اُسکی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جس کی وجہ سے میں تجھ سے محبت کرنے لگوں۔ اے اللہ اپنی محبت میرے

لیے اپنی جان سے اور اپنے عزیز واقرباء سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو مشاہدہ کریں کہ باوجود محبوب الہی ہونے اور دوسروں کو محبوب الہی بنانے کے محبت الہی کی پیاس نہیں بجھتی۔ انبیاء کی یہی شان ہے۔

جیسے فرمایا:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام: 163، 164)

کہہ نماز میری اور عبادتیں میری اور زندگی میری اور موت میری اس اللہ کے واسطے ہیں جو
رب ہے عالموں کا۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی درجہ کے حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اسی محبت میں وہ مبتلا ہوتے ہیں اور اسی کو زندہ کرنے کے لیے ان کو مبعوث کیا جاتا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور وارث کامل کی دعا کو بھی مشاہدہ کریں کہ لفظاً اور معنأً اُس محبت کو
پانے کی دعا کر رہے ہیں جو کہ آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اتباع رسول اکرم کا کامل نمونہ ہے۔
فرماتے ہیں:

اے خداوند من گناہم بخش سوائے درگاہ خویش راہم بخش
اے میرے خداوند! میرے گناہ بخش دے اور اپنی درگاہ کی طرف مجھے رستہ دکھا
روشنی بخش در دل و جانم پاک گن از گناہ پہنایم
میرے جان اور میرے دل میں روشنی دے اور مجھے میرے مخفی گناہوں سے پاک کر
دل ستانی و دلربائی کن بہ نگاہے گره کشائی گن
دل ستانی کر اور دل رُبائی دکھا اپنی ایک نظر کرم سے میری مشکل کشائی کر
در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچه می خواہم از تو نیز توئی
دونوں عالم میں تو ہی میرا پیارا ہے اور جو چیز میں تجھ سے چاہتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے

بے انتہاء خوبصورت اور عشق الہی میں ڈوبا ہوا کلام ہے اس قدر مؤثر کہ ہر عاشق الہی کی حرز جان ہے اور
ادبی اعتبار سے اپنے موضوع میں فارسی کا شاہکار ہے۔ صرف فارسی ہی میں نہیں بلکہ کسی بھی زبان میں اس کے
مقابل پر کچھ بھی پیش کرنے کو نہیں۔

آپ حضرت کی ان مناجات کا حضرت داؤد کی دعا سے ایک رشتہ یہ بھی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ آپ کا روحانی مشرب داؤد علیہ السلام کے نقش قدم پر ہے اور حضرت داؤد کا مشرب تو آپ کی دعا سے ظاہر ہے کہ صرف اور صرف محبتِ الہی کا حصول تھا۔
آپ کا الہامی شعر ہے۔

طریق زہد و تعبد نہ دائم اے زاہد

خدائے من قدم راند بر رہ داؤد

ترجمہ۔ اے زاہد میں تو کوئی زہد و تعبد کا طریق نہیں جانتا میرے خدا نے خود ہی میرے قدم کو داؤد کے راستہ پر ڈال دیا ہے

(تذکرہ صفحہ 93۔ مطبوعہ 2004ء)

وہ کشفی نظارہ جس کے اختتام پر یہ شعر الہام ہوا ہے۔ ایسا دلفریب ہے کہ اُس کا مطالعہ از بس ضروری ہے اس تسلسل بیان میں حضرت اقدس کا یہ شعر بھی تو ہے۔

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے

میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

داؤدی صفت کے پھل محبتِ الہی ہی کے تو ہیں جو آپ کے شجرِ طیّہ پر لگے۔

اور اردو میں آپ حضرت کے دل کا راز بھی سُن لیں کہ وہ مکمل اور تمام ترجمتِ الہی میں گرفتار فرماتے ہیں:

میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار
نیک دن ہو گا وہی جب تجھ پر ہو ویں ہم نثار
ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دل کا راز دار
لیک سو پردے میں ہوں اُن سے نہیں ہوں آشکار
میرے باطن کی نہیں ان کو خیر اک ذرہ وار
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کار زار
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نئے دیار
اُن کی شاہی میں میں پاتا ہوں رفاہ روزگار

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو
جس طرح تو دور ہے لوگوں سے میں بھی دور ہوں
نیک ظن کرنا طریق صالحان قوم ہے
بیخبر دونوں ہیں جو کہتے ہیں بد یا نیک مرد
ابن مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے
مُلک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
تاج و تختِ ہند قیصر کو مبارک ہو مدام

مجھکو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا مجھکو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

ہم تو بڑے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں

آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا تقار

اس موضوع کا تعارف (باوجود اختصار کی کوشش کے) قدرے طویل ہو گیا ہے۔ اس کا ایک باعث تو یہ ہے کہ جہاں کلام کے حسن و جمال کی ہزار تجلیات ہوں وہاں اُن کے انتشار رنگ و بو میں چند ایک کا انتخاب کرنا مشکل کام ہے۔

مظہر جانِ جاناں کا یہ شعر اسی مشکل کو بیان کر رہا ہے۔

زِ فرق تا بقدم ہر کجا می پنم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جاں این جا است

ترجمہ۔ محبوب کے چہرے سے لیکر اُس کے قدموں تک جہاں بھی نظر پڑتی ہے اُس کا حسن

و جمال دل کو اُسی مقام پر فدا ہونے کو کہتا ہے۔

اس طوالت کی دوسری وجہ اس مضمون کا عنوان ہے۔ یعنی محبتِ الہی۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جو تمام صحفِ سماوی اور انبیاء کی تعلیم و تربیت کی جان اور ان کی روحِ رواں ہے۔ اُسی جذبے کو زندہ کرنے کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور اسی جذبہ کو انسان کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس موضوع کی ابتدا ہی باری تعالیٰ کے اس فرمان سے کی ہے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی (الاعراف: 173)

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ کے ساتھ تو انسان کا فطری تعلق ہے کیونکہ اُسکی فطرت خدا تعالیٰ کے حضور میں

”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کے جواب میں ”قَالُوا بَلٰی“ کا اقرار کر چکی ہے۔“

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس زبیر آیت)

ان خصوصیات کی وجہ سے حضرت اقدس کا تمام کلام دراصل محبتِ الہی کا ہی اظہار ہے کبھی بلا واسطہ اور برملا اور کبھی بالواسطہ اور پوشیدہ۔

اس صورت میں مضمون کا قدرے مفصل ہونا لازم تھا۔

درحقیقت یہ معذرت بلا ضرورت تھی کیونکہ طوالت کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ حضرت کے ادبِ عالیہ میں اس

مضمون کی ہمہ گیر اہمیت کا بیان ہو گیا۔

اُردو زبان میں

اب ہم اپنے دستور کے مطابق اس مضمون میں حضرت اقدس کے اردو کلام کے نمونے پیش کرتے ہیں۔
 اوّل قدم پر ایک ایسا قطعہ کلام ہے جس کا حُسن و جمال بیان کرنے کے لئے کسی قلم میں طاقت نہیں ہے۔ یہ کلام اپنے جذبے اور تاثیر میں اپنی قلبی تمنا کے اظہار میں اور اردو ادب کے اسالیب کی پاسداری میں ایک بے مثال اور شاہکار اشعار کا نمونہ ہے۔ محبتِ الہی کے مضمون میں ہزار تلاش کرنے پر بھی ایسا کلام نہیں ملے گا اور مل بھی نہیں سکتا کیونکہ نہ کوئی باری تعالیٰ کا ایسا عاشق ہوگا اور نہ اُس کے قلب سے ایسا کلام جاری ہوگا۔

فرماتے ہیں۔

مجھے اس یار سے پیوند جاں ہے وہی جنت وہی دارالاماں ہے
 بیان اس کا کروں طاقت کہاں ہے محبت کا تو اک دریا رواں ہے

یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْزَى الْأَعْيَادِي

تری نعمت کی کچھ قلت نہیں ہے تہی اس سے کوئی ساعت نہیں ہے
 شمارِ فضل اور رحمت نہیں ہے مجھے اب شکر کی طاقت نہیں ہے

یہ کیا احساں ترے ہیں میرے ہادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْزَى الْأَعْيَادِي

ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں

محبت چیز کیا کس کو بتاؤں وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں

میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں یہی بہتر کہ خاک اپنی اڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیاۓ مادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْزَى الْأَعْيَادِي

محبتِ الہی کے بیان میں دوسرا شاہکار کلام بھی ہر ادبی خوبی اور قلبی جذباتِ محبت کے اظہار میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اس کی تاثیر تو ایسی ہے کہ آپ کی جماعت نے گذشتہ ایک صدی سے اس کلام کو خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی جناب میں دعا کی باریابی کا تعویذ بنا رکھا ہے۔ کوئی جماعتی اجتماع اور خاندانی تقریب ایسی نہیں ہوتی کہ اس کلام

کو حصول برکات کیلئے نہایت محبت اور ترنم سے پڑھانہ جائے۔
فرماتے ہیں۔

حموشا اُسی کو جو ذات جاودانی ہمسرنہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یارجانی
دل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اسکی عظمت لرزاں ہیں اہل قُربت کڑویوں پہ بہت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو شکر نعمت ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا اُلُفت کب چاہے اسکی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي

اور فرماتے ہیں:

اس دل میں تیرا گھر ہے تیری طرف نظر ہے تجھ سے میں ہوں مُمَوَّر میرا تو تو قمر ہے
تجھ پر مرا توکل در پرتے یہ سر ہے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
جب تجھ سے دل لگایا سو سو ہے غم اٹھایا تن خاک میں ملایا جاں پر وبال آیا
پر شکر اے خدایا! جاں کھو کے تجھ کو پایا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
دیکھا ہے تیرا منہ جب چمکا ہے ہم پہ کو کب مقصود مل گیا سب ہے جام اب لبالب
تیرے کرم سے یا رب میرا بر آیا مطلب
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي
اور اس محبت کے اظہار کو دیکھیں۔

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غم اغیار کا
تیرے ملنے کے لیے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو گچھ اس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی گل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں دار کا
یہ بیان ایک اور بار سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار
اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو
نیک دن ہوگا وہی جب تجھ پر ہوویں ہم نثار
جس طرح تو دُور ہے لوگوں سے میں بھی دُور ہوں
ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دل کا راز دار

اور وصال الہی کی تمنا کو بر لانے کے لیے محبت کا مقام بھی سُن لیں۔ بہت سادہ اور مؤثر کلام ہے۔ خدا کو
پانے کی یہی ایک ہی راہ ہے اور قرآن کریم نے یہی پیغام دیا ہے۔
فرماتے ہیں:

دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے
ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار
کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں
طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دہشتِ خار
اُسکے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے
کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائیگا زر بے شمار
تیر تاثیر محبت کا خطا جاتا نہیں
تیر اندازو! نہ ہونا سُست اس میں زینہار
ہے یہی اک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے
ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صد ہا آبشار

اس سے خود آکر ملے گا تم سے وہ یار ازل
 اس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار
 وہ کتابِ پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے
 وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارتِ بار بار
 محبت اور وفا میں ایسا پیوند ہے کہ اگر اسکو 'پیوندِ جان' کہیں تو درست ہوگا کیونکہ محبت کا ثبوت وفا سے ہے اگر
 وفا نہیں تو محبت خام ہی نہیں بلکہ معدوم ہے۔
 فرماتے ہیں:

جلد آ مرے سہارے غم کے ہیں بوجھ بھارے
 منہ مت چھپا پیارے میری دوا یہی ہے
 کہتے ہیں جوشِ الفت یکساں نہیں ہے رہتا
 دل پر مرے پیارے ہر دم گھٹا یہی ہے
 ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر
 جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے
 دُنیا میں عشق تیرا، باقی ہے سب اندھیرا
 معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے
 مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اڑایا
 جب سے سنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے
 دلبر کا درد آیا حرفِ خودی مٹایا
 جب میں مرا چلایا جامِ بقا یہی ہے
 اس عشق میں مصائبِ سوسو ہیں ہر قدم میں
 پر کیا کروں کہ اس نے مجھکو دیا یہی ہے
 حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
 اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

اور پھر اس وفا کے بعد محبوبِ حقیقی کی وفا بھی دیکھیں۔

فرماتے ہیں:

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیرخوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
تیرے دن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار
وصالِ باری تعالیٰ کی تلاش یعنی سلوک کی تعلیم و تربیت کو بھی سُن لیں۔
فرماتے ہیں:

اس جہاں میں خواہشِ آزادگی بے سود ہے
اک تری قیدِ محبت ہے جو کردے رستگار
دل جو خالی ہو گدا ز عشق سے وہ دل ہے کیا
دل وہ ہے جس کو نہیں بے دلبر یکتا قرار
فقر کی منزل کا ہے اول قدمِ نفع و جود
پس کرو اس نفس کو زیروزبر از بہر یار
تلخ ہوتا ہے شمر جب تک کہ ہو وہ ناتمام
اسطرح ایماں بھی ہے جب تک نہ ہو کامل پیار
تیرے منہ کی بھوک نے دل کو کیا زیر و زبر
اے مرے فردوسِ اعلیٰ اب گرا مجھ پر شمار
اے خدا اے چارہ سازِ درد ہم کو خود بچا
اے مرے زخموں کے مرہم دیکھ میرا دل فگار

باغ میں تیری محبت کے عجب دیکھے ہیں پھل
 ملتے ہیں مشکل سے ایسے سبب اور ایسے انار
 تیرے بن اے میری جاں یہ زندگی کیا خاک ہے
 ایسے جینے سے تو بہتر مر کے ہو جانا غبار
 ”فقر کی منزل کا ہے اول قدم فنی و جود“ ذیل کے شعر میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔
 فرماتے ہیں۔

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لیے فنا
 ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا
 جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
 اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز مہمات
 اور عاشقانِ باری تعالیٰ کی علامات اور صفات بھی سن لیں۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
 جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار
 اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
 کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟
 اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
 ابھی خوفِ دل میں کہ ہیں نابکار
 لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے
 وہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے

اور آخر پر ایک تلقین عام ہے کہ محبت کے قابل صرف ایک ہی ہستی ہے اور اگر کہیں وفا ہے تو اُسی محبوبِ حقیقی
 میں ہے۔

فرماتے ہیں:

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
 جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اس میں وہ کیا نہیں

سورج پہ غور کر کے نہ پائی وہ روشنی
 جب چاند کو بھی دیکھا تو اس یار سا نہیں
 واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
 سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں
 سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
 ڈھونڈو اسی کو یارو! یوں میں وفا نہیں
 اس جائے پُر عذاب سے کیوں دل لگاتے ہو
 دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سَرا نہیں
 اور اس مضمون کے اختتام پر ایک دل فریب قطعہ سُن لیں
 فرماتے ہیں:

اگر وہ جاں کو طلب کرتے ہیں تو جاں ہی سہی
 بلا سے کچھ تو نپٹ جائے فیصلہ دل کا
 اگر ہزار بلا ہو تو دل نہیں ڈرتا
 ذرا تو دیکھیے کیسا ہے حوصلہ دل کا



محبتِ الہی کا بیان

فارسی اشعار میں

بہت مرتبہ کہا جا چکا ہے کہ فارسی زبان کا مزاج روحانی ہے۔ اس لیے ان مضامین کے بیان کرنے کی اس میں صلاحیت بھی ہے اور مناسبت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیارے حضرت اقدس مسیح موعود کا فارسی کلام محبتِ الہی کے اظہار سے بھر پور ہے اور اس قدر بھر پور ہے کہ اس لالہ زار سے چند ایک پھولوں کا انتخاب کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کوشش میں کہ انتخاب کی خوبی قائم رہے اور اختصار کا نقص بھی ظاہر نہ ہو ہم نے آپ کی طویل نظموں میں سے صرف محبتِ الہی کے اشعار کو اختیار کیا ہے۔

اول قدم پر ہم خدا تعالیٰ کے فرمان اَلْکَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی کے اتباع میں حضرت کا وہ کلام پیش کرتے ہیں جو اس مضمون کو بیان کر رہا ہے کہ محبتِ الہی انسان کی فطرت میں ہے۔ بہت ہی خوبصورت اور محبت بھرا کلام ہے۔

فرماتے ہیں:

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار کز وجودش ہر وجودے آشکار
اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا
ایں جہاں آئینہ دارِ روئے او ذرہ ذرہ رہ نماید سوئے او
یہ جہان اس کے چہرے کے لیے آئینہ کی طرح ہے ذرہ ذرہ اسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے
کرد در آئینہٴ ارض و سما آں رخ بے مثل خود جلوہ نما
اس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلا دیا
ہر گیا ہے عارفِ بنگاہ او دست ہر شانے نماید راہ او
گھاس کا ہر پتہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اسی کا راستہ دکھاتی ہے
نورِ مہر و مہ ز فیضِ نورِ اوست ہر ظہورے تابع منشورِ اوست
چاند اور سورج کی روشنی اسی کے نور کا فیضان ہے ہر چیز کا ظہور اسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے
ہر سرے سرے ز خلوتِ گاہ او ہر قدم جوید درِ با جاہ او
ہر سر اس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے اور ہر قدم اسی کا با عظمت دروازہ تلاش کرتا ہے

مطلب ہر دل جمالِ روئے اوست گمرہے گمرہست بہر کوئے اوست
 اسی کے منہ کا جمال ہر ایک دل کا مقصود ہے اور کوئی گمراہ بھی ہے تو وہ بھی اسی کے کوچکی تلاش میں ہے
 اور فرماتے ہیں:

جاں فدائے آنکہ او جاں آفرید دل نثارِ آنکہ زو شد دل پدید
 جان اُس پر قربان ہے جس نے اس جان کو پیدا کیا دل اُس پر نثار ہے جس نے دل کو بنایا
 جاں ازو پیدا ست زیں مے جویدش رَبُّنَا اللّٰهُ رَبُّنَا اللّٰهُ گویدش
 جان چونکہ اس کی مخلوق ہے اس لیے اسے ڈھونڈتی ہے اور کہتی ہے کہ تو ہی میرا رب ہے تو ہی میرا رب ہے
 گر وجودِ جاں نبودے زو عیاں کے شدے مہر جمالش نقشِ جاں
 اگر جان کا وجود اس کی طرف سے ظاہر نہ ہوتا۔ تو اس کے حسن کی محبت جان پر کس طرح نقش ہوتی
 جسم و جاں را کرد پیدا آں یگاں زیں دَوَدِ دل سوئے او چوں عاشقاں
 جسم اور جان کو اسی یکتا نے پیدا کیا ہے اسی لیے عاشقوں کی طرح دل اس کی طرف دوڑتا ہے۔

یہ بات تو ہو گئی کہ محبتِ الہی انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اب یہ بات ہے کہ انسان کامل صلی اللہ
 علیہ وسلم کے نائب کا عشقِ الہی میں اس فطرتی جوش کا مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

محبتِ تو دوائے ہزار بیماری است بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است
 تیری محبت ہزار بیماریوں کی دوا ہے تیرے منہ کی قسم کہ اس گرفتاری ہی میں اصل آزادی ہے۔
 پناہِ روئے تو جستن نہ طورِ مستان است کہ آمدن بہ پناہت کمال ہشیاری است
 تیری پناہ ڈھونڈھنا دیوانوں کا طریقہ نہیں ہے بلکہ تیری پناہ میں آنا ہی تو کمال درجہ کی عقلمندی ہے
 متاعِ مہرِ رُخ تو نہاں نحواہم داشت کہ خفیہ داشتنِ عشقِ تو ز غذاری است
 میں تیری محبت کی دولت کو ہرگز نہیں چھپاؤں گا۔ کہ تیرے عشق کا مخفی رکھنا بھی ایک غذاری ہے
 برآں سرم کہ سرو جاں فدائے تو بکنم کہ جاں بیار سپردن حقیقتِ یاری است
 میں تیار ہوں کہ جان و دل تجھ پر قربان کر دوں کیونکہ جان کو محبوب کے سپرد کر دینا ہی اصل دوستی ہے

اور پھر اس محبت کے اظہار کے شوق کو بھی دیکھیں۔
فرماتے ہیں:

بہر دم از دل و جاں وصفِ یارِ خود بکنم من آں نیم کہ تغافل ز کارِ خود بکنم
میں ہر دم دل و جان سے اپنے خدا کی تعریف کرتا ہوں میں وہ نہیں ہوں کہ اپنے کام سے غفلت کروں
بہر زماں بدلم ایں ہوس ہے جوشد کہ ہرچہ ہست نثارِ نگارِ خود بکنم
ہر وقت میرے دل میں یہ شوق جوش مارتا ہے کہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ اپنے محبوب پر قربان کر دوں
اگرچہ در رہِ جاناں چو خاک گردیدم دلم تپد کہ فدائیشِ غبارِ خود بکنم
اگرچہ میں محبوب کی راہ میں خاک کی طرح ہو گیا ہوں مگر میرا دل تڑپتا ہے کہ اپنا غبار بھی اُس پر فدا کر دوں
رؤمِ بگلشنِ دلدادگاں کز اں باغم چرا بکوچہٗ غیرے قرارِ خود بکنم
میں عاشقوں کے گلشن میں جاتا ہوں اس باغ کو چھوڑ کر میں کسی غیر کے کوچہ میں کیوں اپنا مسکن بناؤں
رسید مژدہ کہ ایامِ نو بہار آمد زمانہ را خبر از برگ و بارِ خود بکنم
مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آ گیا تاکہ زمانہ کو میں اپنے پھلوں اور پتوں کی خبر کر دوں
تعلقاتِ دلآرامِ خویشِ ہنمایم ہمائے اوجِ سعادتِ شکارِ خود بکنم
اور اپنے محبوب کے تعلقات کا اظہار کروں اور ہمائے اوجِ سعادت کو اپنا شکار بناؤں
آخری دو شعر تو ایسے دل فریب ہیں کہ ان کا حسن و خوبی بیان نہیں ہو سکتا ہے فرماتے ہیں۔

کہ بہار آئی ہے تو میں بھی اپنی محبت کے برگ و بار دکھاؤں اور اپنے محبوب کے تعلقات کو بیان کروں اور
سعادتِ عظمیٰ کے ہما کو شکار کروں۔

سبحان اللہ! ایسا عاشقانہ کلام کہاں ملے گا

یہاں پر دیکھیں دنیا و ما فیہا سے تعلق توڑ کر اپنے خدا سے رشتہ باندھا ہے۔

فرماتے ہیں:

اے دلبر و دلستان و دلدار و اے جانِ جہان و نورِ انوار
میرے محبوب اور دلدار اور اے جانِ جہاں اور نوروں کے نور
لرزاں ز تجلیتِ دل و جان حیراں ز رُختِ قلوب و ابصار
جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں۔ قلوب اور نظریں تیرے رخ کو دیکھ کر حیران ہیں

از یاد تو نورِ ہا بہ بینم! درحلقہ عاشقانِ خونبار
 میں تیرے ذکر کی برکت سے انوار دیکھتا ہوں آہ وزاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں
 آنکس کہ بہ بندِ عشقت اُفتاد دیگر نشیدِ پندِ اغیار
 وہ شخص جو تیری قیدِ محبت میں گرفتار ہو گیا۔ پھر اس نے دوسروں کی نصیحت نہ سنی
 اے مونسِ جاں چہ دستانی کز خود بر بودیم بہ یکبار!
 اے میرے مونسِ جاں! تو کیسا دستاں ہے کہ دفعتاً تو نے مجھے مدہوش کر دیا
 از یاد تو ایں دلے بہ غمِ غرقِ دآرد گہرے نہاںِ صدف وار
 تیری یاد میں میرا دل غم میں غرق ہو کر صدف کی طرح ایک موتی اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے
 چشم و سرِ ما فدائے رویت جان و دلِ ما بُو گرفتار
 میری آنکھ اور سر تجھ پر قربان ہیں اور میرے جان و دل تیری محبت میں قید
 عشق تو بہ نقدِ جاں خریدیم تادم نہ زَنَدِ دگر خریدار
 ہم نے نقدِ جان دے کر تیرا عشق خریدا ہے۔ تاکہ پھر اور کوئی خریدار دم نہ مار سکے
 غیر از تو کہ سرزدے ز جیم! در بُرجِ دلمِ نمائد دیار
 تیرے سوا اور کون میرے گریبان میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اور کوئی بسنے والا ہی نہیں
 عمریست کہ ترکِ خویش و پیوندِ کردیم و دے جز از تو دشوار
 ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ
 گزارنا بھی مشکل ہے۔

آخری شعر کو دوبارہ سن لیں۔ اسی کو کامل رجوع الی اللہ کہتے ہیں۔

عمریست کہ ترکِ خویش و پیوندِ کردیم و دے جز از تو دشوار
 ایک عمر گذر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ
 گزارنا بھی مشکل ہے۔

محبت کے آثار کا بھی مشاہدہ کریں۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی زخم و مرہم برہ یار تو یکساں کردی
 اے محبت تو نے عجیب رنگ دکھائے تو نے یار کی راہ میں زخم اور مرہم برابر کر دیئے

ہمہ مجموعہ دو عالم تو پریشاں کردی ہمہ عشاق تو سرگشتہ و حیراں کردی
 دونوں جہان کے مجموعہ کو تو نے پراگندہ کر دیا اور سب عاشقوں کو تو نے دیوانہ اور حیران کر دیا
 ہوشمندان جہاں را تو کئی دیوانہ اے بسا خانہ فطنت کہ تو ویراں کردی
 دنیا کے عقلمندوں کو تو دیوانہ بنا دیتی ہے اور بہت سے عقلمندی کے گھروں کو تو نے ویران کر دیا
 جان خود کس نمد بہر کس از صدق و وفا راست این ست کہ این جنس تو از راں کردی
 کوئی کسی کے لیے اپنی جان عشق اور وفاداری کے ساتھ نہیں دیتا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس جنس کو
 تو نے بہت سستا کیا ہے

بر تو ختم ست ہمہ شوخی و عیاری و ناز ہیچ عیار نباشد کہ نہ نالاں کردی
 شوخی چالاکی اور ناز سب تجھ پر ختم ہیں۔ کوئی ہوشیار آدمی ایسا نہ ہوگا جسے تو نے رُلا نہ دیا ہو
 تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیا مد بسر م اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی
 میں بھی جب تک دیوانہ نہ ہو گیا میرے ہوش ٹھکانے نہ ہوئے۔ اے جنون عشق تجھ پر قربان! تو
 نے کتنا احسان کیا

ہمہ جا شور تو ینم چہ حقیقت چہ مجاز سینہ مشرک و مسلم ہمہ بریاں کردی
 میں سب جگہ تیرا ہی شور دیکھتا ہوں خواہ حقیقت ہو یا مجاز۔ تو نے تو مشرک اور مومن سب کے سینے جلا ڈالے
 آں مسجا کہ بر افلاک مقاش گویند لطف کردی کہ ازیں خاک مرا آں کردی
 وہ مسیح جس کا مقام آسمان پر بیان کرتے ہیں تو نے مہربانی فرمائی کہ اسی زمین میں سے مجھے وہی مسیح بنا دیا
 محبت الہی میں وفا اور محبوب کی رضا کو عزیز رکھنا بھی دیکھیں۔ باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ تو محبت
 اور وفا کو نہیں جانتے تھے اس جذبے کو تو نے ہی میرے دل میں بھر دیا ہے۔ بہت ہی پاکیزہ کلام ہے۔ آخری دو
 شعر تو وہی کہہ سکتا ہے جس کو آداب و فامحبوب حقیقی نے عنایت کئے ہوں۔

قربان تست جان من اے یار محسن با من کدام فرق تو کردی کہ من کنم
 اے میرے محسن دوست میری جان تجھ پر قربان ہے تو نے مجھ سے کونسا فرق کیا ہے کہ میں تجھ سے کروں
 ہر مطلب و مراد کہ می خواستم ز غیب ہر آرزو کہ بود بخاطر معینم
 ہر مراد اور دعا جو میں نے غیب سے طلب کیا۔ اور ہر خواہش جو میرے دل میں تھی
 از جود دادہ ہمہ آں مدعائے من و از لطف کردہ گذر خود بمسکنم
 تو نے اپنی مہربانی سے میری وہ مرادیں پوری کر دیں اور مہربانی فرما کر تو میرے گھر تشریف لایا

ہچ آگہی نبود ز عشق و وفا مرا خود ریختی متاع محبت بدامنم
مجھے عشق و وفا کی کچھ بھی خبر نہ تھی تو نے ہی خود محبت کی یہ دولت میرے دامن میں ڈال دی
یارب مرا بہر قدم استوار دار واں روز خود مباد کہ عہد تو بھگنم
اے رب مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑوں
در کوئے تو اگر سر عشاق را زند اول کسیک لاف عشق زند منم!
اگر تیرے کوچے میں عاشقوں کے سراتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ میں ہوں گا
اور یہ ”عہد“ کیا ہے یہی کہ محبت میں استوار رہنا اور وفا دکھانا۔

ان دو اشعار کو دوبارہ پڑھ لیں۔ ایسی وفا اور اُس کے حصول کی دعا کہاں دستیاب ہوگی اور پھر اسی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صدق و وفا کے داب کی تعلیم دی اور الہاماً فرمایا۔

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا میگزارد با محبت با وفا
صادق وہ ہوتا ہے کہ ابتلاؤں کے دن محبت اور وفاداری سے گذارتا ہے
گر قضا را عاشقے گورد اسیر بوسد آں زنجیر را کز آشنا
اگر قضائے الہی سے عاشق قید ہو جاتا ہے تو وہ اُس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہو۔
(تذکرہ صفحہ 255-مطبوعہ 2004ء)

اور اس تعلیم کی روشنی میں آپ نے محبت الہی میں اپنا مسلک بیان کیا اور محبوب حقیقی سے محبت کے آداب سکھائے۔

سینہ مے باید تہی از غیر یار! دل ہے باید پُر از یادِ نگار!
یار کے سوا ہر چیز سے سینہ خالی ہونا چاہیے اور دل محبوب کی یاد سے بھرا رہنا چاہیے
جاں ہے باید براہِ او فدا سر ہے باید پائے او نثار
جان اُس کی راہ میں قربان ہونی چاہیے اور سر اُس کے قدموں میں نثار ہونا چاہیے
ہچ دانی چست دین عاشقاں گوئمت گر بشنوی عشاق دار
کیا تجھے معلوم ہے کہ عاشقوں کا دین کیا ہوتا ہے؟ میں تجھے بتاتا ہوں اگر تو عاشقوں کی طرح سُنے
از ہمہ عالم فرو بستن نظر لوح دل شستن ز غیر دوستدار
وہ یہ ہے کہ سارے جہاں کی طرف سے آنکھ بند کر لینا اور دوست کے سوا ہر چیز سے دل کی تھنٹی کو دھو ڈالنا
اس مقام پر عاشق الہی یہی کہتا ہے۔

در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچه می خواہم از تو نیز توئی
 دونوں جہانوں میں تو ہی مجھے عزیز ہے۔ اور جو میں تجھ سے طلب کرتا ہوں وہ تو ہی ہے۔
 اور اپنا مذہب عشق بیان کر کے اپنے عشق کی کیفیت سناتے ہیں کہ میرے لیے دوا تجویز نہ کرو محبت کے
 رنج و غم میں ہی میرا علاج ہے۔

مرانہ زہد و عبادت نہ خدمت و کارے است ہمیں مرا است کہ جانم رہین دلدارے است
 میرے پاس نہ زُہد ہے نہ عبادت نہ خدمت نہ اور کوئی کام۔ صرف ایک بات ہے کہ میری جان
 اس دلدار کے پاس گرو پڑی ہوئی ہے
 چہ لڈتے است بر ویش کہ جاں فدائیش باد چہ رحتے است بکولیش اگر چہ خوں بارے است
 اس کے چہرہ میں ایسی لذت ہے کہ جان اس پر قربان ہے اس کی گلی میں عجیب لطف ہے اگر چہ
 وہاں خون کی بارش ہوتی ہے
 مسیح وقت مرا کرد آنکہ دید این حال بہ ہیں دلائل دعویٰ اگر چہ بیکارے است
 خدا نے جب میرا یہ حال دیکھا تو مجھے مسیح الزمان بنا دیا اب تو میرے دعوے کے دلائل دیکھو
 (تیرے نزدیک) یہ بیکار ہے۔

دوائے عشق نخواہم کہ آں ہلاکت ماست شفاے ما بہ ہمیں رنج و درد و آزارے است
 میں عشق کا علاج نہیں چاہتا کیونکہ اس میں ہماری ہلاکت ہے ہماری شفا تو اسی رنج و درد اور بیماری میں ہے
 اور آخر پر دیکھیں کہ کیسے سادل گداز فیصلہ کرتے ہیں
 فرماتے ہیں:

ہماں پہ کہ جاں در رہ او فشانم جہاں راجہ نقصاں اگر من نماںم
 یہی بہتر ہے کہ میں اُس کی راہ میں جان قربان کر دوں۔ اگر میں نہ رہوں تو دنیا کا کیا نقصان ہے



محبتِ الہی

عربی اشعار میں

عربی زبان میں محبتِ الہی کے اشعار کا انتخاب کرنے میں وہی مشکل ہے جو اردو اور فارسی اشعار میں تھی۔ یعنی یہ کہ اس موضوع کے اشعار اتنی کثرت سے ہیں کہ ان میں سے چند ایک کا انتخاب مشکل ہے۔ کوئی بھی موضوع کلام ہو چند اشعار کے بعد محبتِ الہی نقاب کشا ہو جاتی ہے۔

یہی بات آپ حضرت فرما رہے ہیں:

أَنْتَ الَّذِي قَدْ كَانَ مَقْصِدَ مُهْجَتِي فِي كُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْإِمْلَاءِ

ترجمہ: تُو ہی تُو میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور لکھائی ہوئی تحریر میں۔

اس صورت میں ہم نے یہاں بھی کوشش کی ہے کہ بہتر سے بہتر کلام کے نمونے پیش کئے جاسکیں۔ عشقِ الہی میں اول ان اشعار کا مشاہدہ کریں۔

أَنْتَ الْمُرَادُ وَأَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِي وَ عَلَيْكَ كُلُّ تَوَكُّلِي وَ رَجَائِي

تو ہی مراد ہے اور تو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

أَعْطَيْتَنِي كَأْسَ الْمَحَبَّةِ رَيْفَهَا فَشَرِبْتُ رَوْحَاءَ عَلِي رَوْحَاءِ

تو نے مجھے محبت کی بہترین مے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

إِنِّي أَمُوتُ وَلَا يَمُوتُ مَحَبَّتِي يُدْرِي بِذِكْرِكَ فِي التُّرَابِ نِدَائِي

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی

میری آواز پہنچانی جائے گی۔

مَا شَاهَدْتُ عَيْنِي كَمِثْلِكَ مُحْسِنًا يَا وَاسِعَ الْمَعْرُوفِ ذَا النِّعَمَاءِ

میری آنکھ نے تجھ سے (کوئی) محسن نہیں دیکھا۔ اے احسانات میں وسعت پیدا کرنے والے اور اے نعمتوں والے

أَنْتَ الَّذِي قَدْ كَانَ مَقْصِدَ مُهْجَتِي فِي كُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْإِمْلَاءِ

تُو ہی تُو میری جان کا مقصود تھا قلم کے ہر قطرہ (روشنائی) اور لکھائی ہوئی تحریر میں۔

لَمَّا رَأَيْتُ كَمَالَ لُطْفِكَ وَ النَّدَا ذَهَبَ الْبَلَاءُ فَمَا أَحْسُ بَلَائِي

جب میں نے تیرے لطف کا کمال اور بخششیں دیکھیں تو مصیبت دور ہو گئی اور (اب) میں اپنی

مصیبت کو محسوس ہی نہیں کرتا۔

إِنِّي تَرَكْتُ النَّفْسَ مَعَ جَذَبَاتِهَا لَمَّا أَتَانِي طَالِبُ الطُّلْبَاءِ
میں نے نفس کو اس کے جذبات سمیت چھوڑ دیا جب میرے پاس طالبوں کا طالب آیا۔
مُتَنَّا بِمَوْتٍ لَا يَرَاهُ عَدُوْنَا بَعُدَتْ جَنَازَتُنَا مِنَ الْأَحْيَاءِ
ہم ایسی موت سے مر چکے ہیں جس کو ہمارا دشمن نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارا جنازہ زندوں سے بہت دور
ہو گیا ہے۔

غَلَبَتْ عَلَيَّ قَلْبِي مَحَبَّةٌ وَجِهَةٌ حَتَّى رَمَيْتُ النَّفْسَ بِالْإِلْغَاءِ
میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آگئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اس کی
خواہشات کو باطل اور کالعدم بنا کر پھینک دیا۔

وَأَرَى الْوَدَادَ أَنْزَارَ بَاطِنِ بَاطِنِي وَأَرَى التَّعَشُّقَ لَاحَ فِي سِيمَائِي
میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کے باطن کو منور کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق
میرے چہرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔

مَا بَقِيَ فِي قَلْبِي سِوَاهُ تَصَوُّرٍ غَمَرَتْ أَيْدِي اللَّهِ وَجْهَ رَجَائِي
میرے دل میں اس کے سوا کوئی تصویر باقی نہیں رہا۔ خدا تعالیٰ کے احسانات نے میری خواہشوں
کے منکروڈھانپ لیا ہے۔

هُوَ جَاءَ الْفَتْنَةَ أَثَارَتْ حُرَّتِي فَفَدَا جَنَانِي صَوْلَةَ الْهُوجَاءِ
اس کی الفت کی تیز ہواؤں نے میری خاک اڑادی پس میرا دل ان ہواؤں کی شدت پر قربان ہو گیا۔
دوسرے مقام پر اس عظیم الشان محبت بھری ثناء باری تعالیٰ کا لطف لیں۔ جوش محبت سے بھرا ہوا کلام ہے۔
ایسا جوش جس کو قابو میں لانا مشکل ہو۔

فرماتے ہیں:

لَكَ الْحَمْدُ يَا تَوْسِيَّ وَحُرِّيَّ وَجَوْسِقِي بِحَمْدِكَ يُرْوَى كُلُّ مَنْ كَانَ يَسْتَقِي
اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو
جاتا ہے

بِذِكْرِكَ يَجْرِي كُلُّ قَلْبٍ قَدْ اغْتَقِي بِحُبِّكَ يَحْيِي كُلَّ مَيِّتٍ مُمَزَّقِ
تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرایا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مردہ زندہ
ہو جاتا ہے

وَبِاسْمِكَ يُحْفَظُ كُلُّ نَفْسٍ مِنَ الرَّدَا وَفَضْلُكَ يَنْجِي كُلَّ مَنْ كَانَ يُرْبِقُ
 اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے
 وَمَا الْخَيْرُ إِلَّا فِيكَ يَا خَالِقَ الْوَرَى وَمَا الْكَهْفُ إِلَّا أَنْتَ يَا مُتَكِّئَ التَّقَى
 اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیز گاروں کی پناہ ہے
 وَتَعْنُوا لَكَ الْأَفْلَاكُ خَوْفًا وَهَيْبَةً وَتَجْرِي دُمُوعُ الرَّاسِيَاتِ وَتَشْبِقُ
 اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان ٹھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں
 وَلَيْسَ لِقَلْبِي يَا حَفِيطِي وَمَلْجَأِي سِوَاكَ مُرِيحٍ عِنْدَ وَقْتِ التَّارِقِ
 اور میرے دل کے لئے۔ اے میرے نگہبان اور پناہ! کوئی دوسرا آرام پہنچانے والا نہیں جب تنگی وارد ہو
 بِمِئْلِ الْوَرَى عِنْدَ الْكُرُوبِ إِلَى الْوَرَى وَأَنْتَ لَنَا كَهْفٌ كَبِيتٍ مُسَرَّدِقِ
 دُکھ کے وقت خلقت خلقت کی طرف توجہ کرتی ہے اور تو ہمارے لیے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت
 مضبوط گھر۔

اور محبتِ الہی کے اس بیان کو دیکھیں کہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اللہ کی محبت کو اختیار کیا تو تمام وابستگیوں کو ختم کر دیا ہے۔

فَقُمْ شَاهِدًا لِلَّهِ إِنْ كُنْتَ خَاشِعًا وَ أَكْرَمَ نَاسٍ عِنْدَهُ فَاتِكِ تَقَى
 پس اگر تو خدا کے لئے خشوع رکھتا ہے تو اللہ گواہی کے لئے کھڑا ہو جا اور خدا کے نزدیک بزرگ
 آدمی وہی ہے جو دلیر اور نیک بخت ہے
 وَقَدْ كُنْتُ لِلَّهِ الَّذِي كَانَ مَلْجَأِي وَذَلِكَ سِرُّ بَيْنِ رُوحِي وَمُزْعَقِي
 اور میں اس خدا کے لئے ہو گیا جو میری پناہ ہے اور یہ بھید ہے مجھ میں اور میری فریاد گاہ میں
 رَيْثُ وَجُوهَا نَمَّ اَثَرُ وَجْهَهُ فَوَاهَا لَهُ وَلِوَجْهِهِ الْمُنَالِقِ
 میں نے کئی منہ دیکھے پس اس کا منہ اختیار کر لیا۔ پس کیا اچھا وہ ہے اور کیا اچھا ہے اُس کا منہ چمکنے والا
 أَحِبُّ بِرُوحِي فَالِقِ الْحَبِّ وَالنَّوَى وَإِنِّي لَأَوَّلُ مَنْ نَوَى كُلَّ مُلْزِقِ
 میں اپنی جان کے ساتھ اس کو دوست رکھتا ہوں جو دانہ اس کے جرم سے علیحدہ کرنے والا ہے اور
 میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے ہر ایک پیوستہ کو پھینک دیا ہے۔

اور دیگر وابستگیوں کو ترک کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے وصول کی کیفیت کا مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

سَعَيْتُ وَمَا وَنَيْتُ بِشَوْقِ رَبِّي إِلَى أَنْ جَاءَ نَبِيُّ رَيْسِ الْوَصَالِ
میں نے اپنے رب کے اشتیاق میں کوشش جاری رکھی اور کوئی سُستی نہ کی یہاں تک کہ مجھے
وصال الہی کی خوشبو آگئی

وَقَدْ أَشْرَبْتُ كَأَسَا بَعْدَ كَأْسِ إِلَى أَنْ لَاحَ لِي نُورُ الْجَمَالِ
اور مجھے پیالے پر پیالہ پلایا گیا یہاں تک کہ مجھ پر جمالِ حقیقی کا نور جلوہ گر ہو گیا
وَقَدْ أُعْطِيتُ ذَوْقًا بَعْدَ ذَوْقٍ وَنَعْمَاءَ الْمَحَبَّةِ وَالذَّلَالِ
اور مجھے ذوق پر ذوق دیا گیا اور محبت اور ناز کی نعمتیں بھی دی گئیں
وَجَدْتُ حَيَوَةَ قَلْبِي بَعْدَ مَوْتِي وَعَادَتُ ذَوْلِي بَعْدَ الزَّوَالِ
میں نے اپنی فنا کے بعد دل کی زندگی کو پالیا اور میری دولت جاتے رہنے کے بعد لوٹ آئی۔

اور محبوبِ حقیقی کے وصال کو حاصل کرنے کے لئے آپ کے مجاہدہ اور کوشش کو بھی دیکھیں

وَلِي فِي حَضْرَةِ الْمَوْلَى مَقَامٌ وَشَأْنٌ قَدْ تَبَاعَدَ مِنْ خِيَالِ
اور میرا، مولیٰ کریم کی جناب میں، ایک بلند مقام ہے اور ایسی شان ہے کہ خیال سے بلند تر ہے
وَصَافَانِي وَوَأَفَانِي حَبِيبِي وَارْوَاسِي بِكَاسَاتِ الْوَصَالِ
میرے حبیب نے مجھ سے محبت کی اور وہ مجھے ملا اور مجھے وصال کے پیالوں سے سیراب کیا
أَرَانِي الْحُبَّ مَوْتِي بَعْدَ مَوْتِي وَأَنَا تَرَبَّتِي فَبَدَا زُلَالِي
(خدا کی) محبت نے مجھے موت کے بعد موت دکھائی اور میری گرد کو (مجھ سے) دور کر دیا ہے تو
میرا آپ زلال ظاہر ہو گیا

وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا بَعْدَ وَجْدٍ وَأَقْبَالِي آتَى بَعْدَ الزَّوَالِ
ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے، غم کے بعد ہی پایا ہے اور میرا اقبال (میرے) منہ کے بعد آیا ہے
إِذَا أَنْكَرْتُ مِنْ نَفْسِي بِصِدْقِ قَوَافَانِي حَبِيبِي رُوحَ بَالِي
جس وقت صدق کے ساتھ میں نے نفس کی (اطاعت) سے انکار کر دیا تو میرا حبیب، جو میرے
دل کا آرام ہے، میرے پاس آ گیا

أَطَعْتُ النُّورَ حَتَّى صِرْتُ نُورًا وَلَا يَذْرَى خَصِيمٌ سِرَّ حَالِي
میں نے نور کی اطاعت کی یہاں تک کہ خود نور ہو گیا اور جھگڑنے والا دشمن میرے حال کے بھید سے واقف نہیں

طَلَعْتُ الْيَوْمَ مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ وَجَلَّتْ شَمْسٌ بَعْنَى فِي الْكَمَالِ
میں نے آج رب رحیم کی جانب سے طلوع کیا ہے اور میری بعثت کا آفتاب کامل ہو کر روشن
ہوا ہے

اور آخر پر وصالِ باری تعالیٰ کے حصول کے بعد کی دعا تو آبِ زَر سے لکھنے والا کلام ہے۔ بہت دلفریب اور
محبت سے لبریز۔ باری تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں۔

أَمْتِنِي فِي الْمَحَبَّةِ وَالْوَدَادِ وَكُنْ فِي هَذِهِ لِي وَالْمَعَادِ
مجھے اپنی محبت میں ہی وفات دے اور اس دنیا اور آخرت میں تو میرا ہو جا
وَلَمْ يَبْقَ الْهُمُومُ لَنَا فَإِنَّا تَوَكَّلْنَا عَلَى رَبِّ الْعِبَادِ
اور ہمیں کوئی غم نہیں رہے۔ کیونکہ ہم نے رب العباد پر توکل کیا ہے۔
(تذکرہ صفحہ 779 مطبوعہ 2004ء)



تقویٰ

حضرت اقدس کے کلام کا یہ موضوع بھی ان موضوعات میں شمار ہوتا ہے جن کا نام و نشان اسلامی ادب میں نہیں ملتا۔ نیکی کی ترغیب اور برائی سے پرہیز کا مضمون تو اکثر فارسی اور اردو اساتذہ شعر میں جستہ جستہ بیان کے طور پر ضرور ملتا ہے مگر قرآن کریم کے فرمودات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کے ارشادات کے مطابق جس صفت کو تقویٰ کہتے ہیں وہ قرآن کریم اور اسوۂ رسول کی رضا جوئی اور اطاعت میں کئے گئے نیک اعمال کو کہتے ہیں۔

جیسے فرمایا:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (المائدة: 28)

اس فرمان کے ترجمہ میں حضرت فرماتے ہیں:

”اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کیا کرتا ہے“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں:

”متقی وہی ہیں کہ خدا سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشاء الہی کے خلاف ہیں۔“

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

حضرت اقدس کا ”تقویٰ“ یہی ہے اور یہ وہ مضمون ہے جو دیگر شعراء میں ناپید ہے۔

اپنے دستور کے مطابق جب ہم نے اس عنوان میں قرآن کریم کے فرمودات کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے تقویٰ کے مضامین کو اس تواتر سے بیان کیا ہے کہ شاید ڈیڑھ صد سے زائد مقامات میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

ہم نے اختصار کے پیش نظر دو ہم فرمودات کو اختیار کیا ہے

اؤل فرمان

الْحَدِّ ذَلِكِ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (البقرة: 2، 3)

آپ حضرت فرماتے ہیں:

پھر دیکھو کہ تقویٰ کو ایسی اعلیٰ درجہ کی ضروری شے قرار دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی علت غائی

اسی کو ٹھہرایا ہے چنانچہ دوسری سورۃ کو جب شروع کیا ہے تو یوں ہی فرمایا ہے الْحَدِّ ذَلِكِ

الْحَدِّ ذَلِكِ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہم نے اس آیت کو اس لیے بھی انتخاب کیا ہے کہ حضرت اقدس نے اس آیت کی تفسیر میں بہت تفصیل سے تقویٰ کے مضمون پر روشنی ڈالی ہے اس مضمون میں اس آیت کے تحت تفسیر حضرت اقدس کے فرمودات کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

آپ حضرت فرماتے ہیں کہ تقویٰ قرآن شریف کی علت غائی ہے۔

قرآن شریف تقویٰ ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علت غائی ہے اگر انسان تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہو سکتی ہیں چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے سعدی کہتا ہے

کلیدِ درِ دوزخ است آن نماز کہ در چشم مردم گذاری دراز
وہ نماز دوزخ کے دروازہ کی کنجی ہے جو کہ لوگوں کے سامنے لمبی لمبی کر کے پڑھی جائے
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

فرماتے ہیں:

ساری جڑ تقویٰ اور طہارت ہے اسی سے ایمان شروع ہوتا ہے اور اسی سے اس کی آپاشی ہوتی ہے اور نفسانی جذبات دبتے ہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

تقویٰ کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے اس میں ایک مصرع الہامی درج ہوا۔ وہ شعر یہ ہے:

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس میں دوسرا مصرع الہامی ہے جہاں تقویٰ نہیں وہاں حسنہ حسنہ نہیں اور کوئی نیکی نیکی نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ قرآن بھی اُن لوگوں کے

لیے ہدایت کا موجب ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ ابتدا میں قرآن کے دیکھنے والوں کا تقویٰ

یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بخل سے قرآن شریف کو (نہ) دیکھیں بلکہ نور قلب کا تقویٰ ساتھ

لیکر صدق نیت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

تقویٰ کے مضمون میں دوسرا فرمان قرآن یہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل: 129)

آپ حضرت اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکی کرنے والے ہیں۔ تقویٰ کے بہت سے اجزاء ہیں۔ حُجُب۔ خود پسندی۔ مال حرام سے پرہیز اور بد اخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے جو شخص اچھے اخلاق ظاہر کرتا ہے اس کے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ (حَمَّ السَّجْدَةِ: 35)

اس آیت کی بہت عارفانہ تفسیر کرتے ہوئے ”تقویٰ“ کی اہمیت کو بیان فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نصرت میں ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ تقویٰ کہتے ہیں بدی سے پرہیز کرنے کو۔ اور محسنون وہ ہوتے ہیں جو اتنا ہی نہیں کہ بدی سے پرہیز کریں بلکہ نیکی بھی کریں۔ اور پھر یہ بھی فرمایا لِلَّذِينَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی (یونس: 27)۔ یعنی ان نیکیوں کو بھی سنوار سنوار کرتے ہیں۔ مجھے یہ وحی بار بار ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ اور اتنی بار ہوئی کہ میں گن نہیں سکتا۔ خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو اس سے غرض یہی ہے کہ تا جماعت کو معلوم ہو جاوے کہ صرف اس بات پر ہی فریفتہ نہیں ہو جانا چاہئے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں یا صرف خشک خیالی ایمان سے راضی ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اسی وقت ملے گی جب سچی تقویٰ ہو اور پھر نیکی ساتھ ہو۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہی وہ فرمودات قرآن ہیں جن کی تفسیر و تعبیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جامع اور فیصلہ کن فرمان جاری کیا ہے۔

”خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوَى“

یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں جو چیز مقبول ہوگی وہ تقویٰ ہی ہے۔

اسی زادِ راہ کا ذکر حضرت اقدس کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں:

اے دوستو پیارو! عقبے کو مت بسارو

کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گزارو

دنیا ہے جائے فانی دل سے اسے اُتارو

یہ روزِ کرمبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي

اب ہم اردو زبان میں حضرت اقدس کا تقویٰ کے مضمون میں عالی شان کلام جو اردو ادب میں شاہکار نمونہ

ہیں اور بے انتہا مؤثر اور دل گرمانے والے اشعار ہیں، پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

ہمیں اُس یار سے تقویٰ عطا ہے
 نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے
 کرو کوشش اگر صدق و صفا ہے
 کہ یہ حاصل ہو جو شرطِ لقا ہے
 یہی آئینہ خالقِ نما ہے
 یہی اک جوہرِ سیفِ دُعا ہے
 ہر اک نیکی کی جڑ یہ اثقا ہے
 اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
 یہی اک فخرِ شانِ اولیاء ہے
 بجز تقویٰ زیادتِ ان میں کیا ہے
 ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے
 اگر سوچو، یہی دارِ الجزاء ہے
 مجھے تقویٰ سے اُس نے یہ جزادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعَادِي
 عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ
 مُبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ
 سو! ہے حاصلِ اسلامِ تقویٰ
 خُدا کا عشقِ نئے اور جامِ تقویٰ
 مُسلمانو! بناؤ تامِ تقویٰ
 کہاں ایماں اگر ہے خامِ تقویٰ
 یہ دولتِ تُو نے مجھ کو اے خُدا دی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعَادِي

قرآن کریم کے فرمودات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سننے کے بعد حضرت کا یہ فرمانا۔
ہمیں اُس یار سے تقویٰ عطا ہے

نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے
کس قدر صاحبِ عظمت ہونے پر بھی عاجز نہ ہے اور اس میں یہ عرفان بھی دیا ہے کہ حقیقی تقویٰ
احسانِ باری تعالیٰ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

یہی وہ احسانِ باری تعالیٰ ہے جس کی برکت سے آپ کی یہ کیفیت ہے۔
ہوئے ہم تیرے اے قادر توانا

ترے در کے ہوئے اور تجھ کو جانا
ہمیں بس ہے تیری درگہ پہ آنا
مصیبت سے ہمیں ہر دم بچانا

کہ تیرا نام ہے غفّار و ہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعْدَى

اس کیفیتِ قلب کو تقویٰ کی روح کہتے ہیں۔

اب یہ بھی سن لیں کہ آپ حضرت نے تقویٰ کا کیا منصب بیان کیا ہے اور اس کی کیا تعریف کی ہے۔ یہ بھی
کہ اس مقام کو حاصل کرنے کی کیا شرائط ہیں۔
فرماتے ہیں:

زندہ وہی ہیں جو کہ خُدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اُس کے عزیز و حبیب ہیں
وہ دُور ہیں خُدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہر دم اَسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں
تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اُس یار کے لیے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو
 ورنہ خیالِ حضرت عتّٰت کو چھوڑ دو
 تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
 تا تم پہ ہو ملائکہ عرش کا نزول
 اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا
 ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا
 جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
 اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز مہمات
 شوخی و کبر دیو لعین کا شعار ہے
 آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے
 اے کرمِ خاک! چھوڑ دے کبر و غرور کو
 زیبا ہے کبر حضرتِ ربّ غیور کو
 بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
 شاید اسی سے دُخل ہو دارالوصال میں
 چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
 ہو جاؤ خاک مرضی مولے اسی میں ہے
 تقویٰ کی بجز خدا کے لیے خاکساری ہے
 عفت جو شرطِ دین ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے
 جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
 تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دُور جاتے ہیں
 تقویٰ کے مضمون میں تمام مقدسوں اور پاکبازوں کی تعظیم کرنا بھی ایک شرط ہے۔
 فرماتے ہیں:

ہم بد نہیں ہیں کہتے ان کے مقدسوں کو
 تعلیم میں ہماری حکمِ خدا یہی ہے

ہم کو نہیں سکھاتا وہ پاک بدزبانی
تقویٰ کی جڑھ یہی ہے صدق و صفا یہی ہے
عاشقانِ الہی کے لئے راہ سلوک کو روشن کرنے والا ایسا کلام کہاں ملے گا۔ آسان فہم اور سہل ممتنع بے انتہاء
مؤثر اور دل ہلانے والا کلام ہے۔ یہی وہ نور ہے جس کے بیان میں آپ فرماتے ہیں۔
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
اور آخر پر فرماتے ہیں کہ تقویٰ خدا تعالیٰ کے عشق سے حاصل ہوتا ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر
”کون ہے جسکے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق
کون کرتا ہے وفا بن اُسکے جس کا دلفگار
رنگِ تقویٰ سے کوئی رنگت نہیں ہے خوب تر
ہے یہی ایماں کا زیور ہے یہی دیں کا سنگار
سو چڑھے سورج نہیں بن رُوئے دلبر روشنی
یہ جہاں بے وصل دلبر ہے شبِ تاریک و تار
اے مرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اک بینظیر
جو ترے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار
اس جہاں کو چھوڑنا ہے تیرے دیوانوں کا کام
نقد پالیتے ہیں وہ اور دوسرے اُمیدوار
کون ہے جسکے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق
کون کرتا ہے وفا بن اُسکے جس کا دلفگار
غیر ہو کر غیر پر مرنا کسی کو کیا غرض
کون دیوانہ بنے اس راہ میں لیل و نہار
کون چھوڑے خوابِ شیریں کون چھوڑے اکل و شرب
کون لے خارِ مغیلاں چھوڑ کر پھولوں کے بار
عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پر خطر
عشق ہے جو سر ٹھکا دے زیرِ تیغِ آبدار

عربی زبان میں حضرت اقدس کے تقویٰ کے مقام علوی اور اس کے حصول کے لیے مجاہدہ اور ریاضت کے بیان کو سن لیں۔ محبتِ الہی کے مضمون میں جس کو آپ حضرت نے تقویٰ کا جزو اعظم کہا ہے ایسا بیان کہاں دستیاب ہوگا۔ کون محبوبِ حقیقی کی جناب سے ایسی محبت لے کر آئے گا اور ہم انسانوں کو اس کی کیفیات سے روشناس کرے گا یہ بھی مشاہدہ کریں کہ آخری شعر میں اپنے آقا اور اول مقام کے محبوبِ الہی کے فرمان کو بھی کتنے پیار سے پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

نَزَلْنَا مَنْزِلَ الْأَضْيَافِ مِنْكُمْ فَنَرَجُو أَنْ تَقُولُوا لِي نَزَالِ
ہم تمہارے پاس مہمانوں کی طرح اتے ہیں پس ہم امید رکھتے ہیں کہ تم لوگ مجھے کہو ”آئیے تشریف لائیے“
وَلِي فِي حَضْرَةِ الْمَوْلَى مَقَامٌ وَ شَأْنٌ قَدْ تَبَاعَدَ مِنْ خِيَالِ
اور میرا، مولیٰ کریم کی جناب میں، ایک بلند مقام ہے اور ایسی شان ہے کہ خیال سے بلند تر ہے
وَصَافَانِي وَ أَفَانِي حَبِيبِي وَ أَرْوَانِي بِكَأْسَاتِ الْوَصَالِ
میرے حبیب نے مجھ سے محبت کی اور وہ مجھے ملا اور مجھے وصال کے پیالوں سے سیراب کیا
أَرَانِي الْحُبُّ مَوْتِي بَعْدَ مَوْتِي وَ أَنَا يُ تَرْبَتِي قَبْدًا زُلَالِي
(خدا کی) محبت نے مجھے موت کے بعد موت دکھائی اور میری گرد کو (مجھ سے) دور کر دیا ہے تو
میرا آپ زلال ظاہر ہو گیا

وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا بَعْدَ وَجْدِ وَ أَقْبَالِي أَتَى بَعْدَ الزَّوَالِ
ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے، غم کے بعد ہی پایا ہے اور میرا اقبال (میرے) مٹنے کے بعد آیا ہے
إِذَا أَنْكَرْتُ مِنْ نَفْسِي بِصِدْقِ فَوَأْفَانِي حَبِيبِي رَوْحُ بَالِي
جس وقت صدق کے ساتھ میں نے نفس کی (اطاعت) سے انکار کر دیا تو میرا حبیب، جو میرے
دل کا آرام ہے، میرے پاس آ گیا

أَطَعْتُ النُّورَ حَتَّى صِرْتُ نُورًا وَلَا يَدْرِي حَصِيمٌ سِرَّ حَالِي
میں نے نور کی اطاعت کی یہاں تک کہ خود نور ہو گیا اور جھگڑنے والا دشمن میرے حال کے بھید سے واقف نہیں
طَلَعْتُ الْيَوْمَ مِنْ رَبِّ رَحِيمِ وَ جَلَّتْ سَمْسُ بَعْثِي فِي الْكَمَالِ
میں نے آج رب رحیم کی جانب سے طلوع کیا ہے اور میری بعثت کا آفتاب کامل ہو کر روشن ہوا ہے

فَلَا تَقْنُطْ مِنَ اللَّهِ الرَّءُوفِ وَقُمْ وَبِتَوْبَةٍ نَحْوَى تَعَالٍ
پس خدائے مہربان کی طرف سے ناامید مت ہو۔ اٹھ اور توبہ کے ساتھ میری طرف آ
فَرَيْنَا مِنْ كَمَالِ النُّصْحِ فَأَقْبَلُ قِرَانًا بِالتَّهْلِيلِ كَالرِّجَالِ
ہم نے کمال خیر خواہی سے تمہاری ضیافت کی ہے پس تو ہماری مہمانی کو مردوں کی طرح خندہ
پیشانی کے ساتھ قبول کر

وَخَيْرُ الزَّادِ تَقْوَى الْقَلْبِ لِلَّهِ فَخُذْ إِيَّاهُ قَبْلَ الْإِرْتِحَالِ
اور بہترین توشہ دل کا خدا سے ڈرنا ہے پس (دنیا سے) کوچ کرنے سے پہلے اسے لے لے
وَفَكَّرْ فِي كَلَامِي ثُمَّ فَكَّرْ وَلَا تَسْلُكْ كَمَرَةً لَا يُبَالِي
اور میرے کلام میں غور کر اور ایسے آدمی کا طریق اختیار نہ کر جو لاپرواہی کرتا ہے
دوسرے مقام میں آپ اپنی جناب کو وارث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر پیش کر کے فرماتے ہیں کہ
انسان کا حسب نسب اُس کے تقویٰ کے معیار پر ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں:

وَأَنَا وَرَثَتْنَا مِثْلَ وُلْدٍ مَتَاعَهُ فَأَيُّ ثُبُوتٍ بَعْدَ ذَلِكَ يُحْضَرُ
اور ہم نے اولاد کی طرح اس کی وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے، جو پیش کیا جائے؟
لَهُ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ وَإِنَّ لِي
اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا
توانا کرے گا؟

وَكَانَ كَلَامٌ مُعْجَزٌ آيَةٌ لَهُ كَذَلِكَ لِي قَوْلِي عَلَى الْكَلِّ يَبْهَرُ
اس کے معجزات میں سے معجزانہ کلام بھی تھا۔ اسی طرح مجھے وہ کلام دیا گیا جو سب پر غالب ہے
إِذَا الْقَوْمُ قَالُوا يَدْعِي الْوَحْيَ عَامِدًا عَجِبْتُ فَأَنَّى ظِلُّ بَدْرِ يُنَوِّرُ
جب قوم نے کہا کہ یہ تو عمداً وحی کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں نے تعجب کیا کہ میں تو رسول اللہ کا ظل ہوں
وَأَنَّى لِظَلِّ أَنْ يُخَالِفَ أَصْلَهُ فَمَا فِيهِ فِي وَجْهِ يَلُوحُ وَيُزْهَرُ
اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہو سکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے وہ مجھ میں چمک رہی ہے
وَأَنَّى لَدُونِ سَبِّ كَا صِلِ أَطِيعُهُ وَمِنْ طِينِهِ الْمَعْصُومِ طِينِي مُعْطَرُ
اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ذونسب ہوں۔ اور اس کی پاک مٹی کا مجھ میں خمیر ہے

كَفَى الْعَبْدَ تَقْوَى الْقَلْبِ عِنْدَ حَسِينَا وَكَفَى لِنَسَبِ ذُو صَلاَحٍ مُعَيَّرُ

اور بندہ کو دل کا تقویٰ کافی ہے اور ایک صالح کو۔ اس لئے سرزنش نہیں کر سکتے کہ اس کی نسب اعلیٰ نہیں
اور خدا تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ آپ کا فخر ہدایت اور تقویٰ
کی وجہ سے ہے اور دنیا میں کوئی مال مصنیٰ قلب سے بہتر نہیں۔
فرماتے ہیں:

أَحَاطَتْ بِنَا الْأَنْوَارُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَمِنْ أَفْقِنَا شَمْسُ الْمَحَاسِنِ تُشْرِقُ

ہر ایک طرف سے ہمیں نور محیط ہو گئے ہیں اور ہمارے افق سے آفتاب محاسن طلوع کرتا ہے
وَيَنْمُو مِنَ الرَّحْمَنِ حَقٌّ مُّطَهَّرٌ وَمَا كَانَ مِنْ غَوْلٍ فَيُفْنِي وَيُمَحِّقُ

اور خدا کی بات نشوونما پاتی ہے اور جو شیطان کی طرف سے ہو وہ فنا ہو جاتا ہے اور نقصان پذیر ہو جاتا ہے
وَوَاللّٰهُ اِنْسِيْ مُؤْمِنٌ وَمَجْبُهٌ اَ اَنْتَ عَلَيْنَا بَابَ ذِي الْمَجْدِ تُغْلِقُ

اور بخدا! میں مومن اور محبت خدا ہوں کیا تو ہم پر خدا تعالیٰ کا دروازہ بند کرتا ہے
وَتَذَكِّرُنِيْ كَالْمُفْسِدِيْنَ مُحَقَّرًا تَقُولُ فَقِيْرٌ مُّفْلِسٌ بَلْ كَمُدْحِقِ

اور مجھے تحقیر سے تُوید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک محتاج مفلس بلکہ ایسے آدمی کی طرح ہے جو بالکل بے نصیب ہو
اَتَفْخُرُ يَا مُسْكِيْنَ! مِنْ قَلَّةِ النَّهْيِ بِمَالٍ وَّأَوْلَادٍ وَّجَاهٍ وَّ نُسْتَقِ

اے مسکین! کیا کم عقلی کی وجہ سے مال اور اولاد اور مرتبہ اور نوکر چاکروں سے فخر کرتا ہے
وَمَا الْفَخْرُ اِلَّا بِالثَّقَاةِ وَبِالْهُدٰى وَلَا مَالٌ فِى الدُّنْيَا كَهَلْبِ يَتَّقِيْ

اور فخر محض پرہیزگاری کے ساتھ ہے اور دنیا میں کوئی مال پرہیزگار دل کی طرح نہیں
اور آخر پر ایک عظیم الشان ثناء باری تعالیٰ میں فرماتے ہیں کہ اللہ ہی متقیوں کی پناہ ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں:

لَكَ الْحَمْدُ يَا تَرْسِيْ وَحَرْزِيْ وَجَوْسَقِيْ بِحَمْدِكَ يُرَوٰى كُلُّ مَنْ كَانَ يَسْتَقِيْ

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہو سیراب ہو جاتا ہے
بِذِكْرِكَ يَجْرِيْ كُلُّ قَلْبٍ قَدْ اَعْتَقِيْ بِحَبِيْبِكَ يَحْيٰى كُلُّ مَيِّتٍ مُّمَرَّقِ

تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرایا ہو جا رہا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مردہ زندہ ہو جاتا ہے
وَبِاسْمِكَ يُحْفَظُ كُلُّ نَفْسٍ مِنَ الرَّدَا وَفَضْلِكَ يُنْجٰى كُلُّ مَنْ كَانَ يُزْبِقِ

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے

وَمَا الْخَيْرُ إِلَّا فِيكَ يَا خَالِقَ الْوَرَى وَمَا الْكَهْفُ إِلَّا أَنْتَ يَا مُتَكَاةَ النَّقَى

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے۔ اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیزگاروں کی پناہ ہے
آپ حضرت کے فارسی اشعار میں اسلوب بیان کے اعتبار سے تقویٰ کے مضامین عشقِ الہی اور صدق کے
موضوعات کے تحت پیش کیا گیا ہے ان دونوں موضوعات کو ہم ”محبتِ الہی“ اور ”صدق“ کے عنوانات کے تحت
بیان کر چکے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔



عاجزی اور خاکساری

اس کتاب میں ہم نے ایک مضمون ”حضرت کا ادب ایک منفرد مکتب ادب ہے“ کے عنوان سے باندھا ہے جس میں ہم نے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر ادب کا ایک دوسرے سے ممتاز سطح نظر اور جداگانہ ترجیحات ادبی ہوتی ہیں اس لئے اُس کے حسن و خوبی کو پسند کرنے اور دل میں جگہ دینے کے لئے لازم ہے کہ سامع اور مخاطب کی بھی وہی ترجیحات زندگی ہوں اور وہی دلی تمنائیں ہوں جو ادیب کی ہیں۔ اس حقیقت کی وضاحت میں غالب کا ایک شعر پیش کیا تھا جو ادبی تجزیہ اور اعتقاد میں تاثیر کے اعتبار سے ایک عظیم الشان اور زندہ جاوید بیان ہے۔ کہتا ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی شعر میں لذت اور تاثیر اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ شعر کا مضمون سننے والے کے قلبی رجحانات اور ذہنی ترجیحات کے مطابق ہو۔

ادبی اعتبار سے یہی اصل الاصول ہے جس کی بنا پر ذہنی رجحانات رکھنے والے زمینی ادب کے شیدائی ہوتے ہیں اور آسمانی یعنی روحانی رجحانات رکھنے والے خدا تعالیٰ اور انبیاء اصفیاء کے کلام پر فدا ہوتے ہیں۔

ادب عالیہ کی یہ باہم دگر ممتاز نوعیت ایک طرف سامع کی ترجیحات زندگی کی نقاب کشائی کر رہی ہوتی ہے وہاں پر دوسرے اعتبار سے اُس کے جذبات کی تربیت اور رجحانات کو صیقل بھی کر رہی ہوتی ہے۔

اول عمل تو زمینی ادب کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ مگر دوسرا عمل جس میں سامع کے روحانی جذبات کی تربیت اور قلبی رجحانات کو صیقل کرنا شامل ہے۔ خالصہً روحانی ادب کا تخلیقی منشا اور مدد عا ہوتا ہے۔

جب ہم اس زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم اور دیگر صحیف سماوی اور انبیاء کا کلام روحانی جذبات اور اخلاق کو زندہ کرنے اور ان کی تعدیل ہی کی غرض سے تخلیق ہوا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ ان کا منشاء ایک روحانی اور اخلاقی شخصیت اور کردار پیدا کرنا ہے تو یقیناً بجا ہوگا۔

قرآن کریم کے ادب عالیہ سے جو سب سے اعلیٰ و ارفع صاحب اخلاق حسنہ شخصیت پیدا کی ہے (جس پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں) وہ ہمارے آقا اور مطاع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمادیا۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ: 128)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

جذب اور عقدِ ہمت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہے اور ظلّ اللہ بنتا ہے پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لیے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لیے آپ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِيزٌ عَلٰیہِ مَا عَنِتُّمْ یعنی یہ رسول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا وہ اس پر سخت گراں ہے اور اسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ وہ صفات اور انداز ہیں جن کی بنا پر آپ میں خاکساری۔ عاجزی اور مقابل پر غنودرگزر کی صفات پیدا ہوئیں۔ یہی وہ غربتی میں فخر کا انداز ہے کہ آپ نے ایک شخص کو (جو آپ کے رعب اور تمکنت سے بہت مرعوب ہو کر کانپنے لگا تھا) فرمایا کہ ایسے خائف نہ ہو جاؤ ”میں تو ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کا ٹکڑا چبا کر اپنی بھوک مٹاتی تھی“۔ یہی وہ ہمدردی اور رحم ہے جس پر آپ نے ایک مزدور کا کٹنا پھٹا ہاتھ چوم لیا اور غربتی اور بے آرام زندگی کو اختیار کیا اور دعا کی کہ اللہ آپ کو غریبوں اور مسکینوں میں رکھے اور انہی میں سے اٹھائے اور یہی وہ کردار علوی تھا جس کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ مجھے القاب ندو میر القب ”عبد“ ہے اور اس طرح سے اس سفلی دنیا کے تفاخر اور تمنا سے بے تعلق ہو گئے۔ اللھم صلّ علی سیدنا محمد و علی ال محمد و بارک و سلّم انک حمید مجید۔

اس مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بھی ہوا کہ غنوکو اختیار کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل میں اعلیٰ اخلاق دکھائے۔

فرمایا:

حَذِّ الْعَفْوِ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف: 200)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

خدا کے مقربوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔ بہت بُری طرح ستایا گیا۔ مگر ان کو أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ کا ہی فرمان ہوا۔ خود اُس انسانِ کامل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بُری تکلیفیں دی گئیں اور گالیاں۔ بدزبانی اور شوخیاں کی گئیں مگر اس خلقِ مجسم نے اس کے مقابلہ میں کیا کیا۔ اُن کے لیے دعا کی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کرے گا تو تیری عزت اور جان کو، ہم صحیح سلامت رکھیں گے اور یہ بازاری آدمی اس پر

حملہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضور کے مخالف آپ کی عزت پر حُرف نہ لاسکے اور خود ہی ذلیل و خوار ہو کر آپ کے قدموں پر گرے یا سامنے تباہ ہوئے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہمارے مضمون پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے اعتبار سے قرآن کریم کا ذیل کا فرمان اور اس کی تفسیر حضرت اقدس بہت موزوں ہے۔

فرمایا:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ
الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الحشر: 22)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ایک تو اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اترتا تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص محبتِ الہی اور رضائے الہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اول تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اُونچا کیا ہوا ہوتا ہے، گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر مُتَصَدِّعًا ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جدا ہو جاتی ہے ایسا ہی اسکے تمام پہلے تعلقات جو موجبِ گندگی اور الہی نارضا مندی تھے وہ سب ٹوٹ جائیں اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کی رہ جائیں۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور یہ فرمان بھی تو ہے۔

وَعِبَادَ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ
قَالُوا سَلَامًا

(الفرقان: 64)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَ عِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا..... الخ هَوْنٌ یعنی کسی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلحکاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ خدا کے نیک بندے صلحکاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت) اور فرمایا:

وَ إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان: 73)
حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے جیسے مقدمات میں ہوتا ہے۔ اس لئے آرام اسی میں ہے کہ تم ایسے لوگوں کا مقابلہ ہی نہ کرو۔ سبب باب کا طریق رکھو اور کسی سے جھگڑا مت کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گزر جاؤ گویا سنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے وَ إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔ اگر یہ باتیں اختیار کر لو گے تو یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بن جاؤ گے۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہی وہ اخلاق و اطوار علوی ہیں جن کی نشاندہی میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو عظیم الشان الفاظ میں یاد کیا۔

فرمایا: إِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ (القلم: 5)

حضرت اقدس اس فرمان خداوندی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ جلّ شانہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ

یعنی تو ایک بزرگ خَلْق پر قائم ہے سو اس تشریح کے مطابق اس کے معنی ہیں یعنی یہ کہ تمام قسمیں اخلاق کی سخاوت، شجاعت، عدل، رحم، احسان، صدق، حوصلہ وغیرہ تجھ میں جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ادب، حیا، دیانت، مرّت، غیرت، استقامت، عفت، ذہانت، اعتدال، مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت، سخاوت، عفو، صبر، احسان، صدق، وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبیر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا۔

معاشرتی اخلاق کے مضمون میں قرآن کریم کی بے شمار ہدایات ہیں۔ ہم نے ان میں سے چند ایک کا انتخاب

کیا ہے۔ اس احتیاط کے ساتھ کہ تفسیر و تعبیر حضرت اقدس کی ہو۔

اب ہم اخلاقی موضوعات پر چند ایک فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے ہیں۔

خاکساری اور درگزر کے عنوان میں فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَاتُوا صَاعَ أَحَدٍ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ .
(مسلم کتاب البر و الصلة باب استحباب العفو و التواضع)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ جتنا کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی زیادہ اسے عزت میں بڑھاتا ہے۔ جتنی زیادہ کوئی تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اسے بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

عاجزی کے عنوان میں فرمایا:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْأَخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ- أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ تَحْرُمُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ لَيْنٍ سَهْلٍ .
(ترمذی کتاب صفة القيامة)

حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ آگ کس پر حرام ہے؟ وہ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے۔ یعنی نفرت نہیں کرتا، ان سے نرم سلوک کرتا ہے۔ ان کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے اور سہولت پسند ہے۔

تکبر کے بارے میں فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَ نَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَ غَمُطُ النَّاسِ .

(مسلم کتاب الایمان باب تحريم الكبر و بيانه)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں نہیں داخل ہونے دے گا۔ ایک شخص

نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتی اچھی ہو، وہ خوبصورت لگے۔ آپ نے فرمایا یہ تکبر نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر دراصل یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے لوگوں کو ذلیل سمجھے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور ان سے بری طرح سے پیش آئے۔

اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ قَالَ: نَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَوْ اتَّخَذْنَا لَكَ وَطَاءً فَقَالَ: مَالِي وَلِلدُّنْيَا؟ مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَائِبٍ اسْتَطَلَّتْ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا.

(ترمذی کتاب الزهد)

حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو رہے تھے۔ جب اٹھے تو چٹائی کے نشان پہلو مبارک پر نظر آئے۔ ہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے لئے نرم سا گدیلہ بنا دیں تو کیا اچھا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے دنیا اور اس کے آراموں سے کیا تعلق؟ میں اس دنیا میں اس شہتر سوار کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے سستانے کے لئے اترتا اور پھر شام کے وقت اس کو چھوڑ کر آگے چل کھڑا ہوا۔

اور عیب جوئی کے بارے میں فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُبْصِرُ أَحَدُكُمْ الْقَدَاةَ فِي عَيْنِ أَخِيهِ وَيَنْسَى الْجِدْعَ فِي عَيْنِهِ.

(التروغيب والتروهي، باب التروهي من ان يامر بمعروف وينهى عن المنكر و

ينسى نفسه، صفحه 15 / 4 بحوالہ ابن حبان فی صحيح)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو انسان کو نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں پڑا ہوا شہتیر وہ بھول جاتا ہے۔

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے

مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

(کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

معاشرتی اعتبار سے یہ وہ اخلاق و اطوار ہیں جن کو اپنانے کی تلقین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور یہی وہ اخلاق اور طرز زندگی ہے جس کو حضرت اقدس نے اپنے کلام میں بار بار بیان کیا ہے کہ ان کو اختیار کئے بغیر قرب الہی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہم نے ان موضوعات کو ترتیب دینے کی غرض سے درج ذیل عنوانات بنائے ہیں۔

عاجزی اور خاکساری

تکبر اور خود پسندی

ترک آسائش و آرام

دنیا سے بے رغبتی

عیب جوئی و بدگمانی

اب ہم ان موضوعات پر حضرت اقدس کا کلام پیش کرتے ہیں۔

اردو زبان میں ایک نہایت خوبصورت بیان سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

تکبر سے نہیں ملتا وہِ وِلدار

ملے جو خاک سے اُسکو ملے یار

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے

کرے پاک آپکو تب اُسکو پاوے

پسند آتی ہے اُس کو خاکساری

تذلل ہے رہِ درگاہِ باری

عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ

کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے

مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

اور فارسی میں حضرت کی خاکساری کو دیکھیں۔

خاکساریم و سخن از رہ غربت گوئیم یَعْلَمُ اللَّهُ كَيْسَ نَيْسَتِ غِبَارِے مارا
ہم تو خاکسار ہیں اور فروتنی سے بات کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ ہمیں کسی سے عداوت نہیں
مانہ بیہودہ پئے ایں سروکارے برویم جلوۂ حسن کشد جانبِ یارے مارا
ہم فضول اس مقصد کے پیچھے نہیں پڑے ہوئے بلکہ تجلی حسن ہمیں محبوب کی طرف کھینچنے لیے جارہی ہے۔
اور عربی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عاجزی اور خاکساری کو پسند فرماتا ہے۔

وَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْ رِّیَاحِیْنِ غَیْرِہِ وَعَذَابٌ شَوْکٍ مِّنْہُ عَذَابٌ وَ طَیْبٌ
میں اس کے غیر کی (طرف سے آنے والی) خوشبوؤں سے بھی بیزار ہوں اور اسکی طرف سے
کانٹے کی تکلیف بھی (میرے نزدیک) شیریں اور عمدہ ہے

یُحِبُّ التَّذَلُّلَ وَ التَّوَاضِعَ رَبُّنَا وَ مَن یُّزُلْنِ عَنْ فُرْسِ کِبْرِ یُرْکَبُ
ہمارا رب تو عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہے۔ جو تکبر کے گھوڑے سے نیچے اتر آئے وہی شاہ سوار بن جاتا ہے
وَلِلصَّابِرِیْنَ یُوسِعُ اللّٰهُ رَحْمَہُ وَ یَفْتَحُ اَبْوَابَ الْجَدَا وَ یَقْرَبُ
اور صبر کرنے والوں کے لئے خدا اپنے رحم کو وسیع کرتا ہے اور عطا کے دروازے کھول دیتا ہے اور قرب بخشتا ہے
تَعَرَّفْتُهُ حَتّٰی اتَّسِنٰی مَعَارِفَ وَ اِنَّ الْفَتٰی فِیْ سُوْاِلِہِ لَا یَلْغُبُ
(مجاہدہ سے) میں نے پے در پے رب کو طلب کیا یہاں تک کہ میرے پاس معارف آگئے اور
یقیناً باہمت انسان سوال کرنے میں نہیں تھکتا
اردو میں بہت ہی پیارا کلام بھی سن لیں۔

فرماتے ہیں:

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے! یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وہ یار کو مَرَمَر کے پاتے ہیں
جب مَر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے

دلبر کی مرنے والوں پہ ہر دم نگاہ ہے

ہمارے پیارے مسیح کی عاجزی اور انکساری کا عالم مشاہدہ کریں کہ باوجود منصب رسالت اور مجددیت پر

فائز ہونے کے قدر عاجزی سے فرماتے ہیں:

کام جو کرتے ہیں تیری راہ میں پاتے ہیں جزا
 مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار
 تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
 کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار
 کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
 ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
 یہ سراسر فضل و احسان ہے کہ میں آیا پسند
 ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار
 فارسی میں فرماتے ہیں کہ عجز و نیاز وصالِ باری تعالیٰ کی شرط ہے۔

فرماتے ہیں:

از خدا باشد خدا را یافتن نے بہ مکر و حیلہ و تدبیر و فن
 خدا کی مدد سے ہی خدا کو پاسکتے ہیں نہ کہ چالاک کی ، حیلہ اور مکر و فریب کے ساتھ
 تانیائی پیش حق چوں طفلِ خورد ہست جامِ تو سراسر پُر زِ دُرد
 جب تک تو چھوٹے بچے کی طرح خدا کے سامنے نہ آئیگا۔ تب تک تیرا جام صرف تلچھٹ سے ہی بھرا ہیگا
 شرطِ فیضِ حق بود عجز و نیاز کس ندیدہ آب بر جائے فراز
 خدا کے فیضان کے لیے عجز و نیاز شرط ہے۔ کسی نے پانی کو اونچی جگہ ٹھہرتے نہیں دیکھا
 حق نیازے جوید آنجا ناز نیست از پر خود تا درش پرواز نیست
 خدا کو عاجزی پسند ہے وہاں فخر کام نہیں آتا۔ اپنے پروں سے اُس تک اُڑ کر نہیں پہنچ سکتے
 عاجزاں را پرورد ذاتِ اجل سرکشاں محروم و مردود ازل
 وہ بزرگ ذاتِ عاجزوں کی پرورش کرتی ہے۔ اور سرکش ہمیشہ محروم و مردود رہتے ہیں
 چوں نیائی زیرِ تابِ آفتاب کے فتد بر تو شعاعے در حجاب
 جب تک تو سورج کی روشنی کے سامنے نہیں آتا۔ تو پردہ کے پیچھے تجھ پر اُس کی روشنی کیونکر پڑ سکتی ہے
 اس مضمون میں ایک مفصل اور عارفانہ کلام کا دوبارہ مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لیے فنا
 ترکِ رضائے خویش پئے مرضی خدا
 جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
 اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممت
 شوخی و کبر دیو لعین کا شعار ہے
 آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے
 اے کرمِ خاک! چھوڑ دے کبر و غرور کو
 زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو
 بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
 شاید اسی سے دُخل ہو دارِ الوصال میں
 چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
 ہو جاؤ خاکِ مرضی مولے اسی میں ہے
 تقویٰ کی جڑ خدا کے لیے خاکساری ہے
 عفت جو شرطِ دین ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے
 جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
 تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دور جاتے ہیں
 بے احتیاط اُن کی زباں وار کرتی ہے
 اک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے
 اک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
 پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

اور بہت درد سے فرمایا:

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
 اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو
 ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو
 تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
 تا تم پر ہو ملائکہ عرش کا نزول
 اور اپنی جماعت کے لیے ایک دردمندانہ نصیحت کو بھی سُن لیں۔
 فرماتے ہیں:

اے مرے پیارو! شکیب و صبر کی عادت کرو
 وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مُشکِ بخار
 نفس کو مارو کہ اُس جیسا کوئی دشمن نہیں
 چپکے چپکے کرتا ہے پیدا وہ سامانِ دمار
 جس نے نفسِ دُوں کو ہمت کر کے زیرِ پا کیا
 چیز کیا ہیں اُس کے آگے رستم و اسفندیار
 گالیاں سُن کر دُعا دو پا کے دُکھ آرام دو
 کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ اِکسار
 تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہر گھڑی
 چھوڑ دو اُن کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اِستہار
 چپ رہو تم دیکھ کر اُن کے رسالوں میں رستم
 دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کر دیں حال زار
 دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
 شدتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

اور آخر پر ہمارے آقا اور مطاع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور انکساری کا بھی مشاہدہ کریں۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں فرماتے ہیں:

عاشقِ صدق و سداد و راستی دشمنِ کذب و فساد و ہر شرے
 وہ صدق - سچائی اور راستی کا عاشق ہے۔ مگر کذب - فساد اور شرّ کا دشمن ہے

خواجہ و مرعاجزاں را بندہ بادشاہ و بیگساں را چاکرے
 وہ اگرچہ آقا ہے مگر کمزوروں کا غلام ہے۔ وہ بادشاہ ہے۔ مگر بیگسوں کا چاکر ہے
 آں ترہما کہ خلق از وے بدید کس ندیدہ در جہاں از مادرے
 وہ مہربانیاں جو مخلوق نے اُس سے دیکھیں وہ کسی نے اپنی ماں میں بھی نہیں پائیں
 از شراب شوق جاناں بیخودے ورسرش بر خاک بنہادہ سرے
 وہ محبوب کے عشق کی شراب میں بیخود ہے اُس کی محبت میں اُس نے اپنا سرخاک پر رکھا ہوا ہے
 روشنی از وے بہر قومے رسید نُورِ او زشید بر ہر کشورے
 اُس سے ہر قوم کو روشنی پہنچی۔ اُس کا نور ہر ملک پر چکا
 آیتِ رحمان برائے ہر بصیر حجتِ حق بہر ہر دیدہ ورے
 وہ ہر صاحب بصیرت کے لئے آیت اللہ اور ہر اہل نظر کے لیے حجتِ حق ہے
 ناتواناں را برحمتِ دستگیر خستہ جاناں را بہ شفقتِ منحورے
 کمزوروں کا رحمت کے ساتھ ہاتھ پکڑنے والا اور ناامیدوں کا شفقت کے ساتھ غم خوار
 حُسنِ رُودیش بہ ز ماہ و آفتاب خاکِ گولیش بہ ز مُشک و عنبرے
 اُس کے چہرہ کا حسنِ شمس و قمر سے زیادہ ہے اور اُس کے کوچہ کی خاکِ مشک و عنبر سے بہتر ہے

تکبر اور خود پسندی

اردو میں ایک خوبصورت نظم خود پسندی اور تکبر کے مضمون میں مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
 کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
 وہی اُس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
 نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
 یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
 اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

اگرچہ یہ اشعار عاجزی اور خاکساری کے عنوان کے تحت آچکے ہیں مگر ان کا تکبر کے مضمون سے بھی قوی تعلق ہے۔

تکبر سے نہیں ملتا وہ وِ دِلدار
 ملے جو خاک سے اُسکو ملے یار
 کوئی اس پاک سے جو دل لگا دے
 کرے پاک آپکو تب اُسکو پاوے
 پسند آتی ہے اُس کو خاکساری
 تذلل ہے رہ درگاہِ باری
 عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ
 کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ
 بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
 مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

فارسی میں فرماتے ہیں:

من آں شاخِ خودی و خودروی از بیخِ برکندم کہ مے آرد ز ناپاکی بر نفرین و لعنت را
 میں نے خودی اور خودرائی کی اُس شاخ کو جڑ سے کاٹ ڈالا جو اپنی ناپاکی سے نفرین اور لعنت کا پھل پیدا کرتی ہے
 اگر از روضہٴ جان و دلِ من پردہ بردارند بہ بینی اندراں آں دلبرِ پاکیزہ طلعت را
 اگر میرے جان و دل کے چمن سے پردہ اٹھایا جائے تو تو اُس میں اُس پاکیزہ طلعت معشوق کا چہرہ دیکھ لے گا۔
 فروغِ نورِ عشقِ اُو ز بامِ و قصرِ ما روشن مگر بیند کسے آں را کہ میدارد بصیرت را
 اُس کے نورِ عشق کی بجلی سے ہمارے بام و قصر روشن ہیں لیکن اُسے وہی دیکھتا ہے جو بصیرت رکھتا ہو
 نگاہِ رحمتِ جاناں عنایتہا بمن کردست و گرنہ چوں منے کے یابداں رشد و سعادت را
 محبوب کی نگاہ و رحمت نے مجھ پر بڑی عنایتیں کی ہیں ورنہ مجھ جیسا انسان کس طرح اس رشد و ہدایت کو پاتا
 نظرِ بازانِ علمِ ظاہر اندر علمِ خود نازند! ز دستِ خود گلندہ معنی و مغز و حقیقت را
 ظاہری علوم کے واقف اپنے علم پر نازاں ہیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے اصلیت اور حقیقت اور مغز کو پرے پھینک دیا

ہمہ فہم و نظر در پردہ ہائے کبر پوشیدند چنان خواہند این خمرے کہ پا کاں جامِ اُترت را
 انہوں نے تکبر کے پردوں میں اپنی عقل و دانش کو چھپا دیا اور اس شراب کے ایسے خواہشمند ہیں جیسے پاک لوگ
 قرب الہی کے
 عربی زبان میں آپ حضرت کی تکبر سے دوری کو مشاہدہ کریں۔
 فرماتے ہیں:

وَ اللَّهُ إِنِّي مَا ادْعَيْتُ تَعَلِّيَا وَ ابْنِي حَيَاتًا مَا يَلِيهَا التَّكْبُرُ

اور بخدا! میں نے تعلق کی راہ سے دعویٰ نہیں کیا۔ اور میں ایسی زندگی چاہتا ہوں جس پر تکبر کا سایہ ہی نہ ہو
 وَقَدْ سَرَّنِي أَنْ لَا يُشَارَ بِاصْبِعِ إِلَيَّ وَالْقَىٰ مِثْلَ عَظْمٍ يُعْفَرُ
 اور میری یہ خوشی رہی کہ میری طرف انگلی کے ساتھ اشارہ نہ کیا جاوے اور میں ایسا پھینک دیا
 جاؤں جیسا کہ ایک ہڈی خاک آلودہ

فَلَمَّا اجْزَنَّا سَاحَةَ الْكِبْرِ كُلَّهَا اتَانِي مِنَ الرَّحْمَنِ وَحْيٌ يُكَبِّرُ

پس جبکہ ہم تکبر کے میدان سے بہت دور نکل گئے اور سب میدان طے کر لیا۔ تب خدا کی وحی
 میرے پاس آئی جس نے مجھے بڑا بنا دیا

فارسی میں خود پسندی اور تکبر کو خدا سے دوری کا موجب قرار دیا ہے۔

خود پسنداں بعقلِ خویش اسیر فارغ از حضرتِ علیم و قدیر
 خود پسند اور اپنی عقل کے اسیر ہیں اور خدائے علیم و قدیر سے بیگانہ ہیں
 آنکہ خود بین و معجب اُفتاد است حضرتِ اقدس کجا یاد است
 وہ شخص جو خود پسند اور متکبر ہے خدائے پاک اُسے کہاں یاد ہے
 خَوْنِ عِطَاقِ عَجْرَهْتِ وَ نِيَازِ نَشِيدِمْ عِشْقِ وَ كِبْرِ اِنْبَازِ
 عاشقوں کی عادت تو عجز و نیاز ہے ہم نے کبھی عشق اور تکبر کو ساتھ ساتھ نہیں پایا
 گر بجوئی سوارِ ایں رہِ راست اندر آنجا بجو کہ گردِ بخواست
 اگر تو اس سیدھے راستے کے سوار کی تلاش میں ہے۔ تو وہاں ڈھونڈھ جہاں گرد اُڑ رہی ہے
 اندر آنجا بجو کہ زورِ نمائد خود نمائی و کبر و شورِ نمائد
 اسے ایسی جگہ ڈھونڈھ جہاں زور نہیں رہا۔ شیخی نہیں رہی تکبر اور شور نہیں رہا

فانیاں را جہانیاں نرسند جانیاں را زبانیاں نرسند
 اس دنیا کے لوگ فانی لوگوں کو نہیں پہنچ سکتے اور زبانی مدعی سچے عاشقوں کو نہیں پہنچ سکتے
 اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی خزانے اپنے احسان سے عطا کئے ہیں۔ اور اس لیے دیئے ہیں کہ
 آپ تکبر سے دور ہو گئے ہیں۔

اللَّهُ أَعْطَانِي حَدَائِقَ عِلْمِهِ لَوْلَا الْعِنَايَةُ كُنْتُ كَالسُّفَهَاءِ
 اللہ نے مجھے اپنے علم کے باغ عطا فرمائے ہیں۔ اگر اللہ کی عنایت نہ ہوتی تو میں بھی بے وقوفوں
 کی طرح ہوتا

إِنِّي دَعَوْتُ اللَّهَ رَبًّا مُّحْسِنًا فَأَرَى عِيُونَ الْعِلْمِ بَعْدَ دُعَائِي
 میں نے اپنے اللہ ربِّ محسن سے درخواست کی تو میری دعا کے بعد اس نے (مجھے) علم کے چشمے دکھادیئے
 إِنَّ الْمُهَيِّمِينَ لَا يُعْزُزُ بِنَحْوِهِ إِنَّ رُمْتَ دَرَجَاتٍ فَكُنْ كَعَفَاءِ
 بے شک خدائے نگہبان تکبر پر عزت نہیں دیتا۔ اگر تو درجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو خاک کی طرح ہو جا
 خودی اور خودروی اللہ کو پسند نہیں۔ بہت ہی خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں۔

جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے
 جو جلتا ہے وہی مُردے جلاوے
 ثمر ہے دُور کا کب غیر کھاوے
 چلو اُوپر کو وہ نیچے نہ آوے
 نہاں اندر نہاں ہے کون لاوے
 غریقِ عشق وہ موتی اُٹھاوے
 وہ دیکھے نیستی رحمت دکھاوے

خودی اور خودروی کب اسکو بھاوے
 مجھے تُو نے یہ دولت اے خدادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْزَى الْأَعَادِي

ترکِ آسائش و آرام

اس عنوان میں بہت ہی خوبصورت بیان اردو میں سن لیں۔

فرماتے ہیں:

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو
ورنہ خیالِ حضرت عَزّت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تا تم پر ہو ملائکہ عرش کا نزول
عربی میں فرماتے ہیں کہ عیش و آرام کی زندگی اصل دشمن ہے۔

فرماتے ہیں:

أَطِعْ رَبَّكَ الْجَبَّارَ أَهْلَ الْأَوَامِرِ وَ خَفِ قَهْرَهُ وَ اتْرُكْ طَرِيقَ التَّجَاسِرِ
اپنے رب کی، جو جبار اور احکام دینے کا حقدار ہے، اطاعت کرو اور اس کے قہر سے ڈرا اور بے جا
دلیری کا طریق چھوڑ دے
وَ كَيْفَ عَلَى نَارِ النَّهَابِ تَصْبِرُ وَ أَنْتَ تَأْذَى عِنْدَ حَرِّ الْهَوَاجِرِ
اور تو جہنم کی آگ پر کیسے صبر کر سکتے گا حالانکہ تو تو دو پہروں کی تپش سے بھی تکلیف محسوس کرتا ہے
وَ حُبُّ الْهَوَىٰ وَ اللَّهُ صِلٌ مُدْمِرٌ كَمَلَمَسِ الْأَعْيِ نَاعِمٍ فِي النَّوَاطِرِ
اور ہوا و ہوس کی محبت، خدا کی قسم! ایک مہلک سانپ ہے جو سانپ کی کینچلی کی طرح بظاہر نرم
دکھائی دیتی ہے

اس مضمون میں فارسی زبان میں ایک عالیشان پُر عظمت و شوکت کلام ہے۔ اس میں ایک مصرعے کا ایک

حصہ الہامی ہے۔

”کہ مے خواہد نگار من تہیدستانِ عشرت را“

یہ الہام حضور اقدسؐ کو ایک کشفی نظارے کے دوران ہوا تھا جس میں ایک فرشتے نے آپ حضور کو باری تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی پانے کی شرط بتائی تھی ”تہیدستانِ عشرت را“ یعنی وصالِ باری تعالیٰ کے لیے عیش و عشرت کی زندگی کو ترک کرنا ہوگا اور آپ حضرت کو یہ پیغام الہی ایسا پیارا لگا کہ آپ نے اس کو ایک شعر میں شامل کر کے محفوظ کر لیا ہم چاہتے ہیں کہ حصولِ برکت کے لیے حضرت اقدس کے الفاظ میں اس واقعہ کو درج کر دیں۔
فرماتے ہیں:

۱۸۷۲ء (قریباً) ”میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ بٹالہ کے مکانات میں ایک حویلی ہے اُس میں ایک سیاہ کمبل پر میں بیٹھا ہوں اور لباس بھی کمبل ہی کی طرح کا پہنا ہوا ہے گویا کہ دُنیا سے الگ ہوا ہوں۔ اتنے میں ایک لمبے قد کا شخص آیا اور مجھے پوچھتا ہے کہ میرزا غلام احمد میرزا غلام مرتضیٰ کا بیٹا کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں۔ کہنے لگا کہ میں نے آپ کی تعریف سنی ہے کہ آپ کو اسرارِ دینی اور حقائق اور معارف میں بہت دخل ہے، یہ تعریف سنکر ملنے آیا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیا۔ اس پر اُس نے آسمان کی طرف منہ کیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بہہ کر رخسار پر پڑتے تھے۔ ایک آنکھ اُوپر تھی اور ایک نیچے، اور اُس کے منہ سے حسرت بھرے یہ الفاظ نکل رہے تھے:-

”تہی دستانِ عشرت را“

اس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ یہ مرتبہ انسان کو نہیں ملتا جب تک کہ وہ اپنے اُوپر ایک ذبح اور موت وارد نہ کرے۔

اس مقام پر عرب صاحب نے حضرت کا یہ شعر پڑھا جس میں یہ کلمہ مُنسلک تھا

”کہ مے خواہد نگار من تہی دستانِ عشرت را“

(ترجمہ از مرتب) کیونکہ میرا محبوب آرامِ طلبی کی زندگی سے الگ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(تذکرہ، ایڈیشن چہارم صفحہ 13، 14)

فرماتے ہیں:

بہ نخوت ہانمی آید بدست آں دامنِ پاکش کسے عزت از ویابد کہ سوزد زحمتِ عزت را
اُس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا۔ اُس کے ہاں اسی کو عزت ملتی ہے جو لباسِ عزت جلا دیتا ہے
اگر خواہی رہ مولے زلافِ علمِ خالی شو کہ رہ نندہند در گولیش اسیر کبر و نخوت را
اگر مولیٰ کی راہ چاہتا ہے تو علم کی شیخی ترک کر کہ اُس کے کوچہ میں اسیر کبر و نخوت کو گھسنے نہیں دیتے

منہ دل در تعہم ہائے دُنیا گر خدا خواہی کہ سے خواہد نگار من تہیدستانِ عشرت را
 اگر خدا کا طلبگار ہے تو دنیوی نعمتوں سے دل نہ لگا کہ میرا محبوب ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو
 عیش کے تارک ہوں

مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا کجا بیند دلِ ناپاک روئے پاک حضرت را
 پانی کا مصفا قطرہ چاہیے تاکہ اس سے موتی پیدا ہو۔ ناپاک دلِ خدا کے پاک چہرہ کو کہاں دیکھ سکتا ہے
 نئے باید مرا یک ذرہ عزتہائے ایں دُنیا منہ از بہر ما کرسی کہ ما موریم خدمت را
 مجھے ذرہ بھر بھی دُنیا کی عزت درکار نہیں۔ ہمارے لیے کرسی نہ بچھا کہ ہم تو خدمت پر مامور ہیں
 محبتِ الہی میں عیش و آرام کی زندگی کو ترک کرنے کا ارادہ بھی مشاہدہ کریں:
 اردو میں فرماتے ہیں:

ہم خاک میں ملے ہیں شاید ملے وہ دلبر
 جیتا ہوں اس ہوس سے میری غذا یہی ہے
 دُنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا
 معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے
 مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اڑایا
 جب سے سُنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے
 دلبر کا درد آیا حرفِ خودی مٹایا
 جب میں مَرا جلا یا جامِ بقا یہی ہے
 اِس عشق میں مصائبِ سَو ہیں ہر قدم میں
 پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے
 حرفِ وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
 اس دلبرِ ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے

فارسی میں آپ حضرت کی خاکساری عاجزی اور عشقِ الہی کا مشاہدہ کریں۔

امروز قوم من نشناسد مقام من روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم
 آج کے دن میری قوم میرا درجہ نہیں پہچانتی لیکن ایک دن آئیگا کہ وہ رو رو کر میرے مبارک وقت
 کو یاد کرے گی

اے قوم من بصر نظر سُوئے غیب دار تا دستِ خود بہ عجزِ بہر تو گسترم!
 اے میری قوم صبر کیساتھ غیب کی طرف نظر رکھ تاکہ میں اپنے ہاتھ (خدا کی درگاہ میں) تیری
 خاطر عاجزی کے ساتھ پھیلاؤں

گر ہچو خاک پیش تو قدم بود چہ باک چوں خاک نے کہ از خس و خاشاک کمترم
 اگر تیرے نزدیک میری قدر خاک کے برابر بھی ہو تو کیا مضائقہ ہے خاک تو کیا میں کوڑے
 کرکٹ سے بھی زیادہ حقیر ہوں

لطف است و فضل اُو کہ نواز د و گر نہ من کریم نہ آدمی صدف استم نہ گوهرم!
 یہ اس کا فضل اور لطف ہے کہ وہ قدر دانی کرتا ہے ورنہ میں تو ایک کیڑا ہوں نہ کہ آدمی۔ سپی ہوں نہ کہ موتی
 ز انگو نہ دستِ اُو دلم از غیر خود کشید گوئی گے نبود دگر در تھوڑم
 اس کے ہاتھ نے اس طرح میرے دل کو غیر کی طرف سے کھینچ لیا گویا اس کے سوا اور کوئی بھی
 میرے خواب و خیال میں نہ تھا

بعد از خدا بعشقِ محمدِ مُحَمَّد گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرَم
 خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں
 ہر تار و پود من بسراید بعشقِ اُو از خود تہی و از غم آں دلستاں پُرَم
 میرے ہر رگ و ریشہ میں اُس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق
 کے غم سے پُر ہوں

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم دستش محافظ است ز ہر بادِ صرصرَم
 میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اُس کا ہاتھ ہر بادِ صرصر سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

فارسی میں فرماتے ہیں کہ اس دل کو جو دنیا کا آرام ڈھونڈتا ہے محمدؐ کے دین کی خاطر غم کدہ بنا دو۔
 دوستانِ خود را نثارِ حضرِ جاناں کنید در رہ آں یار جانی جان و دل قرباں کنید
 اے دوستو اپنے تئیں محبوبِ حقیقی پر قربان کر دو اور اس جانی دوست کی راہ میں جان و دل نثار کر دو
 آں دلِ خوشِ باش را کاندہ جہان جوید خوشی از پئے دینِ محمد کلبہٗ احزاں کنید
 اس آرام پسند دل کو جو اس جہان میں خوشیاں ڈھونڈتا ہے محمدؐ کے دین کی خاطر بیتِ الحزن بنا دو

از تعیش ہا بروں آئید اے مردانِ حق خوشستن را از پئے اسلام سرگرداں کنید
 اے مردانِ خدا عیش و عشرت کی زندگی چھوڑ دو اور اب اپنے آپ کو اسلام کی خاطر سرگرداں کرو
 اردو میں دنیا سے بے رغبتی کی نصیحت کو سُن لیں۔
 فرماتے ہیں:

کہاں تک حرص و شوقِ مالِ فانی!
 اُٹھو ڈھونڈو متاعِ آسمانی
 کہاں تک جوشِ آمال و آمانی
 یہ سو سو چھید ہیں تم میں نہانی
 تو پھر کیونکر ملے وہ یارِ جانی
 کہاں غریبِ مال میں رہتا ہے پانی
 کرو کچھ فکرِ مُلکِ جاودانی
 یہ مُلک و مال جھوٹی ہے کہانی
 بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی
 مگر دل میں یہی تم نے ہے ٹھانی
 خُدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی
 ذرا سوچو یہی ہے زندگانی؟
 خُدا نے اپنی رہ مجھ کو بتادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعْيَادِي
 اور حُبِ جاہ والوں سے خطاب بھی سُن لیں۔

فرماتے ہیں:

اے حُبِ جاہ والو! یہ رہنے کی جا نہیں
 اِس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
 دیکھو تو جا کے اُن کے مقابر کو اک نظر
 سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر

اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے
 اک دن یہ صُح زندگی کی تم پہ شام ہے
 اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے
 پھر دفن کر کے گھر میں تائف سے آئیں گے
 اے لوگو! عیشِ دُنیا کو ہر گز وفا نہیں
 کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں
 سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے
 کس نے بلالیا وہ سبھی کیوں گذر گئے
 وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے
 خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے
 ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
 نفسِ دنیٰ حُدا کی اطاعت میں خاک ہو
 ایک بہت پیار کلام جو حقیقت میں اس مضمون کی جان ہے اور حضرت اقدس کے واصل باللہ ہونے کا ثبوت
 ہے اس کو بھی سُن لیں۔

تاج و تختِ ہند قیصر کو مبارک ہو مدام
 اُن کی شاہی میں میں پاتا ہوں رفاہِ روزگار
 مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا
 مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار
 ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں
 آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا ہتھار
 ملکِ روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
 گو بہت دُنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار
 داغِ لعنت ہے طلب کرنا زمیں کا عِز و جاہ

جس کا جی چاہے کرے اس داغ سے ڈہن دگار
 کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض
 گر وہ ذلت سے ہو راضی اُس پہ سو عزت نثار
 ہم اُسی کے ہو گئے ہیں جو ہمارا ہو گیا
 چھوڑ کر دُنیا ئے دُوں کو ہم نے پایا وہ نگار
 دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرش رب العالمین
 قُرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مُجھ میں یار

اور اس مضمون میں ایک بہت پیارے انداز میں کی گئی نصیحت کو بھی سُن لیں۔ بہت ہی سادہ موثر اور دل فریب

کلام ہے۔

فرماتے ہیں:

اے دوستو پیارو! عقبی کو مت بسارو
 کچھ زادِ راہ لے لو، کچھ کام میں گزارو
 دُنیا ہے جائے فانی دل سے اسے اُتارو
 یہ روزِ کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
 جی مت لگاؤ اس سے دل کو چھڑاؤ اس سے
 رغبت ہٹاؤ اس سے بس دُور جاؤ اس سے
 یارو! یہ اُڑدھا ہے جاں کو بچاؤ اس سے
 یہ روزِ کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي

فارسی میں فرماتے ہیں:

عیش دُنیا ئے دُوں دے چند ست آخرش کار با خداوند ست
 اس ذلیل دُنیا کا عیش چند روزہ ہے بالآخر خدا تعالیٰ سے ہی کام پڑتا ہے
 ایں سرائے زوال و موت و فناست ہرکہ بنشست اندریں برخاست
 یہ دُنیا زوال موت اور فنا کی سرائے ہے جو بھی یہاں رہا وہ آخر رخصت ہوا

یک دے رو بسوئے گورستاں و از خموشانِ آں بہ پُرسِ نشاں
 تھوڑی دیر کے لیے قبرستان میں جا اور وہاں کے مُردوں سے حال پوچھ
 کہ مآلِ حیاتِ دُنیا چسپت ہر کہ پیدا شدست تا کے زیست
 کہ دُنیا کی زندگی کا انجام کیا ہے۔ اور جو پیدا ہوا وہ کب تک جیا ہے
 ترکِ گن کین و کبر و ناز و دلال تانہ کارت کھد بُوئے ضلال
 کینہ۔ تکبر۔ فخر اور ناز چھوڑ دے تاکہ تیرا خاتمہ گمراہی پر نہ ہو

عیبِ جوئی و بدگمانی

بہت ہی خوبصورت اور مؤثر بیان ہے۔

فرماتے ہیں:

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
 تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دور جاتے ہیں
 بے احتیاط اُن کی زباں وار کرتی ہے
 اک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے
 اک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
 پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

اور مزید فرماتے ہیں۔ عیبِ مؤثر کلام ہے:

تم دیکھ کر بھی بد کو بچو بدگمان سے
 ڈرتے رہو عقابِ خدائے جہان سے
 شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا
 شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بدنما
 شاید تمہاری فہم کا ہی کچھ قصور ہو!
 شاید وہ آزمائشِ رب غفور ہو
 پھر تم تو بدگمانی سے اپنی ہوئے ہلاک
 خود سر پہ اپنے لے لیا خشمِ خدائے پاک

مناجات۔ دعا

مناجات کے عنوان میں سب سے اوّل تو وہ مناجات ہے جو ہمارے آقا سیدی حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت منشی احمد جان صاحب کے ہاتھ خانہ کعبہ کے سامنے پڑھ کر سنانے کی ہدایت کی تھی۔ گو وہ نظم میں نہیں مگر ایسی ہے کہ اس کا جواب جناب باری تعالیٰ نے نظم یعنی شعر میں دیا تھا اور اس کو محبت سے قبول کیا تھا۔ جیسا کہ الہام حضرت اقدس سے ظاہر ہے۔

دلم مے بلرزد چو یاد آورم مناجات شوریدہ اندر حرم
میرادل کا پنے لگتا ہے جب میں یاد کرتا ہوں ایک عاشق کی مناجات کو جو اس نے حرم میں کی تھی
(تذکرہ صفحہ 341۔ مطبوعہ 2004ء)

ہم اس الہام خداوندی کی برکت کو حاصل کرتے ہوئے اپنے مضمون کو شروع کرتے ہیں اور قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی تفصیل تذکرہ صفحہ 341، 342 سے حاصل کریں۔ لغوی اعتبار سے مناجات کے معنی یہ ہیں کہ ایسی نظم جس میں خدا تعالیٰ کی تعریف کر کے دعا مانگی جائے۔ اس لیے ہم نے اس مضمون کے عنوان کو ہی مناجات و دعا کے ساتھ منسلک کیا ہے تاکہ اس کے معنی کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔

حضرت اقدس کی تعلیم و تربیت میں جس امر پر بے انتہا تاکید و تلقین کی گئی ہے وہ باری تعالیٰ کی جناب میں دعا کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی دعاوی کی صداقت کے بارے میں بھی فرمایا کہ دعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے تصدیق حاصل کرو۔ فرمایا:

عزیزاں مے دہم صدار سوگند بروئے حضرت داوار سوگند
اے دوستو میں تمہیں سینکڑوں قسمیں دیتا ہوں اور جناب الہی کی ذات کی قسمیں دیتا ہوں
کہ در کارم جواب از حق بجوئید بہ محبوب دل ابرار سوگند
کہ میرے معاملہ میں خدا سے ہی جواب مانگو۔ میں تمہیں نیکیوں کے دلوں کے محبوب کی قسم دیتا ہوں
آپ نے دعا کے آداب اور اس کی تاثیر اور نتائج کے مضمون میں جو تعلیم دی ہے وہ بنیادی طور پر قرآن کریم کے ذیل کے فرمودات کی تفسیر و تعبیر پر مشتمل ہے۔
اوّل فرمان خداوندی ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ
فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِلِعْلَهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرة: 187)

اڈول مقام پر حضرت اقدس اس فرمان کے تحت فرماتے ہیں کہ دعا کا قبول ہونا خدا کی ہستی پر دلیل ہے۔
فرماتے ہیں:

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے تو
اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنی کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں۔ میرا وجود
نہایت اقرب طریق سے سمجھ آ سکتا ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی پر دلیل پیدا ہوتی ہے
اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اُس کی سُننا ہوں اور اپنے
الہام سے اُس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں جس سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ
میرا قادر ہونا بھی پایہ یقین پہنچتا ہے۔ لیکن چاہیے کہ لوگ ایسی حالت تقویٰ اور خدا ترسی کی پیدا
کریں کہ میں ان کی آوازیں سنوں۔ اور نیز چاہیے کہ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور قبل اس کے جو ان کو
معرفت تامہ ملے اس بات کا اقرار کریں کہ خدا موجود ہے اور تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا
ہے۔ کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں:

دعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَ إِذَا
سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ یعنی جب
میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہہ دو کہ وہ بہت
ہی قریب ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو
جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رو یا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے
سے اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم
ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے جب کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے غرض دعا بڑی دولت اور طاقت
ہے۔ اور قرآن شریف میں جا بجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے
ہیں جنہوں نے دعا کے ذریعہ اپنے مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ
اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور
عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی

ہوگی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاویگا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرمایا کہ دعا انسان کا خدا تعالیٰ سے رشتہ قائم کر دیتی ہے۔

دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دعا کی تعلیم نہیں دی یہ دعا ایسی شے ہے جو عبودیت اور ربوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دعا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ان مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور دعا کی تاثیر کے بارے میں فرمایا۔

دعا ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے اگر دعاؤں کا اثر نہ ہوتا تو پھر اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور دعا کی اہمیت کے بارے میں فرمایا۔

اسلام کی صداقت اور حقیقت دعائی کے نکتے کے نیچے مخفی ہے کیونکہ اگر دعا نہیں تو نماز بے فائدہ، زکوٰۃ بے سود اور اسی طرح سب اعمال معاذ اللہ لغو ٹھہرتے ہیں۔

(تفسیر حضرت اقدس)

اور فرمایا کہ دعا کرنا قرآن کریم نے فرض قرار دیا ہے اور اس کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

دُعا جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اس کی فرضیت کے چار سبب ہیں (۱) ایک یہ کہ تاہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر چنگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مُرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ تا دُعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔ (۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الہی شامل حال ہو تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔ (۴) چوتھے یہ کہ دعا کی قبولیت کا آہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور آخر پر سب سے اچھی دعا کی نشاندہی میں فرماتے ہیں:

سب سے عمدہ دُعا یہ ہے کہ خدا کی رضا مندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو۔ کیونکہ

گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں۔ دور کر دے۔ اور اپنی رضا مندی کی راہ دکھائے۔ (تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مضمون میں دوسری آیت قرآنیہ میں فرمان ہے۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَّرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ (النمل: 63)

حضرت اقدس اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خدا وہ خدا ہے جو بیقراروں کی دعا سنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَّرَّ إِذَا دَعَاہُ پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کر سکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریح اجابت کے مترتب نہیں ہوتے اور محض ایک رسمی امر ہے جس میں کچھ بھی روحانیت نہیں۔ میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جبکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین و آسمان کی صفت پر غور کرنے سے سچا خدا پہچانا جاتا ہے اسی طرح دعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مضمون میں تیسرا فرمان قرآن یہ ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المؤمن: 61)

حضرت اقدس اس آیت کی تفسیر میں دعا کی تاثیر کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ”تمام انبیاء اور اولیاء نے جو معجزات اور کرامات دکھائیں وہ دراصل باری تعالیٰ کی جناب میں دعا ہی کے نتیجہ میں صادر ہوئیں اور ان سب انبیاء کے معجزات میں سب سے اوّل اعلیٰ اور روشن معجزہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ظاہر ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی ایسی تجلّی عظمیٰ دکھائی کہ جو پہلے کبھی نہیں دکھائی گئی تھی اور نہ ہی آئندہ دکھائی جائے گی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔“

ہمارے پیارے اور مطاع اور آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضور کا یہ فرمان آنحضرت کی نعت میں ایک شاہکار کلام ہے اس کی بھی ایسی شان ہے کہ ایسا کلام نہ پہلے ظہور میں آیا اور نہ بعد میں آئے گا۔

اللهم صل على محمد و على عبده المسيح الموعود

فرماتے ہیں:

یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اُس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجاب دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پتھروں کے بگڑے ہوئے الہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے پینا ہوئے اور گوگلوں کی زبان پر الہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَ إِلِهِ بِعَدَدِ هَمَمِهِ وَ غَمَمِهِ وَ حُزْنِهِ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ وَ أَنْزِلْ عَلَيْهِ أَنْوَارَ رَحْمَتِكَ إِلَى الْأَبَدِ۔ اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم الشان نہیں جیسی کہ دعا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور آخر پرتا شیر اور قبولیت دعا کا ایک بے نظیر تیرہ ہدف نسخہ بھی ہمارے پیارے مسیح سے سُن لیں۔
فرماتے ہیں:

قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔ اول: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ۔
دوم: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔
تیسرا: موہبت الہی۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یعنی اول اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم
دوم عشق رسول اور درود و سلام ہو
سوم خدا تعالیٰ کی عنایت

دعا کی اہمیت اور تاثیر کو قرآن کریم کے فرمودات اور حضرت اقدس کی تفسیر کے مطابق بیان کر کے ہم اس دعا کو پیش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے اپنے اول فرمان میں تعلیم دی ہے جو تمام دعاؤں کی سرتاج اور سرخیل ہے یعنی سورۃ الفاتحہ۔

سب سے اول ہم اپنے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور ایک قدسی حدیث پیش کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نَصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمْدُنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَتْنِيْ عَلَيَّ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ ﴿مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ﴾ قَالَ مَجْدُنِيْ عَبْدِيْ وَقَالَ مَرَّةً فَوْضَ إِلَيَّ عَبْدِيْ فَإِذَا قَالَ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ هَذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ.

(مسلم کتاب الصلوۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”کہ میں نے دعا کو اپنے اور اپنے غلام میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میرے غلام کو وہ دو ٹکا جو اس نے مجھ سے مانگا۔“

اس لئے جب میرا غلام ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے غلام نے میری حمد کی اور جب میرا غلام ”الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“ کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے غلام نے میری ثناء کی اور جب کہتا ہے ”مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ“ تو اللہ کہتا ہے میرے غلام نے میری مجد کی ہے (اور ایک بار فرمایا میرے غلام نے یہ کام میرے سپرد کر دیا ہے) اور جب وہ کہتا ہے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ تو اللہ کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے غلام کے درمیان بات ہے اور میرے غلام کے لیے وہ ہے جو اُس نے مانگا اور جب وہ کہتا ہے ”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ تو اللہ کہتا ہے کہ یہ میرے غلام کا سوال ہے اور میرے غلام کے لیے وہی ہے جو اس نے سوال کیا ہے۔

اور یہ فرمان بھی تو ہے کہ بہترین دعا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ہے۔

فرماتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ

(ترمذی کتاب الدعوات باب دعوة المسلم مستجابة)

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہترین ذکر کلمہ تو حید ہے یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بہترین دعا الحمد للہ ہے۔

اپنے آقا اور مطاع کے اتباع اور آنحضرتؐ کے فرمان کی تفسیر میں حضرت اقدس بھی ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ دعا ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے یوں سکھایا ہے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ..... الی الآخر۔ یعنی دعا سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جاوے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے روح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو۔ اس لیے فرمایا الْحَمْدُ لِلَّهِ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ رَبِّ الْعَالَمِينَ سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا۔ الرَّحْمَانِ جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے۔ الرَّحِيمِ

پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ
الَّذِينَ هَرَبُوا اس کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے پورا اور
کامل موجد تب ہی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو حکام کے
سامنے جا کر ان کو سب کچھ تسلیم کر لینا یہ گناہ ہے۔ اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اس لحاظ
سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حاکم بنایا ہے۔ ان کی اطاعت ضروری ہے۔ مگر ان کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔
انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ پھر یہ کہو۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ الخ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیے اور وہ نبیوں
صدقوں شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے۔ اس دعا میں ان تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو
مانگا گیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ایک اور مقام میں فرماتے ہیں:

نماز کا مغز اور روح بھی دعا ہی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ جب ہم اِهْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کہتے ہیں تو اس دُعا کے ذریعہ سے اُس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں
جو خدا تعالیٰ سے اُترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اس مقام تک ہم نے خدا تعالیٰ کے فرمودات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائب کی راہنمائی
کے تحت مناجات یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کے منصب کو بیان کیا ہے۔

ان فرمودات عالیہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ

اول۔ دعا کی قبولیت خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہے

دوم۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں دعا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

سوم۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی دعا جو خدا تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے سورۃ الفاتحہ کی دعا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کی دعا کی عظمت و شان کے بیان میں ہم نے فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود
علیہ السلام پیش کئے ہیں مگر اس مضمون میں ایک بات کا ذکر (جو کہ ترتیب بیان کے اعتبار سے اس مقام پر ہی ہو
سکتا تھا) کرنا ادبی اسلوب بیان اور تائید دعا کے اعتبار سے بہت ضروری ہے گو گذشتہ کے فرمودات مرسلین کرام
میں دعا کی تائید اور اہمیت کے بیان میں اشارۃً اس کے اسلوب بیان کی اہمیت کا ذکر بھی شامل ہے مگر کیونکہ ہم

اس وقت مناجات کے ادبی شاہکار پیش کر رہے ہیں اس لیے سورۃ الفاتحہ کی دعا کی ادبی ترتیب کا قدرے وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے۔

ادب پاروں میں جہاں ادبی مواد کی اہمیت ہوتی ہے وہاں پر اس اسلوب بیان کی بھی اسی قدر قدر و منزلت ہوتی ہے۔ ادب ان دو عناصر کے حسین اختلاط اور ارتباط سے تخلیق پاتا ہے اگر مضمون یا مواد کو ادبی حسن و جمال سے آراستہ نہ کیا جائے تو وہ حُسنِ بیان کے زمرے میں نہیں آتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں مضمون کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے وہاں پر مناجات اور دعا کے اسلوب کا التزام بھی کیا ہے۔

مناجات کے اسلوب بیان کو گذشتہ میں پیش کردہ قدسی حدیث بھی واضح کر رہی ہے اور یہاں پر حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فرمان اس ترتیب بیان کی اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔

فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَكُونَ تَسْمِيَةَ هَذِهِ السُّورَةِ بِأَمِّ الْكِتَابِ نَظْرًا إِلَى غَايَةِ التَّعْلِيمِ فِي هَذَا الْبَابِ. فَإِنَّ سُلُوكَ السَّالِكِينَ لَا يَتِمُّ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَسْتَوْلِيَ عَلَى قُلُوبِهِمْ عِزَّةَ الرَّبُّوبِيَّةِ وَذِلَّةَ الْعُبُودِيَّةِ وَلَنْ تَجِدَ مُرْشِدًا فِي هَذَا الْأَمْرِ كَهَذِهِ السُّورَةِ مِنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ الْآتِرَى كَيْفَ أَظْهَرَ عِزَّةَ اللَّهِ وَعَظَمَتَهُ بِقَوْلِهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ إِلَى مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ. ثُمَّ أَظْهَرَ ذِلَّةَ الْعَبْدِ وَهَوَانَهُ وَضَعْفَهُ بِقَوْلِهِ أَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ أَيَّاكَ نَسْتَعِينُ.

اس سورۃ کا چوتھا نام امّ الکتاب رکھنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ امور روحانیہ کے بارے میں اس میں کامل تعلیم موجود ہے، کیونکہ سالکوں کا سلوک اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے دلوں پر ربوبیت کی عزت اور عبودیت کی ذلت غالب نہ آجائے۔ اس امر میں خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے نازل شدہ سورت فاتحہ جیسا رہنما اور کہیں نہیں پاؤ گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اُس نے کس طرح الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے لے کر مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ تک کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی عزت اور عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ پھر أَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ أَيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہہ کر بندہ کے عجز اور کمزوری کو ظاہر کیا ہے۔

(دیکھو تفسیر حضرت اقدس سورۃ الفاتحہ)

یہ فرمان دراصل ادب میں مناجات کی صنف کے اسلوب اور ترتیب کو بیان کر رہا ہے یعنی یہ کہ مناجات کا دستور

بیان اللہ تعالیٰ نے ایسے قائم فرمایا ہے کہ اول خدا تعالیٰ کی عظمت و شان کا بیان ہو اور پھر انسان کی عجز و کمزوری کا اظہار ہو اور آخر پر التجا اور مطلوب کو پیش کیا جائے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مناجات کا یہی اسلوب بیان ہے۔ اور آپ کی اسی ادبی شان کو واضح اور روشن کرنے کے لیے ہی ہم نے گذشتہ کی معروضات کو پیش کیا ہے۔

اول ہم اردو زبان میں آپ حضرت کی شاہکار مناجات اور دعا کو پیش کرتے ہیں مشاہدہ کریں کہ کس قدر الہی اسلوب مناجات کی پاسداری ہے۔ اول باری تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے اور پھر اپنی عاجزی اور انکساری ہے اور آخر پر یہ التجا اور اظہار مطلب ہے۔ بہت ہی عظیم الشان اور بے مثال کلام ہے۔ صرف اپنی سلبی اولاد کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی روحانی اولاد کے لیے بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی جماعت نے اس کو حرزِ جاں بنا رکھا ہے اول حمد و ثناء باری تعالیٰ میں فرماتے ہیں۔

حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یا رِ جانی
دل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
ہے پاک پاک قدرتِ عظمت ہے اسکی عظمت
لرزاں ہیں اہلِ قُرْبَتِ کَرَوِيوں پہ ہیبت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو شُكْرِ نِعْمَتِ
ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا اُلْفَتِ کب چاہے اسکی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
دوسرے قدم پر اپنی عاجزی اور عبودیت کو بیان کرتے ہیں۔

فرمایا:

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا
ہم کو وہی پیارا دلبر وہی ہمارا

اُس بن نہیں گذارا غیر اُس کے جھوٹ سارا
یہ روزِ کرم مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
یارب ہے تیرا احساں میں تیرے دَر پہ فُرباں
تُو نے دیا ہے ایماں تو ہر زماں نگہباں
تیرا کرم ہے ہر آں تو ہے رحیم و رحماں
یہ روزِ کرم مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
تیسرے مقام پر خدا کا شکر ہے۔

کیونکر ہو شکر تیرا، تیرا ہے جو ہے میرا
تُو نے ہر اک کرم سے گھر بھر دیا ہے میرا
جب تیرا نُور آیا جاتا رہا اندھیرا
یہ روزِ کرم مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
تُو نے یہ دِن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دِل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنائیں گایا
صد شکر ہے خُدا یا صد شکر ہے خُدا یا
یہ روزِ کرم مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
اور آخر پر التجا ہے۔

اے قادر و توانا! آفات سے بچانا
ہم تیرے دَر پہ آئے ہم نے ہے تجھ کو مانا
غیروں سے دل غنی ہے جب سے ہے تجھ کو جانا
یہ روزِ کرم مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي
فکروں میں دل حزین ہے جاں درد سے قزین ہے
جو صبر کی تھی طاقت اب مجھ میں وہ نہیں ہے
ہر غم سے دور رکھنا تُو ربِّ عالمیں ہے
یہ روزِ کرم مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَرَانِي

اقبال کو بڑھانا اب فضل لے کے آنا
 ہر رنج سے بچانا دکھ درد سے چھڑانا
 خود میرے کام کرنا یارب نہ آزمانا!
 یہ روزِ کرمبارک فَسُبْحَانَ مَنْ يُرَانِي
 اُردو زبان کی مناجات میں یہ دو بند بھی مشاہدہ کریں۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں عاجزی کو بھی دیکھیں اور دعا
 اور مناجات کی قبولیت پر یقین کا مشاہدہ بھی کریں۔ بہت پیارا اور دلنشین کلام ہے۔
 فرماتے ہیں:

ہوئے ہم تیرے اے قادر تو انا
 ترے در کے ہوئے اور تجھ کو جانا
 ہمیں بس ہے تری درگہ پہ آنا
 مُصِیْبَتِ سے ہمیں ہر دم بچانا
 کہ تیرا نام ہے غفَّار و ہادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْزَى الْأَعَادِي
 تجھے دُنیا میں ہے کس نے پُکارا
 کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا
 تو پھر ہے کس قدر اس کو سہارا
 کہ جس کا تُو ہی ہے سب سے پیارا
 ہوا میں تیرے فضلوں کا مُنادی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْزَى الْأَعَادِي
 دعا اور مناجات کی تلقین کا بھی مشاہدہ کریں۔

فرماتے ہیں:

دُعا کرتے رہو ہر دم پیارو
 ہدایت کے لیے حق کو پُکارو
 دُعا کرنا عجب نِعْمَتِ ہے پیارے
 دُعا سے آگے کشتی کنارے

اگر اس نخل کو طالب لگائے

تو اک دن ہو رہے برتھا نہ جائے

ہمارا کام تھا وعظ و منادی

سو ہم سب کر چکے واللہ ہادی

فارسی زبان میں مشاہدہ کریں۔ اوّل تقریباً پچاس اشعار خدا تعالیٰ کی عظمت و شان میں بیان کر کے اپنی محبت اور عبودیت کو بیان کرتے ہیں۔ اور آخر پر اپنا طلب اور مدعا اس طور سے بیان کرتے ہیں کہ کسی بھی زبان میں ایسی درد بھری۔ محبت الہی سے لبریز دعا اور ایسی حُسن طلب دستیاب نہیں ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرت کے اشعار میں مناجات کے آخری چند شعر مناجات میں آپ کا شاہکار اور حاصل کلام ہیں۔

اوّل حمد و ثنا میں فرماتے ہیں:

ہرم از کاخ عالم آوازیست کہ یکش بانی و بنا سازاست

یہ نظام عالم اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اس جہان کا کوئی بانی اور صانع ضرور ہے

نہ کس او را شریک و انبازاست نے بکارش ذخیل و ہمزاست

کہ کوئی اُس کا شریک ہے نہ سا جھی۔ نہ اُس کے کام میں کوئی ذخیل ہے نہ کوئی اُس کا ہمز ہے

اس جہاں را عمارت اندازاست و از جہاں برتر است و ممتازاست

وہ اس جہان کا بنانے والا ہے۔ مگر خود جہاں سے بالاتر اور ممتاز ہے

وحدہ لا شریک حی و قدیر لم یزل لایزال فرد و بصیر

اکیلا لا شریک زندہ اور قادر ہے۔ ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ یگانہ اور باخبر ہے

اور پھر اظہار عبودیت اور محبت میں فرماتے ہیں:

ہست یادت کلید ہر کارے خاطرے بے تو خاطر آزارے

تیری یاد ہر مشکل کی کلید ہے۔ تیرے بغیر ہر خیال دل کا دکھ ہے۔

ہر کہ نالد بدرگہت بہ نیاز بختِ گم کردہ را بیابد باز

جو تیرے حضور میں عاجزی سے روتا ہے وہ اپنی گم گشتہ قسمت کو دوبارہ پاتا ہے

لطفِ تو ترک طالبانِ نکند کس بکارِ رہت زیاں نکند

تیری مہربانیاں طالبوں کو نہیں چھوڑتیں کوئی تیرے معاملے میں نقصان نہیں اٹھاتا

ہر کہ باذاتِ تُو سرے دارد پُشت بر روئے دیگرے دارد
 ہر شخص صرف تجھ سے تعلق رکھتا ہے وہ دوسرے کی طرف پیٹھ پھیر لیتا ہے
 زینکہ چوں کار بر تو بگذارد رو بہ اغیار از چہ رو آرد
 کیونکہ جب وہ اپنا معاملہ تجھ پر چھوڑ دیتا ہے تو پھر کیوں غیروں کی طرف توجہ کرے
 ذاتِ پاکت بس ہست یار یکے دل یکے جاں یکے نگار یکے
 تیری ذاتِ پاک کا ہمارے لیے دوست ہونا کافی ہے۔ دل بھی ایک ہے۔ جان بھی ایک ہے۔
 محبوب بھی ایک ہونا چاہیئے

اور آخر پر آپ کا عشق الہی اور مناجات میں شاہکار اور بے مثال کلام ہے۔ دعا اور مناجات کے مضمون میں
 ان اشعار کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ کم ہوگی۔ اس کو مناجات عابد بھی کہتے ہیں۔
 فرماتے ہیں:

اے خداوندِ من گناہم بخش سوائے درگاہِ خویش راہم بخش
 اے میرے خدا میرے گناہ بخش دے۔ اپنی بارگاہ تک میری رسائی کر
 روشنی بخش در دل و جانم پاک کُن از گناہ پناہم
 میرے دل و جان میں روشنی کر دے اور گناہ پوشیدہ سے مجھے پاک کر دے
 دلستانی و دلربائی کن بہ نگاہِ گرہ کشائی کُن
 اپنے حُسن سے میرے دل کو چھین لے۔ ایک نظر سے میری مشکل کشائی کر دے
 در دو عالم مرا عزیز توئی و آنچه می خواہم از تو نیز توئی
 دونوں جہانوں میں تو ہی میرا پیارا ہے۔ اور جو چیز میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ تو ہی ہے

مناجات میں باری تعالیٰ کی محبت اور اس کے احسانات کا ذکر جزوِ اعظم کے طور پر ہوتا ہے احسانات پر شکر اور
 خدا کی محبت کا اظہار ہی تو دوا ایسے عناصر ہیں جو خدا تعالیٰ کے رحم اور بخشش کو جذب کرتے ہیں۔
 اس مضمون میں اردو زبان کے اشعار مشاہدہ کریں بہت دلفریب کلام ہے۔
 فرماتے ہیں:

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار

اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کس طرح تیرا کروں اے دُوائمن شکر و سپاس
 وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار
 بدگمانوں سے بچایا مجھ کو خود بن کر گواہ
 کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار
 کام جو کرتے ہیں تیری رہ میں پاتے ہیں جزا
 مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار
 تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
 کس عمل پر جھکو دی ہے خلعتِ قُرب و جوار
 کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
 ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
 یہ سراسر فضل و احسان ہے کہ میں آیا پسند
 ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار
 دوستی کادم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے
 پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے میرے حاجت برار
 اے مرے یارِ یگانہ اے مری جاں کی پئے
 بس ہے تو میرے لیے جھکو نہیں تجھ بن بکار
 میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف
 پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار
 اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
 میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
 ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
 گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار
 نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
 تیرے دن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ نمگسار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول

میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

آخری شعر کی عاجزی اور انکساری کو دیکھیں کہ اپنے محبوب حقیقی کی عنایات پر ہزار جان سے فدا ہو رہے ہیں۔ اور حیران ہیں کہ یہ کیسے ظہور میں آگئیں عاجزی ہو تو ایسی ہو اور اس پر احسان ہو تو ایسا ہو۔

فارسی زبان میں اسی انداز سے باری تعالیٰ کی محبت اور اس کے احسانات کا ذکر ہے۔

فرماتے ہیں:

اے خدا اے چارہ آزارِ ما اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
 اے خدا۔ اے ہمارے دکھوں کی دوا۔ اور اے ہماری گریہ و زاری کا علاج
 اے تو مرہم بخشِ جانِ ریشِ ما اے تو دلدارِ دلِ غمِ کیشِ ما
 تو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے۔ اور تو ہمارے غزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے
 از کرم برداشتی ہر بارِ ما و از تو ہر بار و بر اشجارِ ما
 تو نے اپنی مہربانی سے ہمارے سب بوجھ اٹھالیے ہیں اور ہمارے درختوں پر میوہ اور پھل تیرے فضل سے ہے
 حافظ و ستاری از جود و کرم بیکساں را یاری از لطفِ اتم
 تو ہی مہربانی اور عنایت سے ہمارا محافظ اور پردہ پوش ہے اور کمال مہربانی سے بے کسوں کا ہمدرد ہے
 بندۂ در ماندہ باشد دلِ تپاں ناگہاں درماں بر آری از میاں
 جب بندہ مغموم اور درماندہ ہو جاتا ہے تو تُو وہیں سے اس کا علاج پیدا کر دیتا ہے
 عاجزے را ظلمتے گیرد براہ ناگہاں آری برو صد مہر و ماہ
 جب کسی عاجز کو رستے میں اندھیرا گھیر لیتا ہے تو تُو یکدم اس کے لیے سینکڑوں سورج اور
 چاند پیدا کر دیتا ہے

حُسن و حُلق و دلبری بر تو تمام صحیحے بعد از لقائے تُو حرام
 حسن و اخلاق اور دلبری تجھ پر ختم ہیں تیری ملاقات کے بعد کسی سے تعلق رکھنا حرام ہے

اور عربی میں بھی ایسا ہی انداز بیان اور عجز و انکسار ہے۔

فرماتے ہیں:

وَأنتِ كَرِيمٌ وَوَجْهٌ مَوْلَىٰ مُجَامِلٌ فَلَا تَطْرُدِ الْغُلَّامَانَ بَعْدَ التَّخْيِيرِ
تو کریم و مہربان ہے۔ آقا اور حسن سلوک فرمانے والا ہے۔ پس تو ان غلاموں کو منتخب فرمانے
کے بعد نہ دھتکار

وَجِئْنَاكَ كَالْمَوْتَىٰ فَاحِي أُمُورِنَا وَنَسْتَغْفِرُكَ مُسْتَفْهِينَ فَاغْفِرْ
ہم تیرے پاس مُردوں کی طرح آئے ہیں پس ہمارے معاملات کو زندگی بخش۔ ہم تجھ بخشش
مانگتے ہیں مدد کی درخواست کرتے ہوئے۔ پس معاف فرما۔

السِّيءُ أَيُّ بَابٍ يَا إِلَهِي تَرُدُّنِي اتَّسِرْتُ كُنْيَةَ فِي كَفِّ خَصْمٍ مَخْسَرٍ
کس دروازے کی طرف۔ اے میرے معبود! تو مجھے دھکیلے گا؟ کیا تو مجھے نقصان رساں دشمن
کے ہاتھوں میں چھوڑ دے گا؟

إِلَهِي فَذَتِكَ النَّفْسُ أَنْتَ مَقْصَدِي تَعَالَىٰ بِفَضْلِ مَنْ لَدُنْكَ وَبَشَرٍ
اے میرے معبود! میری جان تجھ پر فدا ہو۔ تو ہی تو میرا مقصود ہے۔ اپنے فضل کے ساتھ آ۔ اور
مجھے خوشخبری دے۔

أَعْرَضْتَ عَنِّي لَا تَكَلِّمْ رَحْمَةً وَقَدْ كُنْتُ مِنْ قَبْلِ الْمَصَائِبِ مَخْبَرِي
کیا تو نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے (جو) تو شفقت کے ساتھ مجھ سے کلام نہیں فرماتا۔ تو تو ان
مصائب سے پہلے میرا مخبر تھا

وَكَيفَ أَظُنُّ زَوَالَ حَبْكِ طَرْفَةٍ وَيَأْطُرُ قَلْبِي حَبْكُ الْمَتَكْتَرِ
اور میں تیری محبت کے زوال کا ایک لحظہ کے لئے بھی کیسے گمان کر سکتا ہوں۔ جب کہ تیری
بہت بڑی محبت میرے دل کو (تیری طرف) جھکا رہی ہے

وَجَدْتُ السَّعَادَةَ كُلَّهَا فِي اطَاعَةٍ فَوَفِّقْ لآخِرِ مَنْ خَلُوصٍ وَيسرٍ
اے خدا! میں نے ساری کی ساری خوش بختی اطاعت میں پائی ہے۔ پس دوسروں کو بھی خلوص کی
توفیق دے اور آسانی پیدا کر

إِلَهِي بوجْهِكَ أَذْرِكُ الْعَبْدَ رَحْمَةً تَعَالَىٰ السَّيِّئُ ذَلِيلٌ مُكْفَرٍ
اے میرے خدا! اپنی ذات کے طفیل اس بندے کی رحم کے ساتھ دستگیری فرما اور (اپنے) کمزور
اور عاجز بندے کی طرف جو تکفیر کیا گیا ہے، آجا

وَمِنْ قَبْلِ هَذَا كُنْتُ تَسْمَعُ دَعْوَتِي وَقَدْ كُنْتُ فِي الْمَضْمَارِ تُرْسِي وَمَأْزَرِي
اور اس سے پہلے تو میری دعائیں سنتا رہا ہے اور تو میدان میں میری ڈھال ہے اور پناہ بنا رہا ہے

الہی اغثنی یا الہی امدنی و بشر بمقصودی حنانا و خیر
 اے میرے خدا! میری فریادرسی کر۔ اے میرے خدا! میری مدد کر اور مہربانی سے میرے مقصود کی
 بشارت دے اور آگاہ کر

انرنی بنورک یا ملاذی و ملجأی نعوذ بوجھک من ظلام مدعش
 مجھے اپنے نورو سے متور کر دے۔ اے میرے ملجأ و ماوی! ہم تیری ذات کی پناہ لیتے ہیں
 چھاجانے والی تاریکی سے

فارسی زبان میں ایک دل ہلادینے والی اور خوف خدا کو انگیزت کرنے والی مناجات ہے۔ اسلامی ادب میں
 اس کی مثال نہیں ملتی کیونکہ اس میں آپ حضرت نے اپنے صدق دعویٰ پر خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرایا ہے۔ یہ ایک یک
 طرفہ مبالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے کہ اگر میں تیری جناب سے اس منصب پر قائم نہیں کی گیا تو مجھ سے
 مواخذہ کر اور بہت دل ہلادینے والی دعا کی ہے کہ اس صورت میں۔ فرماتے ہیں:

اے قدیر و خالق ارض و سما اے رحیم و مہربان و رہنما!
 اے قادر اور آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! اے رحیم۔ مہربان اور رستہ دکھانے والے
 اے کہ سے داری تُو بر دلہا نظر اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
 اے وہ جو کہ دلوں پر نظر رکھتا ہے اے وہ کہ تجھ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں
 گر تو سے بینی مرا پُرفسق و شر گر تو دیداستی کہ ہستم بدگہر
 اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو نے دیکھ لیا ہے کہ میں بد ذات ہوں
 پارہ پارہ گن من بدکار را شاد گن این زمرہ اغیار را
 تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے ان دشمنوں کے گروہ کو خوش کر دے
 بر دل شاں ابر رحمت ہا بہار ہر مراد شاں بفضل خود برآر
 ان کے دلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسائے اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر
 آتش افشاں بر در و دیوار من! دشمنم باش و تبه کن کار من
 میرے در و دیوار پر آگ برسائے میرا دشمن ہو جا اور میرا کاروبار تباہ کر دے

اور اگر ایسا نہیں اور میں آپ کی طرف سے مسیح اور مہدی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تیری بندگی اور اطاعت میں
 سرشار ہوں تو اس صورت میں۔

فرماتے ہیں:

ور مرا از بندگان ت یافتی قبلہ من آستان یافتی
 لیکن اگر تو نے مجھے اپنا فرمانبردار پایا ہے اور اپنی بارگاہ کو میرا قبلہ مقصود پایا ہے
 در دل من آں محبت دیدہ کز جہاں آں راز را پوشیدہ
 اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے جس کا بھید تو نے دنیا سے پوشیدہ رکھا ہے
 بامن از روئے محبت کار گن اندکے افشائے آں اسرار گن!
 تو محبت کی رو سے مجھ سے پیش آ۔ اور اُن اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کر دے
 خود پروں آ از پئے ابراء من اے تو کہف و ملجأ و مأوائے من
 تو آپ میری بریت کے لیے باہر نکل۔ تو ہی میرا حصار اور جائے پناہ ہے اور ٹھکانا ہے

اور فرماتے ہیں کہ ایسا کر کہ اس اندھی دنیا کی آنکھ کھول دے اور اے سخت گیر خدا اپنا زور دکھا

چشم بکشا ایں جہان کور را اے شدید البطش بنما زور را
 اس اندھی دنیا کی آنکھیں کھول اور اے سخت گیر خدا تو اپنا زور دکھا

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ایسی مناجات کی مثال کسی کلام میں نہیں ہوگی کیونکہ اس کی تخلیق کے لیے ایک
 صادق مرسل خدا ہونا ضروری ہے جس کو اپنے صدق پر کامل یقین ہو۔ ایک اور بات جو اس مناجات اور یکطرفہ
 مبالغہ سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی مناجات باری تعالیٰ کی جناب میں قبول ہوئی ہے اور یہ کہ آپ خدا تعالیٰ
 کے سچے مرسل تھے۔ کیونکہ آپ نے اللہ کی جناب میں اپنی مدد اور تائید کو اپنی صداقت سے مشروط کیا ہے اور ہم
 دیکھتے ہیں کہ آج آپ کی جماعت اور آپ کا پیغام اکناف میں پھیل چکا ہے اور آپ کے روحانی مقاصد میں
 برکت اور ترقی ہے اور آپ کے ماننے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اگر ہم اس خیال کو حضرت اقدس
 کے اشعار میں بیان کریں تو ہم کہیں گے کہ اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کا مسیح موعود اور ان کی جماعت سے ایسی
 محبت اور عنایات کا سلوک آپ کے اشعار میں یوں بیان ہوا ہے۔

یہ میرے رب سے میرے لیے ایک گواہ ہے

یہ میرے صدق دعویٰ پر مہر الہ ہے

میرے مسیح ہونے پہ یہ اک دلیل ہے

میرے لیے یہ شاہد رب جلیل ہے

پھر میرے بعد اوروں کی ہے انتظار کیا

توبہ کرو کہ جینے کا ہے اعتبار کیا

اور حضرت اقدس کے اپنے اشعار میں خدا تعالیٰ کے فضل و احسان کا ذکر بھی سن لیں اور یہ کہ آپ حضرت

ان احسانات کو اپنی صداقت کا نشان سمجھتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

پر وہ جو مَجھکو کاذب و مکار کہتے ہیں
 اور مُفتری و کافر و بدکار کہتے ہیں
 اُن کے لیے تو بس ہے خُدا کا یہی نشان
 یعنی وہ فضل اُس کے جو مجھ پر ہیں ہر زمان
 دیکھو! خُدا نے ایک جہاں کو مجھ کا دیا!
 گم نام پاکے فہرہ عالم بنا دیا!
 جو کچھ مری مراد تھی سب کچھ دکھا دیا
 میں اک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا
 دُنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی
 جو اُس نے مجھ کو اپنی عنایات سے نہ دی
 اسی انداز میں عربی اشعار میں یہ مناجات ہے اس کا خُسن و خوبی مشاہدہ کریں۔

سئمننا تکالیف التّطاول من عدا
 تمادات لیالی الجور یا ربی انصر
 ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں۔ اور ظلم کی راتیں لمبی ہو گئیں۔ اے خدا!
 مدد کر

و جئناک کالموتی فآخی اُمورنا
 نخر امامک کالمساکین فاغفر
 اور مُردوں کی طرح تیرے پاس آئے ہیں پس ہمارے کاموں کو زندہ کر۔ ہم تیرے آگے
 مسکینوں کی طرح گرتے ہیں پس ہمیں بخش دے

الہی فدتک النفس انک جنتی
 وما ان اری خلدا کمثلک یشمر
 اے خدا! میری جان تیرے پر قربان، تو میری بہشت ہے۔ اور میں نے کوئی ایسی بہشت نہیں
 دیکھی کہ تیرے جیسا پھل لاوے

طردنا لوجھک من مجالس قومنا
 فاننت لنا حبّ فرید و مؤثر
 اے میرے خدا! تیرے منہ کیلئے ہم اپنی قوم کی مجلسوں سے رد کر دیئے گئے۔ پس تو ہمارا ایگانہ
 دوست ہے جو سب پر اختیار کیا گیا

الہی بوجھک ادرک العبد رحمة و لیس لنا باب سواک و معبر
اے میرے خدا! اپنے منہ کے صدقہ اپنے بندہ کی خبر لے۔ اور ہمارے لئے تیرے سوانہ کوئی
دروازہ اور نہ کوئی جائے گذر ہے

السی ای باب یا الہی تردنی و من جنتہ بالرفق یُزر و یصعر
اے میرے خدا! تو کس دروازہ کی طرف مجھے رد کرے گا۔ اور میں جس کے پاس نرمی کے ساتھ
جاؤں وہ بدگوئی کرتا اور منہ پھیر لیتا ہے

صبرنا علی جور الخلائق کلہم و لکن علی ہجر سطا لا نصبر
ہم نے تمام دنیا کا ظلم برداشت کر لیا۔ مگر تیری جدائی کی ہمیں برداشت نہیں

تعال حبیبی انت روحی وراحتی و ان کانت قد انست ذنبی فستر
آمیرے دوست! تو میری راحت اور میرا آرام ہے۔ اور اگر تو نے میرا کوئی گناہ دیکھا ہے تو
معاف کر

بفضلک انا قد عصمنا من العدا و ان جمالک قاتلی فأت و انظر
تیرے فضل سے ہم دشمنوں سے بچائے گئے۔ مگر تیرے جمال نے ہمیں قتل کر دیا۔ پس آ اور دیکھ
و فرج کرو بی یا الہی و نجنی و مزق خصیمی یا نصیری و عفر
اور میرے غم! اے میرے خدا! دور فرما۔ اور دشمن میرے کو، اے میرے مددگار! پارہ پارہ کر اور
خاک میں ملا

وجدناک رحمانا فما الہم بعدہ و رئیسناک یا حبیبی بعین تنور
ہم نے تجھے رحمان پایا۔ پس بعد اس کے کوئی غم نہ رہا۔ دیکھا ہم نے تجھ کو اُس آنکھ سے جو روشن
کی جاتی ہے

انا المنذر العریان یا معشر الوری اذ کرکم ایام ربی فابصروا
اے لوگو! میں ایک گھلا نذیر ہوں۔ خدا کے دن تمہیں یاد دلاتا ہوں۔
اور اس مضمون میں دین اسلام کی حمایت اور درد میں کی گئی مناجات کو دیکھ لیں۔

دِن چڑھا ہے دُشمنانِ دِیں کا ہم پہ رات ہے

اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرہ مرا
 پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار
 کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
 خاک میں ہوگا یہ سرگر تو نہ آیا بن کے یار
 فضل کے ہاتھوں سے اب اسوقت کر میری مدد
 کشتیِ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار
 میرے سقم و عیب سے اب کیجئے قطعِ نظر
 تانہ خوش ہو دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار
 میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں
 میری فریادوں کو سن میں ہو گیا زار و نزار
 دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مُصطفیٰ
 جھکو کر اے میرے سُلطانِ کامیاب و کامگار
 کیا سُلانے گا مجھے تُو خاک میں قبل از مراد
 یہ تو تیرے پر نہیں اُمید اے میرے حصار
 یا الہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
 اِس شکتہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار
 قوم میں فسق و فجور و معصیت کا زور ہے
 چھارہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار
 ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
 پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

اس مقام تک ہم نے آپ کی

(۱) محبتِ الہی کی مناجات

(۲) اللہ کے شکر و احسان کی مناجات

(۳) اور آپ کے صدق و دعویٰ کی مناجات پیش کی ہیں۔ اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ آپ

حضرت نے اپنی دعاؤں اور مناجات کی قبولیت کا کیا منصب بیان کیا ہے۔

سب سے اول ہم آپ کے شاہکار اور بے مثال قصیدے کے آخری اشعار کو پیش کرتے ہیں۔ یہ قصیدہ واصیلین باری تعالیٰ کی شان اور مناقب کے بیان میں ہے۔ آپ اپنی دعا کی تاثیر اور قبولیت کی شان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

رہِ خلاص کجا باشد آں سیہ دل را کہ باچینیں دل من در پئے جفا باشد
اُس سیاہ دل انسان کو نجات کیونکر مل سکتی ہے جو میرے جیسے دل والے پر ظلم کرنے کے درپے ہو
چوسیلِ دیدہ ما یبچ سیل و طوفاں نیست بترس زیں کہ چینیں سیل پیش پا باشد
ہماری آنکھ کے سیلاب کی طرح کا اور کوئی سیلاب نہیں اس بات سے ڈر کہ کہیں یہ سیلاب تیرے
سامنے ہی نہ ہو

ز آہِ زمرہ ابدال بایت ترسید علی الخصوص اگر آہِ میرزا باشد
تجھے ابدالوں کی جماعت کی آہوں سے ڈرنا چاہیے۔ خصوصاً اگر مرزا (غلام احمد) کی آہ ہو
اور اردو میں فرماتے ہیں:

مُجھ کو ہو کیوں ستاتے سَو افترَا بناتے
بہتر تھا باز آتے دُور از بلا یہی ہے
جس کی دُعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر
ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے
اچھا نہیں ستانا پاکوں کا دل دُکھانا
گُستاخ ہوتے جانا اس کی جزا یہی ہے

اور عربی میں فرماتے ہیں:

إِلَيْكُمْ يَا أُولَىٰ مَجْدِ الْيَوْمِ وَإِن لَّمْ تَنْتَهُوْا فَاَلْوَقْتُ لَاحُ
باز آجاؤ اے بزرگو! باز آجاؤ۔ اگر تم باز نہ آؤ تو وقت ملامت کرے گا
وَلَيْ قَدْزُ عَظِيْمٌ عِنْدَ رَبِّي وَسُئِلِي لَا يُرَدُّ وَلَا يُزَاحُ
اور میرے رب کے حضور میں میرا بڑا مرتبہ ہے اور میری دعا رد نہیں کی جاتی اور نہ ہی ٹالی جاتی ہے
وَمِثْلِي حِينَ يَنْكِي فِي دُعَاءٍ فَيَسْعَىٰ نَحْوَهُ فَضْلٌ مُّتَّاحُ
اور میرے جیسا آدمی جب دعا میں روتا ہے تو اس کی طرف فضلِ مقدر دوڑ کر آتا ہے

وَكَادَتْ تَلْمَعُنْ أَنْوَارُ شَمْسِي فَيَتَّبِعُهَا الْوَرَى إِلَّا الْوَقَاحُ

اور قریب ہے کہ میرے سورج کے انوار چمکیں اور پھر سوائے بے شرم کے سارا جہان ان کے پیچھے چلے گا

وَيَأْتِي يَوْمُ رَبِّي مِثْلَ بَرْقٍ فَلَا تَبْقَى الْكِلَابُ وَلَا النَّبَاحُ

اور میرے رب کا دن بجلی کی طرح آئے گا۔ پس نہ کتے باقی رہیں گے نہ ہی ان کا بھونکنا

وَلِي مِنْ لُطْفِ رَبِّي كُلَّ يَوْمٍ مَرَاتِبٌ لِلْعِدَا فِيهَا افْتِضَاحُ

اور میرے لئے اپنے رب کی مہربانی سے ہر روز ایسے مدارج ہیں کہ دشمنوں کے لئے ان میں

رُسوائی ہی رُسوائی ہے

وَنُورٌ كَامِلٌ كَالْبَدْرِ تَامٍ وَوَجْهَةٌ يَسْتَنْيرُ وَلَا يَلَاخُ

اور مجھے چودھویں کے چاند کی طرح کامل نور حاصل ہے اور ایسا چہرہ حاصل ہے جو چمکتا ہے اور

متغیر نہیں کیا جاسکتا

اور عربی میں ایک دعائیہ قطعہ ہے۔ ایسا کہ دل اس پر ہزار جان سے قربان ہوتو بھی اس کا حق ادا نہ ہو۔

فرماتے ہیں:

أَمْتِنِي فِي الْمَحَبَّةِ وَالْوَدَادِ وَكُنْ فِي هَذِهِ لِي وَالْمَعَادِ

مجھے اپنی محبت میں ہی وفات دے اور اس دنیا اور آخرت میں تو میرا ہو جا۔

وَلَمْ يَبْقَ الْهُمُومُ لَنَا فَإِنَّا تَوَكَّلْنَا عَلَى رَبِّ الْعِبَادِ

اور ہمیں کوئی غم نہیں رہے۔ کیونکہ ہم نے رب العباد پر توکل کیا ہے۔



حضرت اقدس کا روحانی منصب اور مقام

خیال تھا کہ حضرت اقدس کے ادب عالیہ کی خدمت کو اس طور سے ترتیب دیا جائے کہ اس کتاب کا آخری موضوع مناجات اور دعا ہو مگر دوران خدمت گذاری یہ خلش دل میں رہی کہ ایک عنوان یہ بھی ہونا چاہیے کہ آپ حضرت نے اپنے روحانی منصب کو کیسے بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس محبت کے جذبے سے مجبور ہو کر ہم نے یہ عنوان باندھا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت اقدس کا تمام کلام اور اس کے تمام موضوعات چودھویں کے چاند کی طرح سے آپ کے روحانی منصب ہی کی ضوفشانی کر رہے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں آپ کے قرب الہی ہی کو پیش کر رہے ہیں مگر یہ حقیقت ہر انسان کے شعور کی حدود تک ہی محدود ہوتی ہے یعنی یہ کہ جس قدر اس کے سمجھ آئی اسی قدر اس کو قبول کر لیا اس لیے اگر آپ حضرت کے اپنے کلام میں آپ کے روحانی منصب کو بیان کیا جائے تو وہ آپ کے روحانی منصب اور قرب الہی کی عظمت کی حقیقی ترجمانی ہوگی۔ مگر آپ کے بیان سے بڑھ کر جو کلام آپ کے روحانی منصب اور مقام کی ترجمانی کرنے کا حقدار ہے وہ بارگاہ الہی کا یہ فرمان ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَنَفَىٰ صَلَاحٍ مُّبِينٍ وَأَخْرَجَنَّ مِنْهُمْ لَمَمًا
يَدْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الجمعة: 3، 4)

حضرت اقدس ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت کا ما حاصل یہ ہے کہ خدا وہ خدا ہے جس نے ایسے وقت میں رسول بھیجا کہ لوگ علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور علوم حکمیہ دینیہ جن سے تکمیل نفس ہو اور نفوس انسانیہ علمی اور عملی کمال کو پہنچیں بالکل گم ہو گئی تھی اور لوگ گمراہی میں مبتلا تھے یعنی خدا اور اس کی صراطِ مستقیم سے بہت دُور جا پڑے تھے تب ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول اُسی بھیجا اور اس رسول نے اُن کے نفوس کو پاک کیا اور علم الکتاب اور حکمت سے اُن کو مملو کیا یعنی نشانوں اور معجزات سے مرتبہ یقین کامل تک پہنچایا اور خدا شناسی کے نُور سے ان کے دلوں کو روشن کیا اور پھر فرمایا کہ ایک گروہ اور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ بھی اوّل تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم اور حکمت اور یقین سے دُور ہونگے تب خدا ان کو بھی صحابہ کے رنگ میں لائے گا یعنی جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ اُن کو بھی دکھایا جائے گا یہاں تک کہ اُن کا صدق اور یقین بھی صحابہ کے

صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کے وقت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لَوْ كَانِ الْإِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالشَّرِيَةِ لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ یعنی اگر ایمان شریٹا پر یعنی آسمان پر بھی اٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اُس کو واپس لائے گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہوگا۔ اس زمانہ میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا۔ یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

دوسرے مقام پر اپنے دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کے بارے میں فرماتے ہیں:

اور آیت آخرین منہم میں بھی اشارہ ہے کہ جیسا کہ یہ جماعت مسیح موعود کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے مشابہ ہے ایسا ہی جو شخص اس جماعت کا امام ہے وہ بھی ظلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی موعود کی صفت فرمائی کہ وہ آپ سے مشابہ ہوگا اور دو مشابہتیں اُس کے وجود میں ہوں گی ایک مشابہت حضرت مسیح علیہ السلام سے جس کی وجہ سے وہ مسیح کہلائے گا اور دوسری مشابہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کی وجہ سے وہ مہدی کہلائے گا۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ حضرت کو ان پیشگوئیوں کا مصداق بنا دیا۔

فرماتے ہیں:

خدا کے کلام میں یہ امر قریباً یافتہ تھا کہ دوسرا حصہ اس اُمت کا وہ ہوگا جو مسیح موعود کی جماعت ہوگی۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو دوسروں سے علیحدہ کر کے بیان کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَ الْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَدْحَقُوا بِهِمْ یعنی اُمت محمدیہ میں سے ایک اور فرقہ بھی ہے جو بعد میں آخری زمانہ میں آنے والے ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کی پشت پر مارا اور فرمایا لَوْ كَانِ الْإِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالشَّرِيَةِ لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ اور میری نسبت پیشگوئی تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس

پیشگوئی کی تصدیق کے لیے وہی حدیث بطور وحی میرے پرنازل کی اور وحی کی رو سے مجھ سے پہلے اس کا کوئی مصداق معین نہ تھا اور خدا کی وحی نے مجھے معین کر دیا۔ فالحمد للہ۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

اور فرماتے ہیں کہ و آخرین منہم کے فرمان میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں اور یہ کہ بروزی رنگ میں آپ کا بار بار تشریف لانا کوئی عار نہیں۔

روحانی زندگی کے لحاظ سے ہم تمام نبیوں میں سے اعلیٰ درجے پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سمجھتے ہیں اور قرآن شریف کی آیت **وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ** میں اس زندگی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کا بھی مطلب ہے کہ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی فیض پایا ایسا ہی آخری زمانہ میں ہوگا کہ مسیح موعود اور اس کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پائے گی جیسا کہ اب ظہور میں آ رہا ہے۔
(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دُنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا اظہار بھی کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ** اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت آتی ہے۔

(تفسیر حضرت اقدس زیر آیت)

ہم نے دانستہ طور پر آپ حضرت کے روحانی منصب اور مقام کے تعلق میں خدا تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ حضرت کی وحی کے مطابق جو فرمودات ہیں ان کو قدرے تفصیل سے پیش کیا ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ آپ حضرت کے روحانی منصب اور مقام کی یہی اساس ہے۔ دیگر تمام مناصب اسی فرمان خداوندی اور حدیث رسول اکرم کے ذیل میں اور تفصیل میں ہیں۔

ان تفصیلی مناقب میں سب سے اول تو ذیل کے دو الہامی اشعار ہیں کہ جن کے شاہانہ انداز اور حسن و خوبی کو بیان کرنا مشکل ہے۔

چو دَورِ خسروی آغاز کردند مسلمان را مسلمان باز کردند
جب ہمارا شاہی زمانہ شروع ہوا تو مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا گیا

مقامِ اُو میں از راہِ تحقیر بدورانش رسولانِ ناز کردند
اس کے درجہ کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھ کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے
(الہام حضرت اقدس)

مشاہدہ کریں کہ کلامِ الہی کی کیسی عظمت و شان ہے کہ دواشعار میں آپ کا روحانی مقام اور اس کا موجب اور
باعث بھی بیان کر دیا یعنی

”مسلمان را مسلمان باز کردند“

اور اس خدمت گزاری کے صلے میں آپ کا روحانی منصب اور مقام بھی عطا فرمایا
فرمایا

مقامِ اُو میں از راہِ تحقیر بدورانش رسولانِ ناز کردند
اس فرمانِ خداوندی کی روشنی میں اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت اقدس کا تمام کلام
”مسلمان را مسلمان باز کردند“

ہی کی غرض سے صادر ہوا ہے تو یقیناً درست ہوگا کیونکہ امت مسلمہ کی اصلاحِ احوال دو طور سے ہی ہو سکتی تھی
اول ان میں محبتِ الہی کو زندہ کر کے اور دوم ان کے عقائد اور نظریات کی اصلاح کر کے۔ اور یہی موضوعات
آپ کے اشعار میں ہیں۔ یعنی حمد و ثنا میں خدا تعالیٰ کا صحیح تصوّر بیان ہوا ہے نعتِ رسولؐ میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صداقت اور حقیقی منصب بیان ہوا ہے اور نعتِ قرآن میں تعلیمِ قرآن کی تعلیم کی عظمت بیان ہوئی ہے
اور اسی طور سے دیگر موضوعات اسلام کی تعلیم کا صحیح تصوّر پیش کرتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس قطعہ کے دوسرے شعر

مقامِ اُو میں از راہِ تحقیر بدورانش رسولانِ ناز کردند
اس کے مقام کو کم تر نہ سمجھو۔ کیونکہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے
میں درحقیقت باری تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر و تعبیر بیان ہوئی ہے جیسا کہ الہام ہے۔

”جَرِيُّ اللّٰهِ فِي حُلَلِ الْاَنْبِيَاءِ“

جری اللہ نبیوں کے حلوں میں (تذکرہ صفحہ 63 مطبوعہ 2004ء)

آپ حضرت اپنے اس منصب کو کس قدر خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آدمِ نیز احمدِ مختار در برمِ جامہٴ ہمہ ابرار
میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار بھی میرے جسم پر تمام ابرار کے خلعت ہیں

کارہائے کہ کرد با من یار برتر آں دفتر است از اظہار
 وہ کام جو خدا نے میرے ساتھ کیے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے
 آنچہ داد است ہر نبی را جام داد آں جام را مرا تمام
 جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے
 اردو میں فرمایا:

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے

وہ ہمارا ہو گیا اُسکے ہوئے ہم جاں نثار

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوب ہوں

نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اک شجر ہوں جسکو داؤدی صفت کے پھل لگے

میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب

گر نہ ہوتا نام احمدؑ جس پہ میرا سب مدار

مثیل انبیاء ہونا اور ان کے عرفان باری تعالیٰ کا مکمل وارث ہونا ہی دراصل آپ کا منصب عالی ہے اور یہی وہ
 مقام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ”جسری اللہ فی حلیل الانبیاء“ اور ”بدورانش رسولاں نازکردند“ میں بیان کیا
 ہے۔ یہاں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت اقدس نے تاکید سے بیان کیا ہے کہ یہ مناصب
 آپ کو آپ کے آقا اور مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور وراثت میں ملے ہیں۔
 جیسے فرمایا ہے:

انبیاء گرچہ بودہ اند بے من بعرفان نہ کمترم ز کسے

اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الہی میں کسی سے کم نہیں ہوں

وارث مصطفیٰ شدم بہ یقین شدہ رنگیں یار حسین

میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں

اردو زبان میں فرماتے ہیں:

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے

لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
 دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
 جب سے یہ نور ملا نور پیہر سے ہمیں
 ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
 مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
 اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
 ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مُدام
 دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
 اس مقام پر ہم اس امر کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں کہ مخالفین حضرت اقدس نے آپ کے اس شعر پر ایک صدی
 سے واویلا کر رکھا ہے۔

کر بلا است سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم
 کر بلا میری ہر آن کی سیرگاہ ہے۔ سینکڑوں حسین میری گریبان کے اندر ہیں
 مگر اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ ”سیر“ تصوف کی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تلاش میں مجاہدہ اور
 اُس کے قُرب کا مقام ہے دوسرے الفاظ میں آپ ”حضرت حسینؑ کے مجاہدہ کر بلا کو ایک روحانی مجاہدہ قرار دے
 رہے ہیں اور اپنے مجاہدات کو حضرت حسینؑ کے مجاہدات سے تشبیہ دے رہے ہیں۔
 اور اگر ”صد حسین است در گریبانم“
 پر ناراضگی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ حضرت کو تمام انبیاء کے ”حُلّے“ پہنا دیئے ہیں اور اس اعزاز پر آپ
 فرماتے ہیں

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم
 ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہو گیا اور ہر رسول میرے پیراہن میں پوشیدہ ہے
 مخالفین کو اس حقیقت کا ادراک مشکل ہو گیا ہے کہ جو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ گذشتہ کے
 تمام مرسلین اور واصلیین باری تعالیٰ کی تصدیق کر رہا ہوتا ہے۔ ان تمام گذارشات کے ساتھ اس حقیقت
 کو حضرت اقدس نے تاکیداً بیان کیا ہے کہ یہ سب مناصب آپ کو آپ کے آقا اور مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کی نیابت اور وراثت میں ملے ہیں۔

آپ اس اعزاز کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہم چہیں عشقم بروئے مصطفےٰ دل پرد چوں مرغ سوئے مصطفےٰ
ایسا ہی عشق مجھے مصطفےٰ کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفےٰ کی طرف اڑ کر جاتا ہے
تامرا دادند از حُسنش خبر شد دلم از عشق او زیر و زبر
جب سے مجھے اُس کے حسن کی خبر دی گئی ہے۔ میرا دل اُس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے
منکہ مے پیئم رُخ آں دلبرے جاں فشائم گردہد دل دیگرے
میں اُس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی اُسے دل دے تو میں اُس کے مقابلہ پر جان نثار کردوں
ساقی من ہست آں جاں پردورے ہر زماں مستم کند از ساغرے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے
حور روئے اوشداست این رُوئے من بوئے او آید زبام و کوائے من
میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آ رہی ہے
بسکہ من در عشق او ہستم نہاں من ہانم - من ہانم - من ہاں
از بسکہ میں اُس کے عشق میں غایب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں

جان من از جان او یابد غذا از گریبانم عیاں خُدا آں ذکا!
میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے
احمد اندر جان احمد خُدا پدید اسم من گردید آں اسم وحید
احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا اس لیے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے
عربی زبان میں فرماتے ہیں:

وَإِنِّي وَرِثْتُ الْمَالَ مَالَ مُحَمَّدٍ فَمَا أَنَا إِلَّا آلُهُ الْمُتَخَيَّرُ
اور میں محمد کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں۔ پس میں اس کی آل برگزیدہ ہوں جس کو ورثہ پہنچ گیا
وَكَيفَ وَرِثْتُ وَلَسْتُ مِنْ أَبْنَائِهِ فَفَكِّرْ وَ هَلْ فِي حِزْبِكُمْ مُتَّفَكِرُ
اور میں کیونکر اس کا وارث بنایا گیا ہوں جب کہ میں اس کی اولاد میں سے نہیں ہوں پس اس جگہ
فکر کر کیا تم میں کوئی بھی فکر کرنے والا نہیں؟

أَتَزْعَمُ أَنْ رَسُولَنَا سَيِّدَ الْوَرَى عَلَى زَعْمِ شَانِئِهِ تَوْفَى أَبْتَرُ
کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اولاد ہونے کی حالت میں
وفات پائی؟ جیسا کہ دشمن بدگو کا خیال ہے

فَلَا وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ لِأَجَلِهِ لَهُ مِثْلُنَا وَوَلَدٌ إِلَى يَوْمِ يُحْشَرُ
مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہوں گے
وَإِنَّا وَرِثْنَا مِثْلَ وَوَلَدٍ مَتَاعَهُ فَأَيُّ تِبْؤَاتٍ بَعْدَ ذَلِكَ يُحْضَرُ
اور ہم نے اولاد کی طرح اس کی وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے، جو پیش کیا جائے؟
اور فرماتے ہیں۔

وَلِدِينِهِ فِي جَنْدِرِ قَلْبِي لَوْعَةٌ وَإِنَّ بَيَانِي عَنْ جَنَانِي يُخْبِرُ
اور آپ کے دین کے لیے میرے دل کی گہرائیوں میں ایک تڑپ ہے اور یقیناً میرا بیان میرے
دل کی حالت کی خبر دے رہا ہے
وَرِثْتُ عُلُومَ الْمُصْطَفَى فَأَخَذْتُهَا وَكَيْفَ أَرِذُّ عَطَاءَ رَبِّي وَأَفْجُرُ
میں مصطفیٰ کے علوم کا وارث ہوا سو میں نے ان کو لے لیا اور میں اپنے رب کی عطا کو کیسے رد کروں
اور گنہگار بنوں

وَكَيفَ وَ لِلْإِسْلَامِ قُمْتُ صَبَابَةً وَ أَبْكِي لَهُ لَيْلًا نَهَارًا وَ أَضْجُرُ
اور یہ ہو کیسے سکتا ہے حالانکہ اسلام کی تائید کے لئے میں ازراہ عشق کھڑا ہوں اور اسی کے لیے
رات دن روتا ہوں اور کڑھتا ہوں

اور فرماتے ہیں کہ ہم نے خدا کو آپ کے نور کے ذریعہ سے پایا ہے۔

رَبِّنَا مِنْ نُورِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى وَ لَوْلَاهُ مَا تَبْنَا وَ لَا تَقَرَّبُ
ہم نے اس (خدا) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے ذریعہ پایا۔ اگر وہ نبی نہ ہوتا تو نہ ہم رجوع
(الی اللہ) کرتے اور نہ ہم (خدا کے) مقرب بنتے

لَهُ دَرَجَاتٌ فِي الْمَحَبَّةِ تَامَةً لَهُ لَمَعَاتٌ زَالَ مِنْهَا الْعَيْهَبُ
اس نبی کو محبتِ الہی میں کامل درجات حاصل ہیں۔ اس کو ایسی شعاعیں ملی ہیں جن کے ذریعہ
تاریکی دور ہوگئی ہے

ذُكَاةً مُنْبِرًا قَدْ أَنَارَ قُلُوبَنَا وَ لَهُ إِلَى يَوْمِ النُّشُورِ مُعَقَّبُ
وہ روشنی کرنے والا آفتاب ہے اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے اور اس کا قیامت کے دن
تک کوئی نہ کوئی جانشین ہوتا رہے گا

وَ فِي اللَّيْلِ بَعْدَ الشَّمْسِ قَمَرٌ مُنَوَّرٌ كَمَا فِي الزَّمَانِ نُشَاهِدُنْ وَ نُجَرِّبُ
اور رات کو سورج کے بعد روشن چاند ہوتا ہے جیسا کہ ہم زمانہ میں مشاہدہ کرتے اور تجربہ رکھتے ہیں
وَ لِلَّهِ الطَّافُ عَلَى مَنْ أَحَبَّهُ فَوَابِلُهُ فِي كُلِّ قَرْنٍ يَسْكَبُ
اور خدا کی اس شخص پر مہربانیاں ہیں جو آپ سے محبت کرے پس آپ کی موسلا دھار بارش ہر
صدی میں برسا کرتی ہے

اور فرماتے ہیں کہ اللہ کی سنت ہے کہ سورج کے بعد چاند ستارے چمکتے ہیں۔

وَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ شَمْسٌ مُنِيرَةٌ وَ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ بَدْرٌ وَ كَوْكَبٌ
اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو روشنی دینے والے سورج ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد چودھویں کا چاند اور ستارے ہیں
جَرَتْ عَادَةُ اللَّهِ الَّذِي هُوَ رَبُّنَا يُرِي وَجْهَهُ نُورٌ بَعْدَ نُورٍ يَذْهَبُ
اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے اس کی یہ عادت جاری ہے کہ وہ ایک نور کے جانے کے بعد دوسرے
نور کا چہرہ دکھا دیتا ہے

كَذَلِكَ فِي الدُّنْيَا نَرَى قَانُونَهُ نُجُومُ السَّمَاءِ تَبْدُو إِذَا الشَّمْسُ تَغْرُبُ
اسی طرح دنیا میں ہم اس کا قانون پاتے ہیں کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو آسمان کے
ستارے ظاہر ہو جاتے ہیں

خَفِيَ اللَّهُ يَا مَنْ بَارَزَ اللَّهُ مِنْ هَوَى وَ إِنَّ الْفَتَى عِنْدَ التَّجَاسُرِ يَرْهَبُ
اللہ سے ڈر۔ اے شخص! جس نے ہوائے نفسانی سے خدا کا مقابلہ کیا اور بے شک جو اس مرد ایسی
دیدہ دلیری دکھاتے ہوئے خوف کھاتا ہے

اس مقام تک ہم نے آپ حضرت کے روحانی منصب اور مقام کے بیان میں

اول: حضرت اقدس کے الہامات ربانی کو پیش کیا ہے

دوم: آپ کا مثیل انبیاء ہونا پیش کیا ہے۔

سوم: آپ کا وارث رسول اکرم ہونا پیش کیا ہے

اب ہم بہت اختصار سے آپ کا عشق الہی اور عشق رسول کا منصب و مقام پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

امروز قومِ من نشناسد مقامِ من روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم
آج کے دن میری قوم میرا درجہ نہیں پہچانتی لیکن ایک دن آئیگا کہ وہ رور و کر میرے مبارک وقت
کو یاد کرے گی

اے قومِ من بصرِ نظر سُوئے غیبِ دار تا دستِ خود بہ عجزِ بہر تو گسترم!
اے میری قوم صبر کیساتھ غیب کی طرف نظر رکھ تاکہ میں اپنے ہاتھ (خدا کی درگاہ میں) تیری
خاطر عاجزی کے ساتھ پھیلاؤں

گر ہچو خاک پیش تو قدرم بود چہ باک چوں خاک نے کہ از خس و خاشاک کمتر
اگر تیرے نزدیک میری قدر خاک کے برابر بھی نہیں تو کیا مضائقہ ہے خاک تو کیا میں کوڑے
کرکٹ سے بھی زیادہ حقیر ہوں

لطف است و فضل او کہ نواز دگر نہ من کرم نہ آدمی صدف استم نہ گوہرم!
یہ اس کا فضل اور لطف ہے کہ وہ قدر دانی کرتا ہے ورنہ میں تو ایک کیڑا ہوں نہ کہ آدمی۔ سپنی ہوں
نہ کہ موتی

زانگونہ دست او دلم از غیر خود کشید گوئی گہے نبود دگر در تصوّرم
اس کے ہاتھ نے اس طرح میرے دل کو غیر کی طرف سے کھینچ لیا گویا اس کے سوا اور کوئی بھی
میرے خواب و خیال میں نہ تھا

بعد از خدا بعشق محمد محرم گر کفر این بود بخدا سخت کافر
خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں

ہر تار و پود من بسراید بعشق او از خود تہی و از غم آں دلستاں پرم
میرے ہر گ و ریشہ میں اُس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق
کے غم سے پُر ہوں

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم دستش محافظ است ز ہر بادِ صرصرم
میں درگاہِ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اُس کا ہاتھ ہر بادِ صرصر سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

فرماتے ہیں۔ بہت ہی دلفریب اشعار ہیں

مجھے اس یار سے پیوندِ جاں ہے وُہی جنت وُہی دار الاماں ہے

بیان اس کا کروں طاقت کہاں ہے محبت کا تو اک دریا رواں ہے

یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعْدَى

اور فرماتے ہیں۔

ترے کوچہ میں کن راہوں سے آؤں وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں

محبت چیز کیا کس کو بتاؤں وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں

میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں یہی بہتر کہ خاک اپنی اڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیاۓ مادی

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَحْزَى الْأَعْدَى

عربی زبان میں فرماتے ہیں:

بِوَجْهِكَ مَا أَنْسَى عَطَايَاكَ بَعْدَهُ وَفِي كُلِّ نَادٍ نَبَأَ فَضْلِكَ أَذْكَرُ

تیری ذات کی قسم! اس کے بعد میں تیرے احسانات کو نہ بھولوں گا۔ اور ہر مجلس میں تیرے فضل کی عظیم الشان خبر کا ذکر کرتا رہوں گا

تُسَلِّبُكَ رُوحِي دَائِمًا كُلَّ سَاعَةٍ وَأَنْكَ مَهْمَا تَحْشُرُ الْقَلْبَ يَحْضُرُ

میری روح ہمیشہ ہر گھڑی تجھے لیبک کہتی ہے۔ اور بے شک تو جب بھی میرے دل کو بلاتا ہے وہ حاضر ہو جاتا ہے

وَتَعْصِمُنِي فِي كُلِّ حَرْبٍ تَرُحِمًا فِدَى لَكَ رُوحِي أَنْتَ دِرْعِي وَمَغْفَرُ

اور تو مجھے ازراہِ ترحم ہر لڑائی میں بچا لیتا ہے۔ میری روح تجھ پر قربان جائے۔ تو ہی میری زرہ اور خود ہے

يُنَوِّرُ ضَوْءَ الشَّمْسِ وَجَهَ خَلَائِقِ وَلَكِنْ جَنَانِي مِنْ سَنَاكَ يُنَوِّرُ

سورج کی روشنی تو مخلوق کے چہرے کو متور کرتی ہے۔ لیکن میرا دل تیرے نور سے متور ہو جاتا ہے

گذشتہ کے عنوانات کے تحت حضرت اقدس کا منصب و مقام پیش کرنے کے بعد ہم چند ایک بہت ہی

دلفریب نمونے پیش خدمت کرتے ہیں۔

فارسی زبان میں اپنے قرب الہی کے بیان میں بے انتہا حسین اور دلربا اشعار ہیں۔
فرماتے ہیں:

ہر کہ در عہدَم زِ من ماند جُدا مے کُند بر نفسِ خود جُور و بَحفا
جو میرے زمانہ میں مجھ سے جُدا رہتا ہے تو وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔
پُر زِ نورِ دِلستاں شد سینہ ام شد زِ دستے صِقلِ آئینہ ام
محبوب کے نُور سے میرا سینہ بھر گیا میرے آئینہ کا صِقل اسی کے ہاتھ نے کیا
پیکرم ہُد پیکرِ یارِ ازل کارِ من ہُد کارِ دلدارِ ازل
میرا وجود اُس یارِ ازل کا وجود بن گیا اور میرا کام اُس دلدارِ قدیم کا کام ہو گیا
بسکہ جانم ہُد نہاں در یارِ من بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من
چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی اس لیے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی
نورِ حق دارِیم زیرِ چادرے از گریبانم برآمد دلبرے
ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا ہے۔
احمدِ آخرِ زمان نامِ من است آخریں جامے ہمیں جامِ من است
احمدِ آخرِ زمان، میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دُنیا کے لیے) آخری جام ہے۔

غزل کی صنف میں فرماتے ہیں:

الا اے دشمنِ ناداں و بے راہ بترس از تیغِ برانِ محمد
اے نادان اور گمراہ دشمن ہوشیار ہو جا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر
رہ مولیٰ کہ گم کردند مردم بجو در آل و اعوانِ محمد
خدا کے اس راستہ کو جسے لوگوں نے بھلا دیا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور انصار میں ڈھونڈھ
الا اے منکر از شانِ محمد ہم از نورِ نمایانِ محمد
خبردار ہو جا! اے وہ شخص جو محمدؐ کی شانِ نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے
کرامت گرچہ بے نام و نشان است بیا بنگر زِ غلمانِ محمد
اگرچہ کرامت اب مفقود ہے۔ مگر تو آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے

اس نظم کی خوبی اور اسلوب زبان کو دیکھیں اور غلام احمد کی شان کا مشاہدہ کریں۔

زندگی بخش جامِ احمد ہے
 کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
 لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
 سب سے بڑھ کر مقامِ احمد ہے
 باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا
 میرا بُتتاں کلامِ احمد ہے
 ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
 اس سے بہتر غلامِ احمد ہے
 آپ حضرت کی شان میں اس الہامی شعر کو ہمیشہ یاد رکھنا ضروری ہے۔
 برتر گمان وہم سے احمد کی شان ہے
 جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

(تذکرہ صفحہ 583۔ مطبوعہ 2004ء)

دنیا سے بے رغبتی اور رجوع الی اللہ کو دیکھیں:

ابن مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے
 نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کار زار
 مُلک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
 کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نئے دیار
 تاج و تختِ ہند قیصر کو مبارک ہو مدام
 اُن کی شاہی میں میں پاتا ہوں رفاہِ روزگار
 مچھکو کیا ملکوں سے میرا مُلک ہے سب سے جُدا
 مچھکو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار
 ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں
 آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا تقار

ان اشعار کی شان کو مشاہدہ کریں۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پُشتی دیوار دیں اور مامنِ اسلام ہوں
نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ این جدار
آپ کے عشقِ الہی کا منصب دیکھیں

یارب مرا بہر قدم استوار دار واں روزِ خود مباد کہ عہدِ تو بگنم
اے رب مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑوں
درکوائے تو اگر سرِ عشاق را زند اوّل کسے کہ لافِ تعشق زند منم!
اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سرتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ میں ہوں گا
اور آخر پر باری تعالیٰ کی محبت اور اس سے قرب کو سمجھ لیں۔

مَنْ نَهَ وَاعْظُ كَهَ عَاشِقِ زَارِمِ آید از طورِ واعظانِ عارمِ
میں ایک واعظ نہیں بلکہ عاشقِ زار ہوں اور واعظوں کے طریق سے مجھے عار ہے
نزدِ بیگانگانِ جنوں زدہ ام نزدِ معشوقِ نیکِ ہشیارم
خدا سے دور لوگوں کی نظر میں دیوانہ ہوں مگر معشوق کی نظر میں بہت ہوشیار ہوں
حضرت اقدس کا روحانی منصب اور مقام تو آپ کی نثر کے ہر فقرے اور نظم کے ہر شعر میں ثابت اور عیاں
ہے، ہم نے نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے چند نمونے پیش کئے ہیں جو اس مضمون کا حق تو ادا نہیں کر سکتے البتہ
یہ اظہار ضرور کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے عاشقوں میں سے ہیں اور آپ کی ہر تجلی اور ادائے محبوبی ہمیں جان و دل
سے عزیز ہے۔

یہ شعر ایک بار اور پیش خدمت ہے۔

سپردم بتو مایہِ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را
میں نے اپنا تمام سرمایہ تیری جناب میں پیش کر دیا ہے۔ کم و بیش کا حساب تو ہی جانتا ہے۔



يونس:	ما على الرسول الا البلاغ....100
الحمد لله رب العالمين11	54
205-145	ما قلت لهم الا ما امرتني به....118
فقد لبثت فيكم عمراً...17	31
5	<u>الانعام:</u>
للذين احسنوا الحسنى...27	فقد كذبوا بالحق لما جاءهم...6
377	142
واتل عليهم نبأ نوح اذ قال...72	بديع السموات والارض انى يكون....102
143	143
<u>هود:</u>	قل ان صلاتى ونسكى ومحياى...163-164
كتاب احكمت آياته4-2	353-346-307-286-46
332-307-250-207-206-47	<u>الاعراف:</u>
<u>الرعد:</u>	الرسول النبى الامى...158
اكلها دائم36	312-28
251	واذ اخذ ربك من بنى ادم...173
<u>ابراهيم:</u>	363-355-346-206
وما ارسلنا من رسول الا بلسان...5	ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها...181
71-58	17
الم تر كيف ضرب الله مثلا كلمة...25-26	فباى حديث بعده يومنون186
21	332
<u>النحل:</u>	وتراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون....199
هذا لسان عربى مبين104	341
104-9	خذ العفو وامر بالعرف واعرض...200
ان الله مع الذين اتقوا...129	387
377-376	<u>التوبة:</u>
<u>بنى اسرائيل:</u>	قل ان كان اباؤكم وابناءكم...24
ان هذا القران يهدى...10	97
313	لقد جاءكم رسول من انفسكم...128
تسبح له السموات السبع والارض...45	386-281-268-253
335-228-207-206	

	<u>الفرقان:</u>	وقل لعبادي يقولوا التي هي احسن...54
327	وقال الرسول يرب ان قومي...31	18
388-387	وعباد الرحمن الذين يمشون...64	10-9
389	واذا مرو باللغو مروا كراماً...73	18
	<u>النمل:</u>	<u>طه:</u>
10	يا ايها الذين آمنوا اذعوا للرحمن...111	الله لا اله الا هو له الاسماء الحسنه...9
412	امن يجيب المضطر اذا دعاه...63	والقيت عليك محبة منى...40
	<u>القصص:</u>	<u>الانبياء:</u>
222-201	له الحمد في الاولى والاخرة...71	هل هذا الا بشر مثلكم...4
	<u>الروم:</u>	قل ربي يعلم القول...5
221	فسبحان الله حين تمسون...18-19	وما ارسلناك الا رحمة للعلمين...108
347	فطرت الله التي فطر الناس عليها...31	<u>الحج:</u>
	<u>السجدة:</u>	وهدو الى الطيب من القول...25
17	الذي احسن كل شئ خلقه...8	37
	<u>الاحزاب:</u>	ملة ابيكم ابراهيم هو ستمكم...79
257	النبي اولى بالمؤمنين...7	286
262	لقد كان لكم...22	<u>المؤمنون:</u>
		فتبارك الله احسن الخالقين...15
		<u>النور:</u>
		الله نور السموات والارض...36
		310-308-228-154

	<u>الجاثية:</u>	من المؤمنين رجال صدقوا... 24
222	فله الحمد رب السموات... 37-38	338-167
	<u>محمد:</u>	يا ايها الذين امنوا اذكروا الله... 42-43
144	ذلك بان الله مولى الذين... 12	221-220
46-44	فاعلم انه لا اله الا الله... 20	وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا... 47
	<u>الفتح:</u>	ان الله وملائكته يصلون... 57
337	محمد رسول الله... 30	311-248-155
	<u>الذاريات:</u>	414-256-255-252
348-307-206	وما خلقت الجن والانس... 57	<u>الصفوت:</u>
	<u>النجم:</u>	وسلم على المرسلين... رب العالمين... 182-183
54-32	ما ينطق عن الهوى... 4-5	205
	<u>القمر:</u>	<u>الزمر:</u>
64	ولقد يسرنا القرآن للذكر... 41	الله نزل احسن الحديث... 24
164-33	ان المتقين في جنّ ونهر... 55-56	313-38-22-9
	<u>الواقعة:</u>	فمن اظلم ممن كذب على الله... 33-34
332	لا يمسه الا المطهرون... 80	164
	<u>الحديد:</u>	<u>المومن:</u>
267	سبح لله ما في السموات والارض... 2	وانذرهم يوم الازفة... 19
145	الم يان للذين امنوا... 17	وان يك كاذباً فعليه كذبه... 29
		وقال ربكم ادعوني استجب لكم... 61
		وصوركم فاحسن صوركم... 65
		الحمد لله رب العالمين... 66
		<u>حمّ السجدة:</u>
		ادفع بالتي هي احسن... 35
		377

الحاقة:	والذين امنوا بالله ورسوله... 20
انه لقول رسول كريم... 41-44	167
56	ويجعل لكم نورا تمشون به... 29
ولو تقول علينا بعض الاقاويل... 45-47	163
96	المجادلة:
الجن:	كتب الله لا غلبن انا ورسلي... 22
الا بلغا من الله ورسلته... 24	10
31	رضى الله عنهم ورضوا عنه... 23
علم الغيب فلا يظهر على غيبه... 27-29	336-337
30	الحشر:
المزمل:	سبح لله ما في السموات والارض... 2
تبتل اليه تبتلاً... 9	209
196	لوانزلنا هذا القرآن على جبل... 22
المدثر:	هو الله الذي لا اله الا هو... 23-25
ذرنى ومن خلقت وحيداً... 12	222-218-217-216
144	الصف:
القيامة:	سبح لله ما في السموات والارض... 2
بل الانسان على نفسه بصيرة... 15-16	208
144	الجمعة:
الانفطار:	يسبح لله ما في السموات وما في الارض... 2
الذى خلقك فسوك فعدلك... 8	207
16	واخرين منهم لما يلحقوا بهم... 4
الاخلاص:	433-163-75
قل هو الله احد... 2	القلم:
211-210	انك لعلى خلق عظيم... 5
	389-254

